خطباتِ مشاہیر

منبرِ حقانیہ سے

عظیم بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی جامعہ حقانیہ
کے منبر ومحراب سے تقریباً پون صدی پر مشتمل
اساطین علم وفضل ، علماء و محدثین ، مشائخ
واکابرین امت ، دانشور و مصنفین اور نامور
خطباء کرام کے خطبات، مواعظ ونصائح کا
علمی، فقہی ، روحانی مجموعہ ......
علم وعمل، معارف وحکم، دعوت وجہاد، حکمرانی
وسیاست اور تصوف وارشاد کا بحرِ ذخار
مکمل تحقیق وتخریج کیساتھ مستند دستاویز
شناوران علم وحکمت کیلئے ایک نایاب تحفہ

جِلدِ اوّل

ترتیب وتدوین ، توضیح وحواشی

مولانا سمیع الحق

مشائخ واساتذہ
دارالعلوم دیوبند

منبرِ حقانیہ سے

خطباتِ مشاہیر

ترتیب وتدوین ، توضیح وحواشی

مولانا سمیع الحق

۱

مشائخ واساتذہ
دارالعلوم دیوبند

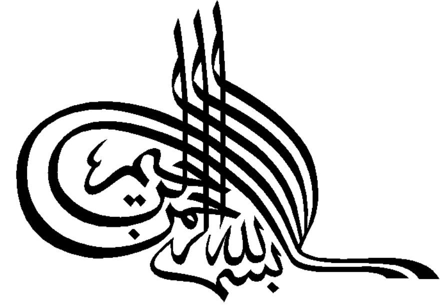
جلد اول میں شامل اہم

مشاہیرِ خطباءِ کرام

کے

اسمائے گرامی

- شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (شیخ الحدیث وصدر المدرسین)
- حکیم الاسلام مولانا محمد طیب قاسمی صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند)
- حضرت مولانا محمد اسعد مدنی قدس سرہٗ (فرزند مولانا حسین احمد مدنی)
- مولانا معراج الحق دیوبندی قدس سرہٗ (مدرس دار العلوم دیوبند)
- حضرت مولانا مرغوب الرحمان قدس سرہٗ (مہتمم دار العلوم دیوبند)
- حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب (نائب مہتمم دار العلوم دیوبند)
- حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی قدس سرہٗ (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند)
- حضرت مولانا عبد الحق اعظمی قدس سرہٗ (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند)
- حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند)



خطباتِ مشاہیر

جلد اول

منبرِ حقانیہ سے

خطباتِ مشاہیر

(جلد اول)

ترتیب وتدوین .... حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

ضخامت .... ۴۰۰ صفحات

نظر ثانی وتخریج .... مولانا محمد اسلام حقانی / مفتی یاسر نعمانی

کمپوزنگ .... بابر حنیف

تعداد 1100

اشاعتِ اوّل .... اپریل 2015

برقی رابطے .... editor_alhaq@yahoo.com

www.jamiahaqqania.edu.pk

ملنے کے پتے

☆ مؤتمر المصنفین ...... جامعہ دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

☆ القاسم اکیڈمی ...... جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

☆ مکتبہ ایوان شریعت ...... جامعہ دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

☆ کتاب سرائے، اردو بازار لاہور

☆ تحقیقات پبلشرز نوشہرہ

☆ یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار پشاور

☆ مکتبہ محمودیہ، سردار پلازہ، اکوڑہ خٹک (0300-9610409)

فہرست

مقدمہ

از مؤلف کتاب مولانا سمیع الحق مدظلہ

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام على صاحب الرسالة وصحابته الغر المحجلين ومن اتبعوهم من العلماء الربانيين والمشائخ الراشدين والدعاة الهادين المهتدين والمجاهدين الصديقين والشهداء الصادقين الناجحين

الحمدللہ کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کواللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت اور علوم اسلامیہ کی درس وتدریس کے ساتھ ساتھ رشد وہدایت دعوت وارشاد، سیاست اسلامیہ اور جہاد و اعلاء کلمۃ اللہ کا ایک ایسا منبع بنادیا ہے جس کے چشمے چاروں طرف ہر میدان میں پھوٹ رہے ہیں، اس شجرہ طوبیٰ (جو اصلها ثابت دفرعها فی السماء کا مصداق ہے) کے مشک بار مہک اور صدابہار برگ و بار سے علم اور دین کے میدانوں میں موسم بہار کا سماں ہے، درس وتدریس کا فیض تو دارالعلوم کے درسگاہوں میں فیضیاب ہونے والے تشنگان علم تک محدود رہتا ہے مگر دارالعلوم میں دنیائے اسلام بلکہ دنیا بھر سے اکابر علم وفضل اور اعیان امت اور زعمائے ملک وملت کی آمد کا سلسلہ روز اول سے جاری رہا، یہ حضرات دارالعلوم کی دستار بندی ختم بخاری اور دیگر اجتماعات میں یا انفرادی آمد کے موقع پر طلبہ وعلماء کی خواہش پر دارالعلوم کے منبر ومحراب سے اپنے پرنور خطابات سے بھی نوازتے رہے جبکہ مخاطبین عوام نہیں بلکہ علم کے متلاشی طلبہ اور علماءِ راسخین کا مجمع ہوتا ہے، ایسے مجمع سے ہر مقرر واعظ اور خطیب ومعلم تمام صلاحیتیں بروئے کار لاکر عمر بھر کا نچوڑ پیش کرتا ہے کہ خطاب عوام سے نہیں اہل علم سے ہوتا ہے، روحانی اور علمی جواہر اور نکات و حکم سے لبریز یہ ارشادات کسی ایک وقت یا کسی خاص مجمع کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک پوری امت کیلئے سرمایہ رشد وہدایت اور کیمیائے سعادت ہوتے ہیں، ان ارشادات کو احقر بدوشعور سے اکثر خود نوٹ کرلیتا تھا کہ اس وقت ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی سہولتیں نہ تھیں، اور کچھ بعد میں ٹیپ سے محفوظ کرکے ماہنامہ ''الحق'' اور دیگر ذرائع سے چھپ جاتے تھے، مگر ان خطبات کی اکثریت پراگندہ مسودات اور مختصر نوٹس کی شکل میں بکھرے ہوئے تھے، کچھ امتدادِ زمانہ سے

ایسے دھندلا گئے تھے کہ انہیں محدب شیشوں (عدسات) سے پڑھ کر زندہ کرنے کی کوشش کی گئی، پچاس ساٹھ سال پر حاوی یہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد سمیٹتے ہوئے مرتب ومدون کرکے سینکڑوں فائلوں اور رسالوں سے جمع کرنے کا کام جوئے شیر لانے اور کوہ ہمالیہ سر کرنے سے کم نہیں تھا مگر احقر حوصلہ نہیں ہارا اور کام شروع کردیا تو مشکل مراحل طے ہوتے گئے، اور دن بدن خطبات کی مالا کا حسن و جمال دوبالا ہوتا گیا اس بحر بے کنار کی وسعتوں اور موجوں کا اندازہ وسیع تر ہوتا گیا اور جلدیں توقع سے بڑھ کر تلك عشرة كاملة کی تفسیر بن گئیں یہ سب حضرت والد ماجد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا فیضان اور ان کے قائم کردہ عظیم المرتبت ہشت پہلو ادارے جامعہ حقانیہ کی برکات کا صدقہ ہے۔

مکتوبات مشاہیر کی دس جلدوں کی شکل میں اشاعت کے بعد ان اکابر کی تحریری افادات کے بعد ان اکابر کی تقریری اور خطابتی فیوضات کی جمع وترتیب اور اشاعت کی ٹھان لی اور سوچا کہ پھر جمع کررہا ہوں جگر لخت لخت کو اخ اور الحمدللہ اب وہ عظیم مہتم بالشان کام خطبات مشاہیر کی دس ضخیم جلدوں کی شکل میں دنیائے علم وادب اور سالکین راہ اصلاح وسلوک کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے، جبکہ ابھی مزید مواد بکھرے ہوئے پلندوں اور ریکارڈوں میں موجود ہے، اور اللہ نے چاہا تو اس پر کام جاری رہے گا، دارالعلوم آنے والے محترم اصحاب علم وفضل کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جن کے ارشادات وملفوظات حیطۂ تحریر میں نہیں لائے جاسکے، مگر جو کچھ ہوسکا اللہ کا کرم ہے مالا يدرك كله لا يترك كله منبر ومحراب حقانیہ کے علاوہ ایک بڑا حصہ دارالعلوم کے مجلہ ماہنامہ ''الحق'' کے ذریعہ محفوظ ہوتا رہا، کچھ حقانیہ سے باہر ملک کے مختلف حصوں میں قومی وملی رہنمائی کیلئے منعقدہ تقریبات (جو دارالعلوم کے اس ادنیٰ خادم کی تحریک اور نظم وانصرام میں منعقدہ ہوتے رہے) سے لی گئیں، متحدہ شریعت محاذ ملی یکجہتی کونسل دفاع افغانستان پاکستان، جمعیۃ علماء اسلام وغیرہ، دارالعلوم حقانیہ سے اس ادنیٰ خادم کی نسبت کی وجہ سے انہیں بھی دارالعلوم حقانیہ کے منبر ومحراب اور جامعہ حقانیہ کی جلوہ افروزی اور ضیا پاشی ہی سمجھا جائے، خطبات مشاہیر ایک ایسا گلدستہ اور کہکشاں علم و ہدایت ہے جس میں آپ علم وہدایت رشد واصلاح تصوف وسلوک جہاد و

سیاست، دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، کے اوج بلند پر فائز شخصیات کی صحبت واستفادہ کی بیک وقت سعادت حاصل کرسکتے ہیں مثال کے طور پر مرشدین و مصلحین امت میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ التفسیر لاہوریؒ، مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ، مولانا خواجہ عبدالمالک نقشبندیؒ، مولانا درخواستی صاحبؒ، اور حکماء اور دعاۃ امت میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ داعی کبیر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، محدثین و محققین میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، مولانا شمس الحق افغانی صاحبؒ، علامہ محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، دعوت وتبلیغ میں مولانا محمد یوسفؒ دہلوی، مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ اور مولانا طارق جمیل، درس وتدریس میں اساتذہ و مشائخ دارالعلوم دیوبند وجامعہ حقانیہ، جہاد وعزیمت کے میدانوں کے شہسوار مولانا یونس خالص، مولانا محمد نبی محمدی، مولانا جلال الدین حقانی، امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد، ضیاء المشائخ ابراہیم جان شہیدؒ، صبغۃ اللہ مجددی، استاذ برہان الدین ربانی، ملا محمد ربانیؒ زعما جہاد میں خلعت شہادت سے سرفراز شیخ اسامہ بن لادن، چیچنیا کے شہید صدر زیلم خان، جیسے بے شمار شہدائے جہاد شامل ہیں، میدانِ خطابت کے شناور شہنشاہ خطابت سید عطاء اللہ شاہ بخاری خطیب بے بدل مولانا احتشام الحق تھانوی میدان حرب وضرب کے جنرل حمید گل، جنرل اسلم بیگ، آئین وقوانین کے ماہرین جناب اے کے بروہی جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال وہ زعماء جو دین اور سیاست کے میدانوں میں قائدانہ مقام رکھتے تھے، مولانا مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا غلام غوث ہزاروی، اور قاضی حسین احمد، حافظ محمد سعید اور دیگر بے شمار قائدین اور خالص سیاسی زعماء میں خان عبدالغفار خان، عبدالولی خان، اجمل خٹک، میاں نواز شریف، وسیم سجاد، چودھری ظہور الٰہی، ارباب غلام رحیم، غلام مصطفیٰ جتوئی، نوابزادہ نصراللہ، راجہ ظفر الحق و دیگر اوران کے علاوہ عالم عرب کے سرکردہ علماء و مشائخ علامہ بشیر الابراہیمی الجزائری علامہ شیخ ابوغدہ، علامہ محمود صواف، علامہ عبدالمجید زندانی، مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز ابن باز، ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی، نائب رئیس الجامعہ مدینہ کے شیخ عبداللہ الزائد جامع ازھر کے کئی شیوخ الازھر، امام حرم، شیخ صالح بن حمید، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف جیسے درجنوں کے علوم و فیوض کی ایک جھلک ان خطبات کے ذریعہ دکھائی دے گی،

مدارس عربیہ کے تعلیمی نظام ونصاب پر ماہرین تعلیم اوراساتذہ فن کے اصلاحی تجاویز پر بحث و تنقیح پر ایک مستقل جلد ہے جو جامعہ حقانیہ میں منعقدہ وفاق المدارس کے سالانہ دو روزہ اجلاس میں ارباب مدارس مہتممین وفاق کے تجربات کا نچوڑ ہے اوراس سے رہنمائی اس دور کی خاص ضرورت ہے۔ اس طرح نفاذ شریعت کی تحریک میں کی گئی تقاریر ملک میں تنفیذ اسلام کے عمل کے لئے بہتر رہنمائی کریں گی، افغان جہادی زعماء کے خطبات اس صدی کے عظیم جہاد (بمقابلہ روس و امریکا) کے اہم اور خفیہ گوشے بے نقاب ہوں گے، بعض کتابوں کی رونمائی میں ارباب علم وادب، اصحاب صحافت وسیاست کے ناقدانہ خیالات بصیرت افروز ثابت ہوں گے۔ کتاب کی پہلی جلد کا آغاز دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ ومشائخ سے کیا گیا ہے، کیونکہ وہ اُم المدارس اور روحانی وعلمی ماں ہے پھر سید الطائفہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اس طبقہ کے سرخیل اور تقدیم وتقدیر کے مستحق ان کی آمد وملفوظات کو تبرکاً پیشانی کا جھومر بنادیا گیا ہے۔ کتاب کے کئی ایک خطبات بعض اساتذہ وطلبہ نے ضبط کئے تھے ان کے نام خطبات کے آخر میں دے دیئے ہیں، اس جانگسل طویل عمل کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، تخریج آیات وحدیث طباعت وغیرہ کے مختلف مراحل میں میرے قابل فخر تلامذہ مولانا محمد اسلام حقانی، مولانا اسرار ابن مدنی، مولانا محمد یاسر حقانی، مولانا عرفان الحق حقانی، کمپیوٹر شعبہ کے سربراہ بابر حنیف نے دلی محنت ولگن سے دن رات محنت کی، فرزند عزیز حافظ راشد الحق سلمہ عمومی نگرانی اور تعاون کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی کاوشوں کو قبول کرے۔ الحمدللہ خطبات مشاہیر کے ذریعہ دارالعلوم کے فیوضات اب جامعہ کے درسگاہوں تک محدود نہیں رہے بلکہ باہر کی دنیائے علم و فن بالخصوص عہد حاضر کے قدیم وجدید طلباء ان علوم وفیوض سے استفادہ کرسکیں گے۔ یہ ایک پورے عہد اور تاریخ کی ایسی داستان دلکشا اور صدائے دلربا ہے جسے قدرت نے لوح جہاں پر ثبت کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سرمایہ علم وفکر اور بے مثل خزانے کو افادہ عام اور ناچیز کیلئے نجات کا ذریعہ بنادے۔

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ

۲۰/اپریل ۲۰۱۵ء بمطابق یکم رجب المرجب ۱۴۳۶ھ

خطبات

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی

قدس اللہ سرہ العزیز

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

تعارف

اپنے وقت کے جہاد وعزیمت کے امام، علوم قرآن وسنت کے بحر ذخار، تصوف اور سلوک وارشاد کے مشکوۃ ومصباح تھے ہزاروں تلامذہ اور بے شمار خلفاء کے ذریعہ ان کا علمی اور روحانی فیض جاری ہے، جن میں شیخ الحدیث کو بھی اللہ تعالیٰ نے مدنی فیوض کا ایسا سرچشمہ بنادیا جس کی مثال کم ملتی ہے، آج بھی دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں ڈیڑھ ہزار طلبہ شیخ الحدیث کے واسطہ سے شیخ مدنیؒ کے فیوضات سے فیضیاب ہورہے ہیں، جس کی مثال پورے برصغیر میں نہیں ذلك فضل اللّٰه ...... یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا،

الحمدللہ حاجی امداد اللہ کے بعد ہمارے شیخ اکبر دارالعلوم حقانیہ اور ہمارے پورے گھر کیلئے سیدالطائفۃ او رالامام الکبیر کا مقام رکھتے ہیں، چند سطور سے تعبیر احساسات نہیں کی جاسکتی...... ع سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کیلئے

خطبات مشاہیر کا آغاز ہم افادات شیخ الاسلام سے کرنے کو سعادت عظمیٰ ، نیک فال تذکرے کے ساتھ تبرک سمجھتے ہیں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے ان ارشادات عالیہ سے طالبین ہدایت کو ایمان و یقین عزیمت و جہاد کی روشنی مل سکتی ہے (احقر الافقر سمیع الحق)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی اکوڑہ خٹک آمد اور تاثرات

مدرسہ تعلیم القرآن (حقانیہ) کا معائنہ، باضابطہ افتتاح اور رائے گرامی

مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن (سکول) قائم شدہ ۱۹۳۷ء اب میٹرک تک پہنچ چکا ہے اور دارالعلوم حقانیہ کے ابتدائی درجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس وقت اس میں درسِ نظامی کی ایک کلاس بھی رکھی گئی تھی۔ یہ گویا ایک ابتدائی شکل تھی جسے قدرت نے بعد میں دارالعلوم حقانیہ کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ مدرسہ کے ابتدائی ایام ۹ رمئی ۱۹۳۸ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی بھی اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو تعلیم القرآن اسلامیہ سکول کی کتاب الآراء میں حسب ذیل ارشاد گرامی تحریر فرمایا:۔

”میں اپنی خوش قسمتی سے ماہ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ میں اس مدرسہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں حاضر ہوا۔ اگرچہ اس مدرسہ کو جاری ہوئے ابھی ایک برس کا عرصہ نہیں ہوا مگر ظاہری احوال اور ترقیات امید افزا ہیں۔ بحمد اللہ بچے بھی بکثرت ہیں اور مدرسین کرام کی قربانی اور ایثار بھی اطمینان بخش ہے۔ میں اہل اکوڑہ سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس مدرسہ کے جاری رہنے اور روز افزوں ترقی کرنے میں ہر قسم کی امداد فرما دیں۔ وہ ہر طرح تمام اہل قصبہ کیلئے دین ودنیا کا ذخیرہ ہے۔ نیز میں امید کرتا ہوں کہ اہل قصبہ اپنے اپنے بچوں کو ضرور بالضرور یہاں کی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

شیخ الاسلامؒ کو خان بہادر زمان خان کا منظوم سپاسنامہ

یادگار خٹک نامی کتابچہ میں ایک مشاعرہ کی روئداد میں خان اعلیٰ ☆ مرحوم کی دارالعلوم حقانیہ اور بانی حقانیہ مولانا عبدالحق اور مولانا حسین احمد مدنی کے آمد پر کہے گئے ان کے اشعار سے ان روابط پر مزید روشنی پڑتی ہے: ۹ مئی ۱۹۳۸ء کو مولانا حسین احمد مدنی اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو تعلیم القرآن کے معائنہ کے موقع پر خان اعلیٰ خان بہادر زمان خان نے حضرت مدنی کی عقیدت میں ایک فی البدیہ نظم کہی جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

یہ مولانا حسین احمد ہیں یارو
جنہیں تم دیکھتے ہو چشم سر سے
رکھو پاس ادب خاموش ہو کر
بھرو دامانِ دل علمی گہرے
کہاں یہ بطل حریت کہاں ہم
جو لاتے گر نہ عبدالحق ہُنر سے
ہیں مولانائے عبدالحق جو ہم میں
رہیں گے اے خطک فتح وظفر سے
یہ مکتب درس اسلامی کا یارب
رہے محفوظ تر سوئے نظر سے

☆ خاندانِ خٹک کے باکمال بزرگ اور خانوادۂ محمد خوشحال خان خٹک مرحوم کے گل سر سبد، کمالات ظاہری ومعنوی کی ایک دلآویز تصویر، خان بہادر زمان خان خٹک رئیس اکوڑہ خٹک ۲ جنوری ۱۹۶۰ء مطابق ۷ رجب ۱۳۷۹ھ کو وفات پائی پشتو ادب سے ذوق اور مہارت ورثہ میں ملی تھی، اُردو اور فارسی ادب میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ کلام کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کیساتھ نہایت درجہ شفقت تھی جو بالآخر بے حد عقیدت سے بدل گئی اور ان کی تربیت سے یہ چیز ان کے پورے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ دارالعلوم حقانیہ کے اجلاس دستار بندی کے موقع پر مولانا عبدالحنان ہزارویؒ نے ان کا زبان زدِ عوام لقب خان بہادر کو خانِ اعلیٰ سے تبدیل فرمایا اور اسی لقب سے بعد میں یاد کیے جاتے رہے۔ علماء اور اہل علم سے تعلق اور محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ (س)

اکوڑہ خٹک آمد کے موقع پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے یقیناً اپنے قیمتی ارشادات اور خطبات سے مجالس اور تقریبات کو نوازا مگر افسوس کہ اس کا ریکارڈ نہ مل سکا۔ پھر بھی خطبات مشاہیر کا آغاز حضرت شیخؒ کے خطاب اور افادات سے نیک فال اور سعادت عظمیٰ سمجھتے ہیں کافی عرصہ قبل مجھے حضرت شیخؒ کے خطاب کی ایک کیسٹ ملی' جسے میں نے من وعن ضبط کر کے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں' کے عنوان سے ''الحق'' میں اور الگ بھی شائع کیا، گویا مرتب مدیر الحق اور ماہنامہ الحق کی مناسبت سے منبر حقانیہ سے اس کا تعلق ہے، دوسری چیز حضرت شیخؒ کے افادات کے نام سے اس جلد کے آغاز میں شامل کی جارہی ہے، جسے دارالعلوم کے بانی حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے دیوبند کے زمانہ طالب علمی میں دورہ حدیث میں منضبط کیا اس کی کچھ قسطیں حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ نے نہایت محبت سے ''خدام الدین'' میں بھی شائع کیں یہ دونوں چیزیں کتاب کے ماتھے کے جھومر ہیں۔

زوال وانحطاط امت کے اسباب وعوامل

درس حدیث کے ارشادات وافادات

ضبط کردہ استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ تلمیذ خاص حضرت شیخ الاسلامؒ

حضرت الشیخ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ العزیز کے درس حدیث معارف ربانی وعلوم نبوی ﷺ کی ایک ایسی بحر ناپید کنار ہوتے جس میں اسرار غریبہ وحکم شرعیہ کے بیش قیمت موتی بکھرے ہوتے علوم نبویہ کے وہ بلند پایہ مضامین ہوتے جو نائب رسول کے درس حدیث میں سیلاب کی طرح امڈ آتے خوش قسمتی سے مجھے حضرت والدی الکریم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سابق استاذ دارالعلوم دیوبند کے آمالی اور کاغذات میں بعض ایسے مسودات ملے جو درس بخاری شریف وترمذی شریف کے دوران اکثر بلفظہ قلمبند کئے گئے اور بعض اپنے ارشد تلامذہ سے حضرت شیخ الحدیث نے ضبط کرائے سعادت نصیبی سے ان گرانمایہ جواہر پاروں کے چند انمول اقتباسات جو عامۃ الفہم اور اصلاح وہدایت خلائق سے متعلق ہیں ان میں کچھ حصے منتخب اور صاف کر لئے جو اس وقت کے مشہور زمانہ اصلاحی ودعوتی ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور میں قسط وار شائع کروائے گئے حضرت سیدی واستاذی شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ ان افادات پر بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار فرماتے رہے۔

زر، زن، زمین فساد کی جڑ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان اللہ زویٰ لی الأرض فرأیت مشارقھا و مغاربھا (مسلم،۲۸۸۹)
''مجھے زمین کے مشرق اور مغرب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں'' اس بنا پر فرمایا قسم ہے کہ فقر کے

دفعیے کے متعلق میں مطمئن کر دیا گیا ہوں خوف مجھے اس کا ہے کہ جس طرح اوروں پر دنیا پھیلائی گئی تھی تم پر نہ پھیلائی جائے دنیا اپنے شرور وفساد سے آکر اپنے ساتھ حسد و بغض اور عداوت لاتی ہے تین چیزیں دنیا میں زر، زن، زمین یہ تین زاء بنیاد فساد ہیں زمین کی وجہ سے کذب وافترا اور قتل وفساد وغیرہ آتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی ۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰکِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ فقیر ومحتاج بسا اوقات تکلیف میں ہوتا ہے مگر خدا کو یاد رکھتا ہے بسط دنیا میں خدا بھول جایا کرتا ہے۔

زوال کے دو علامات: محبت دنیا اور موت سے نفرت

حضرت خبیبؓ کے واقعہ شہادت و روایت بخاری کی شرح کے بعد فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یوشك الأمم ان تداعی علیکم کما تداعی الأکلة إلی قصعتها "عنقریب چاروں طرف سے تم پر دھاوا بولیں گے امم آپس میں ایک دوسرے کو تم پر حملہ کرنے کیلئے بلائیں گے" فقال قائل : ومن قلة نحن یومئذٍ؟ صحابہؓ نے عرض کی قال ﷺ بل انتم یومئذٍ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المهابة منکم "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں تم ان دنوں سیلاب پر کوڑے کرکٹ کی طرح ہوں گے جیسے سیلاب کے پانی پر گھاس پھونس ہوتا ہے" ولیقذفن اللہ فی قلوبکم الوهن فقال قائل: یا رسول اللہ ﷺ وما الوهن؟ قال : حب الدنیا و کراهیة الموت (ابو داؤد: ۴۲۹۷) "حب دنیا اور موت سے ڈرنا"

مسلمان کو تو سبق دیا گیا تھا کہ شہید ہو جانا کفار کے ہاتھ سے فی سبیل اللہ اعلیٰ درجہ کا کمال ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ

خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ (ال عمران ۱۶۹۔ ۱۷۱) پس بشارت مسلمانوں کو ملی تھی مسلمانوں کا یقین تھا کہ خدا کی میں راہ میں شہید ہونا سب معاصی کے محو کا ذریعہ ہے کفی بالسیف محاءً للذنوب الجنة تحت ظلال السیوف مرنا زندگی سے زیادہ محبوب تھا اس لئے ان میں غیر معمولی جرأت تھی ہمیشہ فرار وکمزوری حواس موت سے ڈرنے کے باعث ہوا کرتی ہے اگر انسان کے حواس درست ہوں تو کوئی دشمن اس پر غلبہ نہیں پا سکتا زوال حواس وخوف مرگ عموماً عالم اسباب میں مغلوبیت کا باعث ہے اور اگر موت کا خوف نہ ہو تو مقابل کو موت کے گھاٹ اُتارنے میں توقف نہ ہوگا مسلمان موت سے نہ ڈرتا تھا اسی واسطے بڑی شجاع قومیں اس پر غالب نہ آسکیں۔

جرنیل اسلام حضرت سعدؓ کا رستم کو خط

سعد ابن ابی وقاصؓ نے قادسیہ کی جنگ میں رستم کو (جو سپہ سالار فارس تھا) مسلمانوں سے تین چار گنا زیادہ فوج رکھتا تھا پارسیوں کا جرنیل تھا جرنیل اسلام سعدؓ نے اسے خط لکھا کہ یا تو تم مسلمان ہو جاؤ ورنہ جان لو کہ ہمارے پاس ایسے لڑنے والے ہیں جن کو موت پارسیوں کی شراب سے زیادہ محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، پارسیوں کو شراب سے عشق تھا مسلمان موت کو معشوق جانتا تھا اس لئے زبردست تھا آج موت سے ہر مسلمان ڈرتا ہے سب فتنے اسی خوف مرگ و احساس کہتری سے پیدا ہوئے ہیں ورنہ اس طرح سے برادران وطن اس قدر جرأت نہ کر سکتے اگر مسلمان موت سے نہ ڈرتے، بزدلی و نامردی چھائی ہوئی ہے خدا کو تم نے چھوڑ دیا من کان للہ کان اللہ لہٗ گڈھ مکتیشر میں چھ مساجد میں سے صرف ایک مسجد میں اذان ہوتی تھی اس لئے یہ حشر ہوا (وہاں کے مشہور فساد کو اشارہ فرمایا) عموماً شعار کفار کی طرف توجہ سے اسلامی شعار کو، دامن خداوند کو چھوڑ دیا ہے تعلیم تو

اس کی دی گئی تھی کہ مسلمان مریں تو شہید ہیں زندہ رہیں تو غازی زندگی بھی اچھی اور موت اس سے بھی بہتر ہے آج ہمارے اندر بزدلی اور نامردی پیدا ہوگئی ہے بے حواسی کا زور ہے نہ فنون جنگ سیکھنے کا مشق ہے ہندو مندروں میں مشق کرتے ہیں ارشاد تو ہوا تھا وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ہمیشہ تیار رہو اپنے تحفظ کے واسطے اگر تم پر کوئی چڑھ دوڑے تو تم میں تو فدا کاری جان پر کھیل جانا ہو تنظیم ہو بزدلی و نامردی نہ ہو تم کہتے ہو کہ ہم کیسے اعداد کریں بندوق نہیں رکھتے مگر مَّا اسْتَطَعْتُمْ سے قلوب اعداء پر دھاک تو بٹھاؤ گوروں میں جسمانی طاقت بہت ہے مگر قلوب میں ان کی قوت نہیں ہے سرحد میں جو لڑنے جاتے تھے جہاں پٹھان تلوار لے کر سامنے آئے خود بخود زمین پر گر پڑتے تھے اگر چہ دور سے اچھے لڑتے ہیں مسلمانوں کی بہادری اس تلوار سے تھی مسلمان اپنی تلوار زنی میں مشہور ہے
(اسلئے دشمن کو دور سے لڑنیوالے آلات ایجاد کرنے پڑے)

یورپ کی مسلمانوں کے خلاف دو تدبیریں

نصف یورپ کو جب اسلام نے فتح کیا تو اس نے دو تدبیریں کیں اول ایسے آلات جو دور سے ان کو فنا کر دیں دوم قلوب مسلم سے دیانت و شجاعت نکالنا اس کے واسطے ترکوں میں تفرقہ و الحاد پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں جو کامیاب ہوئیں شجاعت کا قوت قلبی پر مدار ہے رعب آجائے تو پھر طاقت جواب دے دیتی ہے تا تاریوں کا مسلمانوں پر جو حملہ ہوا ہے ایک مسجد میں چالیس مسلمان ہوتے ایک تا تاری عورت داخل ہو کر سب کے سب کا سر کاٹ لیتی مرعوب ہونے کی وجہ سے قوی اشخاص کے جماعت سے مقابلہ نہ ہو سکا اس لئے ضرورت ہے مسلمانوں کو خصوصاً جبکہ وہ اقلیت میں ہوں کہ اپنے اندر ضعف نہ آنے دیں وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ خدا پر اعتماد کریں ہتھیار، عدد، سامان پر بھروسہ نہ کرو اعتماد علی اللہ کر کے کفار کا مقابلہ کرو

اس کو کہا گیا بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کثرت عدو وعدد سے نہیں ہے خدا کی طرف سے اگر قلوب ثابت کر دیئے جائیں تو کامیابی ہے۔ قاری و محدث اور ہر مسلمان کے واسطے اپنی نیت کی پڑتال و تفتیش کرنی ضروری ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ محققین نے کہا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں تو مصلی دعوے کرتا ہے کہ سوائے خدا عز و جل کے کسی کو مقصود بالعبادت نہیں بنایا جاتا حالانکہ بسا اوقات نماز لوگوں کے ریا کے واسطے لوگوں کے سامنے قرأت سنانے کے لئے ہوتی ہے نفس کی غرض شامل ہوتی ہے بہت سے خطرات ہیں عبادت کے اندر تو یہ دعویٰ اِيَّاكَ نَعْبُدُ بہت بڑی شے کا دعویٰ ہے اور اس وعدہ میں انسان بغیر امداد خداوندی کے فائز نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ نفس و شیطان کی شرارتیں ہر شے کے اندر داخل ہیں خطرات و وساوس قلب سے بچنا مشکل ہے اس لئے وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہا کہ ہم نے جو عبادت خالصة لوجهك کا وعدہ کیا ہے اس کے لئے آپ کی امداد درکار ہے۔

فساد قلب اور اقسام قلب

حدیث: ألا وإن في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب (بخاری:۵۲) کی تفسیر و تشریح میں ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں تو اعضاء بہت سے ہیں مگر ایسا عضو جو سب جسم پر حاکم ہو اور اس کے صلاح و فساد پر تمام جسم کا مدار ہو وہ قلب ہے قلب جسدی بادشاہ ہے جسم کا، قلب تین ہیں (۱) قلب جسمانی (۲) قلب روحانی یہ روح کا وہ حصہ ہے جو قلب جسمانی سے متعلق ہے (۳) قلب ہوائی یہ روح حیوان کا وہ لطیف حصہ ہے جو اس قلب روحانی و صنوبری کے درمیان میں واسطہ ہے یہ سب اپنے اپنے حصہ پر حاکم ہیں۔

قلب صنوبری جسم پر حاکم

قلب صنوبری مادہ اور خون کے گوشت کا بنا ہوا ہے اس کے اندر خرابی آنے سے جسم کی صحت خراب ہو جاتی ہے اس کی حرکت بند ہو جائے تو موت طاری ہو بائیں پستان کے نیچے دھڑکتا ہے خون کی صفائی اس کی حرکت سے ہے اور نشو ونما بھی اس سے ہوتی ہے روح ہوائی بمنزلہ بخار لطیف کے ہے یہ دونوں کے درمیان واسطہ ہے تو روح ہوائی قلب صنوبری پر راکب ہے اور قلب صنوبری سب جسم پر حضور ﷺ یہاں قلب کا ذکر مجمل فرماتے ہیں اور تعین اس کے اندر نہیں ہے فساد و صلاح سے طبی صلاح و فساد مراد نہیں روحانی فساد و صلاح مراد ہے جس طرح جسمانی حیثیت سے زندگی کا قلب کے صلاح و فساد پر مدار ہے اسی طرح انسان کے حقیقی صحت و فساد کا قلب کی حقیقی صحت و فساد پر مدار ہے اگر اخلاق اعلیٰ ہوں، عقائد اعلیٰ ہوں، اعمال اچھے ہوں تو یہ قلب کی صحت ہے اس لئے قلب کے اصلاح و صحت کا حکم دیا جاتا ہے ولذا قیل المرء باصغریہ القلب واللسان قلب اخلاق کا مرکز ہے زبان سے قلب کی ترجمانی ہوتی ہے زبان اگر انسان کی فصیح ہو تو مضامین عالیہ کو اسی طرح ادا کر سکیں گے جس سے روحوں کے اندر انقلاب پیدا ہو کسی مقرر کی تقریر لوگوں کے دلوں کو پھیر دیا کرتی ہے ان من البیان لسحراً مگر اسی مضمون کو دوسرا بیان کرے لطف نہیں آتا یا تو اس کا بیان واضح طور سے نہیں ہوتا یا ادا کرتا ہے مگر اس کے اندر قوت نہیں ہوتی قوت روحانی طاقت کے طور پر ہوتی ہے جس طرح مارنے والے کی طاقت ہاتھ میں ہوتی ہے اسی طرح کلام کے اندر بھی طاقت ہے انسان کو باصغریہ کہا گیا ہے زبان و قلب پر ہی انسان کا مدار ہے......

لسان الفتی نصفٌ و نصف فؤاده

فلم یبق الا صورة اللحم و الدم

اخلاق کی دو قسمیں

حضور ﷺ کا مقصد یہاں قلب سے قلب روحانی و قلب ہوائی دونوں کا مجموعہ مراد ہے اس لئے کہ تمام اخلاق و عقائد اس قلب سے متعلق ہیں اگر اخلاق و عقائد بہتر ہوئے تو اعمال بھی اچھے ہوں گے اخلاق دو قسم ہیں (۱) کسبی (۲) فطری بعض چیزیں فطرتاً انسان کے اندر ہوتی ہیں جو بالضرور ظاہر ہوتی ہیں اور ریاضت کے ذریعہ سے جو شئے انسان کے اندر آجاوے وہ کسبی اخلاق ہیں تصوف کا زیادہ تر تعلق ان کسبی اخلاق سے اور ریاضات سے ہے العادة طبیعة ثانیة وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ۔

کسب و ریاضت سے اخلاق کی تطہیر

یہ ہے تثبیت نفس اسی واسطے فرمایا کہ کسی خلق کی بنا پر تثبیت نفس کرو ایک شخص کی طبیعت میں خرچ کرنا نہیں ہے مگر وہ روز خرچ کرتا ہے رفتہ رفتہ طبع سے بخل جاتا رہتا ہے جس طرح نماز کی عادت شروع میں نہیں ہوتی اور پھر نماز کی عادت ایسی ڈالی جاتی ہے کہ بغیر نماز پڑھے قرار نہیں آتا اور طبعیت ثانیہ بن کر رہ جاتی ہے اسی طرح عادت کو عبادات سے بدلا جا سکتا ہے جس طرح امور رذیلہ کے اندر انسان عمل کرتا ہے تو خلق ہو جاتی ہیں تمبا کو پینا فطری نہیں ہے لوگوں کو دیکھ کر شروع کیا تو ایسا خلق ہو گیا کہ بدون اس کے صبر نہ ہو سکے اسی طرح شریعت کے جو اعمال ہیں انسان کو اس سے عادی بنانا ہی شریعت کا مقصد ہے اس لئے بغض، حسد، عداوت، تذلیل، تکبر وغیرہ سے اخلاق رذیلہ سے قلب کو پاک کرنا ہے جو تصوف کا اولین شرط ہے۔

ذکر خداوندی

اس کے بعد ذکر خداوندی ہے خدا کی طرف توجہ و ذکر کی طرف قلب کو مشغول کرنے کے واسطے قلبی ذکر کرایا جاتا ہے لفظ سے مسمیٰ اور پھر مسمیٰ سے حضور کی طرف کولایا

جاتا ہے اب یہاں امام بخاریؒ نے بتلا دیا کہ ایمان کے اندر نہ صرف اعمال مفروضہ ہی
داخل ہیں بلکہ وہ اعمال بھی جو بطور تنزہ واستبراء کے کئے جاویں جیسے ترک مشتبہات جسے
تقویٰ کہا جاتا ہے وہ بھی داخل ایمان ہیں۔

اعطائے قرآن ورسالت کے باوجود زیادتی علم کی طلب

فرمایا وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا رسالت واعطائے قرآن کے باوجود آنحضرت ﷺ کو یہ حکم
ملتا ہے معلوم ہوا کہ خاتم المرسلین سید الاولین جس کے درجات بلند اور کتاب ایسی دی گئی
ہے جو علم الاولین والآخرین کو جامع ہے اور جب آپ کو وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کہنے کا
حکم ہے تو اوروں کو کیا حق ہے کہ کہے کہ اب طلب علم ختم ہے اور اسکے بعد نہ قرآن نہ
حدیث کو دیکھے کہ بس ہم نے سند لی پڑھ لیا ہے اطلبوا العلم من المهد الى اللحد علم
سے اگر کوئی مستغنی ہوتا تو آپ ﷺ مستغنی ہوتے جب آپ کو رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کہنے کا حکم
ہے تو ہم کس شمار میں ہیں قال علیہ السلام منهومان لايشبعان طالب العلم و طالب
الدنيا(الدارمی: ۳۴٦) لو كان لابن آدم واديان من مال لأ بتغى ثالثاً(بخاری:۳٦٦٤)
برطانیہ کہتی ہے کہ میری حکومت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا مگر خباثت اس
قدر ہے کہ فلسطین و انڈنیشیا و ملایا پر قبضہ کرنے کی حرص و ہوس ہے طالب دنیا کا پیٹ
نہیں بھرتا تو طالب علم کا کس طرح ......

گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاک گور

اس لئے طالب علم کو رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کا امر فرمایا۔

قلوب میں نزول امانت اور قرب قیامت اسکے زوال وضیاع کی حقیقت

حدیث: ان الأمانة نزلت فی جذر قلوب الرجال(مسلم: ۲۳۰) کی تشریح

میں امانت کی حقیقت اور قرب قیامت کے وقت اس کے ضیاع اور زوال کے بارہ میں
مخصوص شان میں روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں زوال امانت سے کیا مراد ہے؟
اسکے کئی معانی کئے جاتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ ان الامانة نزلت فی جذر
قلوب الرجال وقال تعالیٰ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ
فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔
اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا ایمان لمن لا امانة لهٗ تو امانت عطیات خداوندی
میں سے کوئی چیز ہے اور جب کسی کے اندر وہ پائی جاتی ہے تو وہ باری تعالیٰ کا مطیع بن جاتا
ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ قلوب رجال کے وسط میں امانت اتری اور آہستہ آہستہ یہ اٹھے
گی صوفیاؒ و محدثینؒ فرماتے ہیں کہ امانت ایک نور ہے، معنوی جوہر ہے نبی کے بعثت سے قبل
عالم علوی سے اتر کر قلوب کے اندر حسب قابلیت نفوذ کیا کرتی ہے جس طرح بارش اترتی
آسمان سے اور زمین اسے قبول کر لیتی ہے حسب قابلیت کم و بیش ......

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

پانی کے واسطے محل زمین ہوتی ہے اور امانت کے لئے قلوب محل ہیں قلوب میں
جب امانت اترتی ہے تو اس میں اس پودے کے لگانے کی قابلیت آجاتی ہے جسے
پیغمبر ﷺ لیکر آتا ہے جس طرح بارش کے ساتھ زمین کے اندر صلاحیت پیدا نہ ہو تو جس
قدر تخم ڈالیں کچھ نہ اگے گا اسی طرح ایک قطعہ زمین نے اس امانت نبوی ﷺ کو صلاحیت
کی وجہ سے قبول کیا شوریدہ زمین نے قبول نہ کیا حضرت صدیقؓ و فاروقؓ نے قبول
کیا ابولہب نے نہ کیا پھر رفتہ رفتہ اس امانت کو دلوں سے اٹھا لیا جاوے گا جب عالم دنیا
سے زمانہ نبوت میں اتاری ہوئی یہ امانت بالکل اٹھ جاوے گی تو کوئی شخص ایک بار بھی

خدا کا ذکر کرنے والا باقی نہ رہے گا تو پھر قیامت کا آجانا ضروری ہے کل کو اس کا سوال ہوگا کہ جبال نے انکار کیا، ارض نے انکار کیا، سماوات نے انکار کیا......

آسمان بار امانت نتوانست کشود
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

امانت اور نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا

امانت تو اٹھایا مگر آگے کیا ہونے والا ہے ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ پھر نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا، ٹھنڈے پانی کے پیالے (تک) کے بارہ میں بھی سوال ہوگا تب نانی یاد آوے گی آج تو امانت لے کر بیٹھے ہیں اور مزے کر رہے ہیں کمیونسٹوں کی یہ حالت ہے الحاد کی وجہ سے خدا کا نام لینا بھی جائز نہیں کہتے آج مسلمان بھی کمیونسٹ ہوتا جارہا ہے جو محض بے دینی سے بھرے ہوئے ہیں ان کے سامنے خدا کا نام لینا بھی گناہ جانا جاتا ہے......

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانہ میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

آپ نے اذا ضاعت الأمانة نہ فرمایا بلکہ فرمایا فإذا ضيعت الأمانة زائل کردی جاوے اس واسطے کہ خدا نعمت دے کر نہیں لیتا جب تک اس نعمت کی قدر کی جاوے ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ تم کو بادشاہت ملے، امور باطنیہ ملیں یا کچھ اور ملے اور ناقدر شناسی نہ کی تو نہ چھینا جاویگا

إن الله عز وجل لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من صدور الناس ولكن يقبض العلماء اسی واسطے فرمایا کہ قبض علما سے علم چھینا جاوے گا آج سب قسم کے مدارس ہیں مگر قرآن و حدیث کی تعلیم کے واسطے مصر و عراق و روم سب ممالک میں دینی و مذہبی مدارس قریباً عنقا ہیں

اسی کو فرمایا کہ جب وہ امانت جو بارگاہ الٰہی سے مادہ ایمان کی شکل میں عطا کیا گیا تھا زائل ہو جائے اس وجہ سے کہ تم خداوند کریم کے عہد و پیمان کو ترک کر کے ان کو ضائع کردو گے۔

حفظ کتب اور فہم کتب مختلف طریقہ ہائے تدریس

من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين کے ذیل میں ارشاد فرمایا بعض بلاد میں حفظ کا زیادہ اعتبار ہے افریقہ میں مجمع الفنون نامی کتاب میں ہر فن کے مختصر سے رسالے جمع کردیئے ہیں جسے اولاً طالب علم کو یاد کراتے ہیں تب جا کر اور علوم پڑھاتے ہیں بلاد مشارقہ میں اس کا برعکس ہے ہند، افغانستان، وسط ایشیاء میں فہم کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے چنانچہ یہاں ایسی کتب داخل درس کی گئی ہیں جس سے تشحیذ اذہان ہو، سمجھ کا مادہ پیدا ہو شرح جامی میں مسائل کم ہیں خود کافیہ میں بھی البتہ عقلیات سے شرح جامی کو بھر دیا ہے تفسیر رازی میں تشحیذ اذہان کی زیادہ تر کوشش کی گئی ہے شرح جامی میں اگر حاصل و محصول کے تصور بالوجہ والکنہ کو جان لیں تو کونسی نحو آجائے گی۔

قاضی حمد اللہ میں مسائل فن کم مگر طلباء کے فہم کے لئے مفید ہیں تیرہ تیرہ احتمالات مسائل میں پیدا کرنے سے طالب العلم میں ذہنی طاقت پیدا کرنا ہوتا ہے اس قدر غلو ہے کہ فقہ کی کتب میں عشرين دلواً سے ۲۰ اعتراضات و جوابات کا نکالنا سمجھ لیتے ہیں ایک استاد سے طالب علم نے عشرين دلواً کے بارہ میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ۲۰ ڈول کنویں سے نکالو طالب علم کہتا ہے کہ میری ساری رات کی محنت ضائع ہوئی رات بھر میں نے مطالعہ کرتے وقت اس میں بیس سوال اور بیس جواب نکالے تھے ابن عقیل اور الفیہ اٹھا کر دیکھو تو بہت سے مسائل ہم سے پوشیدہ ہیں اس وجہ سے کہ مشارقہ نے ابتداء طریق تعلیم تشحیذ اذھان کا رکھا۔

بخاری جلالین وغیرہ کا حفظ ایک عورت کا واقعہ

اور مغاربہ میں حفظ اس قدر ہے کہ حج کے دنوں میں ایک عورت آتی ہے اونٹ سے سامان اتار کر ایک مکان کے نیچے رکھ دیتی ہے مرد مکان کی تلاش میں گئے عورت کچھ پڑھ رہی تھی صاحب مکان نے کھڑکی سے سنا تو اتر کر پوچھا عورت نے کہا کہ قاموس کا دور روزانہ چوتھائی حصہ کرتی ہوں سوڈان کے اندر جلالی عالم وہ ہوتا ہے جو تمام جلالین کا حافظ ہو الجیریا کے بعض علماء کو پایا کہ بخاری شریف تمام یاد ہے ان کے ہاں کوئی ایسا نہ تھا جسے قرآن شریف اور دلائل الخیرات یاد نہ ہو اب تو فرانسیسیوں نے وہاں خرابی پیدا کر دی ہے مشارقہ میں حفظ کم ہے۔

شاہ انور شاہ کشمیریؒ کا حافظہ

حضرت علامہ شاہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ العزیز کے متعلق چلتے پھرتے کتب خانے کا لقب مشہور تھا بلا کا حافظہ تھا مضامین خوب ازبر تھے جلدیں کی جلدیں یاد تھیں اسی واسطے شادی کرنے سے جھجکتے رہے کہ حافظہ خراب نہ ہو جائے فرماتے تھے جب تک کتاب دیکھتا ہوں نیند نہیں آتی اس قدر حافظہ تھا مگر قرآن مجید یاد نہ کر سکے تھے اور فرماتے تھے کہ بیٹھتا ہوں تو ہر آیت کی فصاحت و بلاغت کے اس قدر مضامین گزرتے ہیں کہ یاد نہیں رہتا۔

مغاربہ کی حفظ اور مشارقہ کی فہم پر توجہ

مغاربہ کے ہاں ایک جگہ ہے ”شمحیط“ جہاں پانی مہینوں نہیں پایا جاتا طالب علم کو اونٹنی دے کر جنگل بھیج دیا جاتا ہے اس پر گذر اوقات کر کے علم پڑھتے ہیں تو یہ خدا کی دین ہے اس کی حفاظت اس نے اپنے ذمہ لے لی ہے مدینہ منورہ کے اندر گرمی کے موسم

میں زیادہ پانی اور برودت کی کثرت سے حافظہ خراب ہو جاتا ہے کیونکہ مرطوب اشیاء کا زیادہ استعمال مضر حافظہ ہے خشک ملک کے رہنے والوں کا حافظہ اچھا ہوتا ہے مشارقہ نے فقہ کا اعتبار رکھا (جو زیادہ تر فہم پر مبنی ہے) ہمارے امام اعظمؒ نے بھی زیادہ تر فقہ کا مشغلہ رکھا مجتہدین کے حفظ کا چرچا ہونے لگا ۱۵۰ھ کے بعد لاکھوں احادیث حفظ کی جاتیں۔

امام شمس الائمہؒ اور مبسوط

اور ایسے لوگ خداوند کریم نے بکثرت پیدا کئے امام شمس لائمہ سرخسیؒ کے سامنے ذکر ہوا کہ امام شافعیؒ بیس ہزار کراس (فی کراس ۱۰ ورق) محفوظ رکھتے ہیں تو امام شمس الائمہؒ نے فرمایا کہ میرے محفوظات کو گنو جب گنے گئے تو تیس ہزار کُراس (رجسٹر) نکلے مبسوط کی ۳۲ جلدوں کا جو مجموعہ ہے یہ سب انہوں نے کنویں میں لکھ ڈالا ہے کنویں کے اندر قید کئے گئے تھے بادشاہوں کو جب بعض اکابر سے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے بوجہ ان کی شہرت کے کہ بغاوت نہ کر دیں تو ایسے ہی طریقے اختیار کرتے ہیں۔

مجدد الف ثانیؒ اور خواجہ نظام الدین بلخیؒ

اسی طرح حضرت شیخ احمد سرہندیؒ اور حضرت خواجہ نظام الدینؒ بلخی دونوں سے جہانگیر کو خوف ہوا دونوں کے مرید بکثرت تھے خواجہ نظام الدینؒ تھانیسر کے رہنے والے تھے اور چشتیہ خاندان کے روشن چراغ تھے اور حضرت مجدد صاحب قدس اسرارہم نقشبندیہ کے دونوں کے دونوں دین کے از حد متوالے تھے بادشاہ نے خوف کی وجہ سے دونوں کو قید کرنا چاہا کہ اس قدر مقبول عوام ہونے کی وجہ سے اگر کسی وقت مخالف ہو گئے تو غلبہ پا لیں گے خواجہ صاحب بلخیؒ بعد از اطلاع بلخ چلے گئے اور وہیں وفات ہوئی حضرت مجدد کو بعد از گرفتاری دہلی لایا گیا سجدہ کروانا چاہا مگر جھکے تک نہیں چنانچہ تین برس

تک قید میں رہے حضرت مجدد صاحب کے بعد ان کے خلیفہ سید آدم بنوریؒ کو خطرہ پیدا ہوا تو حجاز چلے گئے وہاں وفات ہوئی رحمہم اللہ تعالیٰ اس طرح شمس الائمہ سرخسیؒ کی مقبولیت جب بہت بڑھ گئی تو انہیں قید کیا گیا تو وہاں طلبہ جاتے تھے وہاں بھی خوف ہوا تو اولاً کتابیں بند کر دیں حفظ سے پڑھانے لگے طلبہ پھر بھی منع نہ ہوئے تو ان کو کنویں کے اندر قید کر دیا گیا انہوں نے کنویں سے املاء کرایا ۳۲ جلدیں کنویں سے املا کرائیں تمام کتب ظاہر الروایۃ جو حضرت امام محمدؒ سے مروی ہیں ان کو کاپی میں جمع کیا کاپی کی املا کر کے شرح میں احادیث و اقوال صحابہ لاتے تھے اور ایک کتاب تک ان کے پاس نہ تھی یہی خداوند کریم کی دین اور داد ہے احناف کے اندر ایسے کئی اکابر موجود ہیں خداوند کریم نے فقہ تو دی تابعین کو اور حفظ دیا تبع تابعین کو۔

حافظہ امام اعظم اور ایک بدوی کا واقعہ

امام ابو حنیفہؒ کی روایات تفقہہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے بدوی نے آکر کہا بواو أم بواوین امام فرماتے ہیں بواوین بدوی نے کہا کہ جزاك الله بين لاولا وہ چلا جاتا ہے سب لوگ حیران ہیں تلامذہ سوال کرتے ہیں امام نے فرمایا کہ اس شخص کا سوال تھا کہ ءَاقرء فی الصلوٰۃ تشهد ابن مسعودؓ اوتشهد ابن عباسؓ لان تشهد ابن مسعود بواوين وتشهد ابن عباس بواو التحيات لِلّٰه والصلوٰة الطيبات نماز میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تشہد پڑھا کروں یا ابن عباسؓ کا حضرت ابن مسعودؓ سے مروی تشہد میں دو مرتبہ واوَ ہے التحيات لله والصلوٰة والطيبات اور حضرت ابن عباسؓ کے مروی تشہد میں ایک مرتبہ واوَ ہے التحيات لله والصلوٰة الطيبات اور بدوی نے جواب میں جزاك الله تعالىٰ كما بين المشرق والمغرب جس کی تعبیر جزاك الله بين لا ولا سے کی جس کی تعبیر آیت میں لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ سے کی گئی ہے۔

کھدر کا کفن اور ولایتی کپڑوں کا استعمال

سوال کیا گیا کہ جس مردے کا کفن کھدر کا نہ ہو حضرت والا اس کا جنازہ نہیں پڑھواتے اس کی کیا وجہ ہے حضرت نے فرمایا! میں نے قصد کر رکھا ہے کہ ایسی جنازہ کی نماز نہ پڑھاؤں اگرچہ شریک تو ہوتا ہوں اس کی چند وجوہات ہیں کھدر ہمارے مسلم بھائیوں کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے نیز کھدر کے دھاگوں میں ماوا جو ہوتا ہے وہ نجس نہیں یورپ کے لٹوں میں جو ماوا ہوتا ہے وہ نجس ہے انسائیکلو پیڈیا سے ہم نے ماوا کا نسخہ نکال کر اس کا نجس ہونا معلوم کیا ہے علماء کرام باریک کپڑے کو استعمال کرتے ہیں اولاً اسے پاک کرنا ضروری ہے جنازہ میں ایسے کپڑے کا استعمال کرنا ناجائز ہے اپنے بھائی مسلم کے ہاتھ کا کتا ہوا سوت بلا ماوا بھی ہے اور اپنے ہی فائدے کا باعث بھی ہے دشمن کو امداد و نفع پہنچانا ناجائز ہے ولائتی کپڑوں کو خریدنا بھی اسی واسطے ناجائز ہے اسی طرح بعض امور میں مثلاً کسی نکاح میں مہر فاطمی ۵۰۰ درہم نہ ہو تو وہ نکاح نہیں پڑھواتا۔

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں

خوش قسمتی سے حضرتؒ کی یہ تقریر ٹیپ ریکارڈ کی ایک کیسٹ سے من وعن احقر نے ضبط کی اور پھر مرتب کر کے اسے ایک رسالہ کی شکل میں اشاعت کی سعادت حاصل ہوئی، پھر ماہنامہ ''الحق'' جنوری ۱۹۷۵ء کا حصہ بنی..................(س)

الحمد للہ و کفی والصلوٰۃ والسلامُ علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ تِلۡکَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ نَجۡعَلُھَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ

ہر ملک اور محل کے آرام و راحت کی چیزیں الگ الگ ہیں

محترم بھائیو اور بزرگو! ہر ملک کے اور ہر جگہ کے آرام و راحت کے ذرائع مختلف ہوتے ہیں بعض ملکوں میں کوئی چیز آرام دینے والی ہے، دوسری جگہ میں وہی چیز تکلیف دینے والی ہے اگر کوئی شخص انگلستان میں ہو لندن میں ہو اس کے واسطے گرم کپڑے، گرم سامان آرام دینے والا ہوگا لیکن اگر گرم ملکوں میں حبش میں ہو، سوڈان میں ہو یا ہمارے یہاں بمبئی وغیرہ میں ہو اس کو ان ہی گرم کپڑوں کی وجہ سے اس زمانہ میں نہایت ہی سخت تکلیف ہوگی باریک کپڑا ہونا چاہئے اس سے آرام ہوگا، اس طرح سے نظام کے متعلق اور دوسرے سامان کے متعلق ہر ملک کی عادت ایک نہیں ہے، ایک چیز

کسی ملک میں دوسرے وطن میں تکلیف کا باعث ہوتی ہے جس جگہ پر سخت گرمی پڑ رہی ہے وہاں برف اور ٹھنڈے شربت وغیرہ سے آرام پہنچتا ہے، اگر شملہ میں یا نینی تال میں جاؤ دوسری جگہ جاؤ، اگر ٹھنڈی چیزیں شربت برف اور ایسی چیزیں پیش کی جائیں تو وہاں پر تکلیف ہو جائے گی لوگوں کو اور اس سے آرام نہیں ہوگا اسی طرح حال ان دونوں جگہ کا ہے۔

یہی حال دنیا اور آخرت کا ہے

ہمارے سامنے دو جگہیں ہیں ایک دنیا اور ایک آخرت، دنیا جو یہ عالم ہے جس کے اندر ہم اور آپ موجود ہیں اور آخرت وہ عالم ہے جو کہ ہمارے موت کے بعد آنے والا ہے اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں، قیامت کے دن تک جو عالم ہے اس کو برزخ اور آخرت کہا جاتا ہے اور اس کے بعد کو بھی آخرت حشر نشر وغیرہ کا زمانہ کہا جاتا ہے مگر ہر جگہ کے آرام و راحت اور تکلیف اور اذیت کا سامان علیحدہ علیحدہ ہیں تو دنیا کے اندر اس شخص کو آرام ہے کہ جس کے پاس سونا چاندی بہت ہے، روپیہ پیسہ بہت ہے، جس کے پاس قوت زیادہ ہے، فوجیں زیادہ ہیں، مدد کرنے والے بہت ہیں، جس کے پاس زمین زیادہ ہے، جس کے پاس کھانے پینے کا سامان زیادہ ہے، اناج بہت ہے وہ شخص نہایت آرام کیساتھ ہے جو شخص سب سے زیادہ مکار، سب سے زیادہ ظالم ہے، سب کو اپنے دباؤ میں رکھتا ہے، سب کو ڈراتا ہے، وہ نہایت آرام سے رہتا ہے مگر کیا آخرت کے عالم کیلئے جو آگے آنے والا ہے اسکا بھی یہی حال ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بات کو اس آیت میں تمام لوگوں کو بتلاتا ہے فرماتا ہے تِلۡکَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ نَجۡعَلُھَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ جسے آپ اور ہم آخرت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس عالم کی ہر چیز فانی ہے

آخرت کا معنی ہے دوسرا، وہ عالم جو کہ موت کے بعد پیش آنے والا ہے اور سب کو پیش آنے والا ہے، کوئی شخص دنیا میں موجود ہو موت سے بچ نہیں سکتا کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ قرآن شریف میں آیا ہے ہر نفس، ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے موت سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا، دنیا ہمیشگی کے واسطے بنائی نہیں گئی یہاں کوئی آدمی، کوئی جاندار ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے، یہ دنیا فنا ہونے والی ہے کسی کے لئے فنا دو چار گھنٹوں میں آتا ہے، کسی کے لئے مہینوں میں، کسی کے لئے فنا سالوں میں آتا ہے، کسی کے لئے فنا قرنوں میں آئے گا غرضیکہ سب کے لئے فنا ہے......

الا کلّ شيءٍ ما خلا اللّٰه باطل

وکل نعیم لا محالة زائل

اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب فنا ہونے والا ہے یہ دنیا خود ہمیشہ رہنے والی نہیں اور جتنے جاندار ہیں انسان ہو یا غیر انسان ہو سب کو موت آنے والی ہے قرآن میں ایک جگہ نہیں متعدد جگہ متنبہ کیا گیا ہے کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر انسان کے لئے ہر جاندار کیلئے موت ہے تو اس دنیا کے اندر حالت دوسری ہے آخرت کے اندر حالت دوسری ہے۔

عالم آخرت میں کامیابی کا معیار

اللہ تعالیٰ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ دوسرا گھر جس کو آخرت کہتے ہیں، وہ ہم ان لوگوں کے لئے کریں گے، ان لوگوں کو اس گھر میں راحت اور آرام ہوگا۔

تکبّر اور فساد کی مذمت

اس گھر میں ہمیشگی ان کو نصیب ہوگی جو کہ دنیا کے اندر بڑائی اور اونچائی نہیں چاہتے، ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اونچا ثابت کریں تکبّر کرنے والوں کو آخرت میں کوئی جگہ نہیں ہے، وہ لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں بڑائی اپنی پسند کرتے ہیں تا کہ سب کے اوپر ہو جائیں، فرماتے ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں ہم کوئی جگہ نہیں دیں گے تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ ہم آخرت کی بھلائی، آخرت کی بادشاہت، آخرت کا آرام، آخرت کا کمال ان لوگوں کے لئے کریں گے جو کہ دنیا میں بلندی اور بڑائی چاہنے والے نہیں اور ان لوگوں کے لئے آخرت کا آرام فراہم کریں گے جو دنیا میں فساد نہیں کرتے تھے نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا یہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسندیدہ ہیں بہت زیادہ ناراض ہوتا ہے، ایک تکبر، بڑائی اور دوسری چیز فساد کرنا، لوگوں کو لڑانا، لوگوں کو مارنا، تکلیف دینا، ان کی راحت وغیرہ کو فنا کرنا، لوگوں کو لڑوانا، یہ دو چیزیں فساد اور تکبر اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہیں۔

اللہ کے سوا کسی کو بڑائی کا حق نہیں

اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کو حق ہے کہ وہ تکبر کرے بلندی اور اونچائی اپنی ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ سب سے بے پرواہ ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں اور اس کے سوا جو بھی ہے سب کے سب محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ

”اے آدمیو! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ سب سے بے پروا ہے سب سے غنی اور نہایت اچھی صفات والا کمال والا ہے“

خدا ہی کو تکبر جچتا ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بڑائی کا حق نہیں جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قال اللّٰہ تبارك وتعالیٰ الکبریاء ردائی والعظمة إزاری فمن نازعنی واحداً منهما ألقيته : او قال كبته في النار (البزار: ۷۸۱٤) تکبر اور بڑائی میری چادر ہے جیسے آدمی چادر اوڑھتا اور اس میں تمام بدن کو ڈھکتا ہے خداوند کریم کی صفت، تکبر کی، بڑائی بلندی کی خاص اللہ کیلئے ہے وہ خودبخود موجود ہے، اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں اس نے سب کو پیدا کیا سب کے اندر ہر قسم کے کمالات جو ہیں اس نے اپنی طرف سے عطا فرمائے، کسی میں کوئی کمال اپنا نہیں ہے سب کے سب محتاج ہیں۔

متکبر کی بدترین سزا

اس واسطے کہا گیا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے تم سب کے سب محتاج ہو اور وہ سب سے بے پرواہ ہے، اب جو شخص اپنی بڑائی دکھلاتا ہے تکبر کرتا ہے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اپنے آپ کو سب سے اونچا سمجھتا ہے تو وہ خدائی کا دعویدار بنتا ہے، خدا کی چادر خدا کی صفت اپنے لئے کھینچتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص کبر یا بڑائی کو تکبر کو اپنے لئے ثابت کرے گا، وہ مجھ سے جھگڑا کرتا ہے، میری چادر کھینچتا ہے، میری چادر اپنے اوپر ڈالتا ہے جو شخص ایسا کرے گا میں اس کو دوزخ میں اوندھا کر کے سر کے بل ڈالدوں گا الکبریاء ردائی والعظمة إزاری فمن نازعنی واحداً منهما أدخلته جهنم (مسند احمد: ۸۸۹٤) میرے بھائیو! تکبر اور بڑائی تعلّی نہایت ہی اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے، اللہ تعالیٰ اس سے نہایت ناخوش ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی شخص میں سوائے اپنی ذات کے پایا جائے۔

تکبر کی حقیقت

جناب رسول اللہ ﷺ سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ حضور ﷺ آپ تکبر کی بڑی برائی بیان فرماتے ہیں ہم لوگ اس سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میرا لباس اچھا ہو، میرا بدن اچھا ہو، میری چال ڈھال اچھی ہو تو کیا ہم سب کے سب خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے؟ تو فرمایا نہیں، تکبر یہ نہیں ہے کہ تم اپنا رنگ اچھا بناؤ اپنے کپڑے کو اچھا بناؤ اپنے مکان کو اچھا بناؤ، تکبر یہ نہیں ہے تکبر یہ ہے کہ غمط الناس وبطر الحق کہ حق بات کو ماننا حق بات سے انکار کرنا اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا ذلیل دیکھنا ذلیل کرنا کوئی آدمی جس کو آپ اپنے سے ذلیل سمجھتے ہیں، اس کی حقارت کرتے ہیں، اس کی رسوائی کرتے ہیں مارتے ہیں، پیٹتے ہیں، گالی دیتے ہیں، اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیتے، اپنے برابر چلنے نہیں دیتے آج بھی بعض جگہوں میں زمینداروں اور مالداروں کو عادت ہوتی ہے کہ کوئی غریب آ گیا تو اس کو ایک ہی چارپائی پر بیٹھنے نہیں دیتے وہ کھڑا رہتا ہے تو حق کو نہ ماننا اور لوگوں کو ذلیل دیکھنا ذلیل کرنا یہ تکبر کی بات ہے اگر تم اچھا پہنتے ہو، اچھا کھاتے ہو، اچھا پیتے ہو تو یہ تکبر نہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا يحشر المتكبرون يوم القيامة أمثال الذر في صور الرجال (الترمذی: ۲٤۹۲) جو لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں اپنے بڑائی کے زعم میں رہتے ہیں، دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں، حق بات کہی جائے وہ مانتے نہیں تو قیامت کے دن وہ سب سے چھوٹی چیونٹی جسے ذر کہتے ہیں ایسے ذلیل کر کے اٹھائے جائیں گے چیونٹیاں بہت سی قسم کی ہوتی ہیں، ذر وہ چیونٹی ہے جو سب سے چھوٹی ہو تو جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکالے جائیں گے تو جو متکبر لوگ تھے اپنے بڑائی کے زعم میں دوسرے کی حقارت کرتے تھے وہ قبروں سے سب سے چھوٹی چیونٹی کی

صورت میں اٹھائے جائیں گے، نہایت ذلیل ہوں گے تو جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شخص کو جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہے جنت اس کے اوپر حرام کردی ہے۔

حرم اللّٰہ الجنة علی من کان فی قلبہٖ مثقال ذرة من کبر ذرّے برابر جس شخص کے اندر تکبر ہے اللہ تعالیٰ نے جنت اس پر حرام کردی ہے تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑائی ناپسند ہے اور تواضع فروتنی اپنے آپ کو نیچا کرنا اپنے آپ کو نیچا سمجھنا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت زیادہ پسندیدہ ہے۔

رحمان کے بندوں کی شان:

قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا رحمان کے بندے خدا کی رحمت کے مستحق ہونے والے بندے وہ ہیں جو زمین پر سر جھکا کر چلتے ہیں متکبر لوگ اپنا سر اونچا کرتے ہیں، چلتے ہیں تو گردن کو اٹھا کر کے موڑ کر کے چلتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے رحمان کے بندے نہیں ہیں رحمان کے بندے وہ ہیں جو کہ سر نیچا کر کے چلیں یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا هون کہتے ہیں نیچا کر کے سر جھکا کر جانے کو وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا اور اگر نادان لوگ ان سے الجھتے ہیں، کوئی گالی دیتا ہے، مارتا ہے، تو جواب پتھر کا پتھر سے، طمانچے کا طمانچے سے، لکڑی کا لکڑی سے نہیں دیتے بلکہ اس نے گالی دی، یہ کہتے ہیں السلام علیکم خدا تم کو سالم رکھے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا مظہر بناتا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ یہ رحمان کے بندے ہیں تو بھائی! اللہ تعالیٰ تکبر، بڑائی اور اونچائی کو پسند نہیں کرتا۔

تواضع کا نتیجہ

جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ اکڑنا اپنی بڑائی ظاہر کرنا انتہائی بے عقلی ہے اور جو دوسروں کے لئے فروتنی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کرتا ہے، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تواضع کے اندر ہماری بے عزتی ہے اپنے آپ کو اونچا رکھنا چاہئے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپکو نیچا کریگا دنیا کے لالچ کی وجہ سے نہیں فقط اس وجہ سے اپنے آپکو نیچا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے اونچا ہے وہ کسی کا متکبر بننا نہیں چاہتا اس وجہ سے اپنے آپ کو نیچا کریگا تو جو شخص ایسا کرتا ہے تو دنیا میں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بے عزتی ہو جائیگی جناب رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کرتا ہے اور جناب رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بڑائی کرتا ہے اللہ نے اپنے اوپر لازم کر دیا ہے کہ اسے ذلیل کردے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے سر اٹھایا تو حق علی اللّٰہ ان یضعهٗ (او کما قال علیه الصلوٰۃ والسلام) ”اللہ نے اپنے اوپر واجب کرلیا کہ متکبر کو ذلیل کریگا“

آقائے نامدار ﷺ کی اونٹنی تھی بڑی تیز رو سب اونٹوں کو عاجز کر جاتی ایک بدوی آیا اور ایک اونٹ کے بچے پر سوار تھا اور اس نے آکر کہا کہ آنحضرت کی اونٹنی غالباً عضباء جس کا نام تھا، وہ سب سے آگے نکل جاتی ہے تو میں اپنے اونٹ سے اسکی چال دیکھوں گا چنانچہ بدو کا اونٹ مقدم ہوا، صحابہ کرامؓ کو رنج ہوا اس کا جناب رسول ﷺ کے سامنے اپنے رنج کو ظاہر کیا تو آپ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو شخص اپنی بڑائی اپنی اونچائی کو ظاہر کرے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر دیا کہ اس کو ذلیل کرے گا تو بہر حال میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے، سب کا پیدا کرنے والا ہے، سب کو کمال دینے والا ہے سب کو ہر قسم کی راحت و آرام دینے والا ہے وہ سب سے بڑا ہے وہ خود

متکبر ہے، اس کے ناموں میں متکبر بھی ہے وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ کوئی آدمی تکبر کرے آدمی ہو یا کوئی مخلوق ہو تو تکبر نہایت زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے۔

تکبر کسی وجہ سے بھی ہو مبغوض ہے

میرے بھائیو! ہم اس بلا کے اندر بہت زیادہ مبتلا ہیں ہم غریبوں، کمزوروں کو بیچاروں کو یتیموں کو اور دوسرے لوگوں کو اپنے برابر نہیں بلکہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ذلیل سمجھتے ہیں اپنی بڑائی کا خیال کرتے رہتے ہیں، چاہے بڑائی مال کی وجہ سے ہو یا قوت کی وجہ سے کہ نوجوانی کا زمانہ ہے تم قوی ہو یا نسب کی وجہ سے ہو کہ تم بڑی نسل کے ہو تمہارے باپ دادا بڑے لوگ تھے یا علم کی وجہ سے ہو کہ کچھ پڑھنا لکھنا جانتے ہو یا کسی تجارت کی وجہ سے بڑائی ہو کسی بھی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا اس چیز کو اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا اور نہایت ذلت کا معاملہ اس سے کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

بڑائی کا ارادہ بھی مذموم ہے

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ

"یہ آخرت کی بھلائیاں، راحتیں ان لوگوں کو پہنچائیں گے جو زمین میں اپنی برتری اور اونچائی کا ارادہ بھی نہیں کرتے"

ارادہ کرنے سے بھی منع کیا یہ نہیں کہ اونچائی کر بیٹھے بلکہ اگر ارادہ بھی کرتا ہے کہ میں بڑا ہوں بلندی کا اونچائی کی کوشش کرتا ہے، تو وہ تو ہے ہی اللہ کی نظر میں مبغوض آخرت کی تمام بھلائیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اپنے آپ کو نیچا دکھلائیں، سب کے ساتھ تواضع فروتنی سے پیش آئے اور خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور بڑائی اپنی صفت سمجھتا ہے اور حقیقتاً اس کی صفت ہے، وہ نہیں چاہتا کہ

کوئی شخص اپنی بڑائی کے اندر اس کا شریک بنے یا دعویٰ بڑائی کا کرے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اعلان کیا، خبردار! کوئی شخص اس دنیا کے اندر تعلّی تکبر لوگوں کو ذلیل کرنا اپنے آپ کو اونچا دکھانا عمل میں نہ لائے اگر کوئی کرے گا تو ہم آخرت میں اس کو نہایت ذلیل کریں گے اور طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کریں گے۔

لوگوں میں فساد پھیلانا

اسی طرح سے دوسری چیز جو اللہ تعالیٰ کو نہایت مبغوض ہے، وہ یہ کہ لوگوں میں فساد کراتا ہے، لوگوں میں لڑائی کروانا، مال کو، عزت کو، راحت کو اٹھانا، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کو چین ہی تب آتا ہے کہ جب لوگوں میں فساد کرادیا، لڑوادیا، گالی گلوچ کرایا کسی کا نقصان کیا۔

والدین کے حقوق

جناب رسول اللہ ﷺ نے بڑے گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بڑا گناہ کفر کرنا ہے، خدا کا کسی کو شریک بنانا ہے اور عقوق والدین والدین کی نافرمانی بھی گناہ ہے، کبائر میں سے ہے والدین کا اللہ تعالیٰ نے بڑا حق ذکر کیا ہے، اپنے حق کے بعد اپنے رسول کے حق ذکر کرنے کے بعد ماں باپ کا حق ذکر فرماتا ہے اور بہت تاکید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ نہیں کئی جگہ میں قرآن میں واضح فرمایا ہے، ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا اور ان کی ہر قسم کی رضا جوئی کرنے کا حکم فرمایا ہے اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا جب تک ماں باپ جوان ہوں قوی ہو اگر کوئی بچہ نافرمانی کرے گا، وہ اس کو ذلیل کرے گا، گالی دے گا لیکن جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تب ایسا ہوتا ہے اور اولاد نافرمانی کرتی ہے، بات بات پر ٹوکتے ہیں ان کو ستاتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا تین شخص نہایت زیادہ بدنصیب ہیں ایک وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے ایک کو پایا اور ان کی دعاؤں کو نہ پایا، ان کی فرمانبرداری اسے جنت نہ لے جاسکی وہ نہایت بدنصیب ہے، ماں باپ کی خدمت کرنا ان کی تابعداری کرنا، خداوندکریم کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے۔

رمضان کی ناقدری کرنے والا بدنصیب ہے

دوسرا شخص وہ جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا رمضان کا مہینہ نہایت برکت کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہایت زیادہ اترتی ہے، اب رات دن اللہ تعالیٰ بیشار لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے اور آخری رات میں جو عید کی رات ہے اتنے آدمیوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے، جتنے تمام رمضان میں آزاد کئے تھے رمضان کو دن میں روزے رکھنا رات کو جاگنا قرآن کا پڑھنا تراویح کا پڑھنا خدا کی عبادت کرنا یہ باعث ہے جنت کے حاصل کرنے کا تو جو لوگ رمضان میں عبادت کرتے ہیں اللہ کے حکم پر چلتے ہیں روزہ رکھتے ہیں، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، راتوں کو تہجد اور تراویح ادا کرتے ہیں وہ اللہ کے رحمت کے مستحق ہیں۔

رمضان میں اللہ کی رحمتیں

جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ جنت کے دروازے کھول دو اور دوزخ کے دروازے کو بند کر دو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آتی ہے، اعلان کیا جاتا ہے **يا باغي الخير أقبل ويا باغي الشر أقصر** (ترمذی) "او! خیر چاہنے والے آگے بڑھ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کر اور برائی کرنے والے کو حکم ہوتا ہے کہ تم رک جاؤ" **ولِلّٰهِ عتقاء من النار وذلك في كل ليلة حتى ينقضي رمضان** (الجامع الصحيح للسنن والمسانيد) "بہت سے خدا کے بندے ہر رات کو رمضان

میں دوزخ سے آزاد کئے جاتے ہیں" اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ رمضان کے اندر بڑی وسعت کیساتھ کھول دیا جاتا ہے۔

دنیا میں اسکی مثال

اور آپ نے دیکھا ہوگا، ہمیں یاد ہے کہ امیروں کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے خوشی کا دن آتا ہے، بچہ کی شادی ہوتی ہے یا تعلیم کی ابتداء ہوتی ہے تو وہ اپنے خزانے کھول دیتا ہے اور تقسیم کیا جاتا ہے، غریبوں کو بیواؤں کو یتیموں کو سب کچھ دیا جاتا ہے، دنیا کے بادشاہوں، نوابوں کے ہاں، راجاؤں کے ہاں خوشی کے دن اسطرح خزانے کھولے جائیں تو اللہ کے ہاں رمضان کے ایام میں خصوصاً اخیر عشرہ میں شب قدر دیا ہے اور ایسا خزانہ کھل جاتا ہے جس کی حد و نہایت نہیں، بندے کے اوپر اس کی رحمت و شفقت اترتی ہے مگر وہی شخص اس کا مستحق ہوگا جو دربار میں اللہ تعالیٰ کے حاضر ہوتا ہے اگر دنیا کے اندر نوابوں بادشاہوں کے خزانے تقسیم ہونے لگیں تو جو مانگنے کے واسطے لینے کے واسطے جائے گا اس کو ملے گا، مگر جو گھر میں بیٹھا ہو تو اس کی پرواہ نہیں کرتے، بادشاہ کے دروازے پر جو حاضر نہیں ہوتا اس کو کچھ بھی نہیں ملتا۔

اللہ کے در پر حاضر نہ ہونے والا محروم ہے

یہی حال اس شخص کا ہے جو خدا کی عبادت کے اندر کوتاہی کرتا ہے رمضان کا مہینہ ہے، پان کھاتے ہوئے، چائے پیتے ہوئے، ہوٹلوں کے اندر جا کر روزہ کھاتے ہیں، خدا کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں ان لوگوں کو رحمت کا استحقاق نہیں اس واسطے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان کا مہینہ پائے اور پھر جنت میں داخل نہ ہو وہ شخص انتہائی درجے کا بدنصیب ہے۔

رسول کریم ﷺ پر درود کی اہمیت

دوسرا وہ شخص کہ جس کے سامنے جناب آقائے نامدار ﷺ کا ذکر کیا گیا اسم گرامی آپ کا ذکر کیا گیا مگر اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، جناب رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میرا نام سنو مجھ پر درود بھیجا کرو یہ آپ کا حکم نہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم سناتے ہیں **البخیل الذی من ذکرت عندہٗ فلم یصل علیّ** (ترمذی:٣٥٤٦)

"وہ شخص جسکے سامنے میرا نام لیا جائے اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا وہ نہایت درجہ کا بخیل ہے" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے یہ حکم نازل کیا گیا کہ اے محمد ﷺ! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جس شخص نے تم پر ایک دفعہ درود بھیجا میں دس رحمتیں اس پر اتاروں گا تو اگر کسی شخص کے سامنے آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کیا گیا اور اس نے درود نہ پڑھا تو فرماتے ہیں کہ وہ انتہائی درجے کا بدنصیب ہے۔

اسلام میں احترام والدین کی تاکید

تو بھائیو! تذکرہ تو اس کا ہورہا ہے کہ والدین کی اطاعت وفرنبرداری کرنا ہے یہ چیز ہمارے زمانے میں بہت کم ہوگئی، ہمارے نوجوانوں میں، مردوں میں، عورتوں میں یہ وبا زیادہ عام ہوتی جارہی ہے کہ ماں باپ کا حکم نہیں مانتے، ان کی خدمت نہیں کرتے، ان کی اطاعت نہیں کرتے، ان کو خوش نہیں کرتے برابر ستاتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں جواب دیتے ہیں، طرح طرح کی ذلتیں پہنچاتے ہیں تو جناب باری سبحانہ وتعالیٰ بڑی سخت تاکید کرتا ہے کہ

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ

"اگر دونوں ماں باپ یا ایک ان میں سے بوڑھے ہوجائیں تمہیں نافرمانی سے نکالنے کی طاقت نہیں رکھتے تو ایسی صورت میں کبھی اُف کا کلمہ بھی انکے سامنے مت کہو"

اُف کا کلمہ عربی کلمہ ہے جب آدمی کسی چیز سے گھبرا جاتا ہے، اکتا جاتا ہے تو کہتا ہے اف تو ماں باپ کے حکم کا جواب دینا بھی ان کی تحقیر کرنا تو درکنار اگر وہ کسی بات کو کہیں تو اپنے شانوں کو بھی اونچا مت کرو، اپنے گھبرانے کو بھی مت ظاہر کرو **فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْ ھُمَا** کبھی ماں باپ کو ٹوکنا مت ان کی بات کا سختی سے جواب نہ دینا **وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا** انکے ساتھ نہایت عزت اور شرافت کے ساتھ نرمی کیا کرو تو بھائی! یہ بہت بڑا کبیرہ ہے، بہت بڑا گناہ ہے، میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، اسلئے کہ جس مقصد کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اس سے دور پڑجاؤں گا درمیان میں اس کا تذکرہ آیا میں نے یہ تین چیزیں آپ کے سامنے عرض کیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین شخصوں سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہے۔

ماں باپ کی دعا جیسے سوکھے پتوں پر بارش

ایک وہ شخص جس نے اپنے دونوں ماں باپ کو یا ایک کو زندہ پایا اور ان کی خدمت گذاری، ان کی دعاؤں، ان کی شفقتوں کیوجہ سے یہ جنت میں نہ گیا کہ ماں باپ کی دعا اولاد کے واسطے آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اس طرح درختوں کو سوکھے پودوں کیلئے پانی باعث زندگی ہوتا ہے اس طرح ماں باپ کی دعائیں اولاد کے واسطے بہت زیادہ مفید ہیں اولاد اپنے ناز اور غرور میں ماں باپ کو پوچھتی نہیں اور نافرمانی کرتی ہے، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے بہت منع کرتے ہیں ایک جگہ نہیں بہت جگہ زیادہ تاکید کرتے ہیں کہ جس قدر ممکن ہو ان کی خدمت کرو، ان کو خوش رکھو۔

والدین اور اولاد کی خدمت میں زمین وآسمان کا فرق

ایک شخص نے آکر آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا میرا باپ نہایت بوڑھا اور کمزور ہے، میں اس کا کھانا پینا، پاخانہ کرانا، غرض ہر قسم کی خدمت انجام

دے رہا ہوں، کیا میں ماں باپ کے حق سے سبکدوش ہوسکوں گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا میرے اوپر حق ہے میں جب ان کی خدمت کر رہا ہوں تو میں سبکدوش ہوسکوں گا تو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہیں وہ تیری خدمت تیرے بچپن کے زمانے میں اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا ہر قسم کا کرتے تھے اور کرتے ہوئے ہر ایک کو دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میرے بچے کو سلامت رکھ، میرے بچے کی عمر زیادہ ہو، اس کی عمر کو بڑھا اور تو خدمت کرتا ہے ماں باپ کو کھلاتا ہے، پلاتا ہے، اٹھاتا ہے، بٹھاتا ہے مگر تیری نیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ جلدی سے کر دے، اللہ تعالیٰ خیریت اور سلامتی کے ساتھ میرے ماں باپ کو اٹھا دے تو تیری خدمت میں اور ماں باپ کی خدمت میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو ان کی موت چاہتا ہے وہ تیری حیات چاہتے ہیں تو میرے بھائیو! جس قدر بھی ماں باپ کی قدر کرسکو (تو کمی مت کرو) ان کی خوشنودی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

آقائے نامدار ﷺ کا حق اور اس نعمت کا شکریہ

تیسری چیز میں نے عرض کیا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا حق ہے، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برابر اللہ تعالیٰ کے بعد کسی کا احسان اتنا نہیں ہے جتنا کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احسان ہم تمام مسلمانوں پر ہے اگر وقت ہوتا تو میں اس کی تفصیل عرض کرتا مگر بہر حال آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام خداوند کریم کی سب سے بڑی نعمت ہیں ہر امت کو اس کا نبی اللہ کی رحمت دیا گیا ہے مگر حضرت محمد ﷺ اتنی بڑی نعمت کہ ہم اس کا شکریہ ادا کرتے کرتے سالہا سال اس میں خرچ کریں نہیں ادا کرسکتے۔

شفاعت کبریٰ

میں ایک بات آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے احسان کی اور چیزیں تو وقت وقت پر بتائی جاتی ہیں، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ہر ایک پیغمبر کو ایک دعا کا اختیار اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ جس کے اندر اسے استعمال کرنے کا اختیار ہے (قیامت کے دن ہر نبی کے پاس لوگ جا کر التجاء کریں گے کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ حساب شروع فرمایا جائے مگر ہر نبی معذرت کریں گے [س]) اور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج اتنا غصے میں ہے کہ کبھی اتنا غصہ نہیں ہوا آج ہماری ہمت نہیں پڑتی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں، حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے سب کنّی کاٹ دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نہیں کر سکتے آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فوراً کھڑے ہو جائیں گے اور فرمائیں گے انا لها انا لها اور سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ شفاعت کبریٰ قبول فرماویں گے۔

نبی کریم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت

تو میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ ایسی عظیم الشان نعمت خداوندی ہیں کہ کوئی نعمت اس نعمت کے برابر نہیں تو ہمارا فرض ہے کہ وہ پیغمبر جس کے ذریعہ ہم کو اسلام ہم کو ایمان ہم کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوئی اس کا جب بھی نام سنیں تو تعظیم کے ساتھ ان کیلئے درود پڑھیں، ان کے لئے دعا کریں ﷺ وہ شخص نہایت بد بخت ہے کہ آپ کا نام سنا اور درود شریف نہ پڑھا اس طرح رمضان کے مہینے کا حال ہے۔

فساد ذات البین

تو بھائی جناب رسول اللہ ﷺ کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے حقوق والدین وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ و فساد ذات البین دو آدمیوں کے درمیان فساد

کرا دینا یہ نہایت بڑا گناہ ہے، فرمایا فان فساد ذات البین ھی الحالقة لا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین (سنن الترمذی: ۲۵۰۹) "فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان جھگڑا کرانا یہ مونڈ دیتا ہے سر کو نہیں بلکہ دین کو مونڈ دیتا ہے دین سے بے دین کر دیتا ہے"

لوگوں کے درمیان میں، بعض لوگوں کو اس میں چین پڑتا ہے کہ دو آدمیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو بے چین ہو جائیں کہ لڑائی کرا دیں ادھر گئے ادھر گئے جھوٹی سچی باتیں لگاتے ہیں اور اس وجہ سے دونوں میں لڑائی کرا دیتے ہیں، اس واسطے جناب رسول ﷺ فرماتے ہیں جو چغل خوری کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا لا یدخل الجنة نمام وفی روایة اخریٰ قتاتٌ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جنت میں چغل خور داخل نہیں ہو سکے گا۔

مصلحت آمیز جھوٹ

لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس جو شخص دو آدمیوں میں لڑائی ہو اور جا کر کے جھوٹ سے ان کے درمیان صلح کرا دے، جھوٹ بول کر کے ہر ایک کے پاس جا کر کہا کہ دیکھو وہ تمہاری تعریف کرتا تھا اور پشیمانی ظاہر کرتا تھا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ادھر اس سے بھی کہا اور دوسرے سے بھی کہا، جو غصہ جو صدمہ تھا وہ نکل گیا ایسے جھوٹ بولنے کی وجہ سے صلح ہو گئی، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں تو یہ شخص اللہ کے ہاں جھوٹا نہیں ہے لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس (بخاری: ۲۶۹۲)

پتھر کے جواب میں پھول

تو میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ چیز پسند ہے کہ لوگ مل جل کر رہیں، لڑائی جھگڑا نہ کریں، لڑائی جھگڑا نہایت مبغوض ہے، اللہ اور رسول کے نزدیک اور محبت اور پریم سے رہنا اور میل جول سے رہنا ایک دوسرے کے تعدی

کو معاف کرنا (یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں [س]) کسی نے گالی دی اس کو معاف کرو۔ وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا جاہل آدمی کچھ برا بھلا کہے تو سلام کر کے چلے جاؤ، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی عادت تھی اور قرآن میں کہا کہ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ برائی کا بدلہ برائی سے مت دو بھلائی سے دو کسی نے برا کہا اس نے مجھے گالی دی تو میں بھی گالی دوں اس نے مجھے ایک گالی دی تو میں دس گالی دوں ایک چپت مارے تو میں دس چپت ماروں وہ ایک دفعہ مارے میں اس کو قتل کر دوں تم یہ سمجھتے ہو مگر یہ بالکل غلط ہے قرآن فرماتا ہے کہ بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ لوگوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے اس کا جواب بھلائی سے دو اگر تم بھلائی سے جواب دو گے وہ پتھر مارے گا تم پھول برساؤ گے وہ گالی دے گا تم تعریف کرو گے وہ تم کو نقصان پہنچائے گا، تم اس برائی کا بدلہ بھلائی سے دو تو دشمن تمہارا سچا دوست ہو جائے گا۔

حضور ﷺ کی شانِ کریمانہ اور شفقت علی الخلق

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی عادت تھی، آپ نے کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا، سب سے زیادہ آپ کو تکلیف دی گئی اور آپ ﷺ فرماتے ہیں اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لایعلمون "اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے وہ مجھ کو جانتے نہیں"

ایک مرتبہ صحابہؓ نے آ کر شکایت کی کہ ہمارے دشمن کافروں نے اس اس طرح ہم کو ستایا ہے، بددعا کیجئے کہ وہ ہلاک ہو جائیں تو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں بددعا کیلئے نہیں بھیجا گیا ہوں، آپ نے دعا کی ان لوگوں کو قوموں کی قومیں، قبیلوں کے قبیلے آپکی دعا کی برکت سے مسلمان ہوئے ہیں تو بھائی! میں بہت دور چلا گیا، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت ناپسندیدہ ہیں،

ایک تکبر اور ایک فساد فرمایا تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ وہ آخرت کی عالم ان لوگوں کیلئے کرتے
ہیں جو نہ تکبر اور تعلّی چاہتے ہیں نہ لوگوں کے اندر فساد کرانا چاہتے ہیں جو ایسا نہیں کرتے
اور خدا سے ڈرتے رہتے ہیں خدا کے غضب سے بچنا چاہتے ہیں، خدا کی پکڑ سے بچنے
کی کوشش کرتے ہیں ان کے لئے آخرت کی بھلائیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لا متناہی احسانات

میرے بھائیو! ان بری خصلتوں کو چھوڑو اور اللہ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ کو یاد
کرو سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو انسان بنایا وہ
چاہتا تو گدھا، کتا، بلی، چوہا بنا دیتا مگر اس نے ہمارے اور تمہارے روح پر فضل کیا ہم کو
انسان بنایا جو کہ اشرف المخلوقات ہے تمام مخلوقات میں سب سے بلند رتبے والی مخلوق
انسان ہے یہ خدا کا کتنا بہت بڑا احسان ہے اور پھر ایسا انسان بنایا کہ ماں کے پیٹ میں
اس نے آنکھیں دیں، کان دیا، ہاتھ دیا، پیر دیا، دل دیا، دماغ دیا، سر سے پیر تک جتنے
جوڑ بند ہیں، اس نے وہ سب ماں کے پیٹ میں دیئے، ہم نے مانگا بھی نہیں تھا نہ ہم
میں مانگنے کی طاقت تھی خدا نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو پیدا کیا وہ چاہتا تو اندھا پیدا
کرتا، لولا پیدا کرتا، لنگڑا پیدا کرتا، گونگا بہرا پیدا کرتا، دیوانہ پیدا کرتا مگر اس نے ہم کو
سب چیزیں دیں کتنا بڑا احسان ہے، ذرا سوچو تو ایک ذرا سا فرق آنکھوں میں پڑ جاتا
ہے، ہاتھ میں پڑ جاتا ہے تو کیسی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے انسان کو تو چاہئے کہ دن اور
رات اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرے اور ہر نعمت اتنی ہے کہ کروڑوں روپیہ جب خرچ کیا
جائے تو نہیں حاصل ہو سکتی جیسی آنکھ اللہ تعالیٰ نے دی ہے، تمام دنیا کے ڈاکٹروں،
حکیموں، فلسفیوں کو جمع کر لو نہ ویسی آنکھ کوئی بنا سکتا ہے نہ کان بنا سکتا ہے، نہ زبان، نہ
ہاتھ، نہ پیر دے سکتا ہے، تم ڈاکٹر صاحب، حکیم صاحب سے ذرا سے علاج کے بدلہ میں

دن رات اس کے راگ گاتے ہو ان کی تعظیم کرتے ہو اور خدا نے کتنی نعمتیں دیں سر سے
پیر تک دیکھ لو اور کس وقت دیں، ماں کے پیٹ میں، ماں کی گود میں دی ہیں لڑکپن میں
دی ہیں، جوانی میں دی ہیں آج بڑھاپے میں دے رہا ہے، ذرا غور کرو، کس قدر اللہ
تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے اوپر برس رہی ہیں اور دیکھو کہ ہم کتنے بڑے نمک حرام ہیں، وہ
اگر ہاتھ نہ دیتا تو ہم کیا کھانا کھا سکتے اگر زبان نہ دیتا تو کچھ بول سکتے، اگر تمہارے معدہ
میں صحت نہ دیتا تو کیا کچھ کھانا ہضم کر سکتے؟ ہر وقت میں ہر انسان میں اللہ کی نعمتیں
بیشمار برس رہی ہیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گننے کیلئے
بیٹھو تو نہیں گن سکتے کس قدر نمک حرامی کی بات ہے کہ ہم دن رات کے چوبیس گھنٹے
کے اندر کبھی اللہ تعالیٰ کو بھول کر کے یاد نہیں کرتے، عبادت کرنا تو درکنار زبان سے کہے
کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، اس کی آنکھیں دی ہوئی ہیں، زبان موجود ہے، نہ فالج ہے
نہ لقوہ ہے، زبان صحیح وسالم ہے مگر ان کی زبان سے نہیں نکلتا کہ الحمد للہ الذی احیانا
بعد ما اماتنا والیہ النشور اللہ! تیرا شکر ہے کہ تم نے موت کے بعد مجھے زندہ کر دیا،
سونا اور مرنا دونوں برابر ہیں، تم سو رہے تھے تو تم کو کچھ خبر نہیں تھی، ہمارے پاس سانپ
آتا ہے، بچھو آتا ہے، شیر آتا ہے، تم نہیں جانتے جبکہ سوئے رہتے ہو تو مردہ کی طرح
تھے، خداوند کریم اس کے بعد تم کو اٹھاتا ہے تو تم کو شکر ادا کرنا چاہئے۔

داڑھی منڈانا اتباع سنت کے خلاف ہے

مگر ہماری بے وقوفی کہ بجائے شکر کے بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا کفران کرتے
ہیں اٹھتے ہی جا کر کے داڑھی منڈاتے ہیں استرا لگا کر کے داڑھی منڈانا جناب رسول
ﷺ کے حکم کے خلاف ہے، رسول ﷺ تو فرماتے ہیں خالفوا المشرکین وفروا اللحی و
أحفوا الشوارب (بخاری: ٥٨٩٢) "اے مسلمانو! مشرکین کی صورت مت بناؤ، داڑھیاں بڑھاؤ

مونچھوں کو کٹاؤ'' اور فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے، مگر تم صبح ہی صبح داڑھی منڈاتے ہو، نماز کا فکر نہیں، روزے کی فکر نہیں کبھی کسی سکھ کو داڑھی منڈا نہیں دیکھا ہوگا، کافر ہے مگر اپنے گرو کا اتنا تابعدار ہے اور ہم مسلمان ہیں جناب رسول ﷺ کی صورت سے اور آپ کی سیرت سے نفرت کرتے ہیں، چاہئے تو یہ تھا کہ ہم ہر بات میں جناب رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلتے۔

اتباع رسول ﷺ میں نجات

نجات فقط اس میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرو، قرآن کہتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اے محمد ﷺ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو اللہ کی محبت ہے تو جس نے تمہیں پیدا کیا، پالا ہے، تم کو رزق دیا ہے اگر اس سے محبت ہے تو فقط ایک ہی طریقہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے پیچھے پیچھے چلو قدم بقدم چلو جس طرح سے وہ کہیں ویسا کرو ویسے صورت اور سیرت بناؤ۔

حضرت محمد ﷺ کے نہایت محبوب بندے ہیں اپنے معشوق کی اپنے محبوب کی صورت بھی محبوب ہوتی ہے، تم اگر اس کی صورت بناؤ گے اس کی سیرت بناؤ گے تو يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ خدا تمہارا عاشق ہو جائے گا بھائی! کوشش کرو، غفلت کو چھوڑو جناب رسول اللہ کی قدم بقدم چلو ان کے حکم پر چلو۔

ذکر اللہ پر مداومت

اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ بنو، جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر کی وجہ سے انسان کے تمام گناہ معاف ہوتے ہیں خدا کے ذکر سے غافل نہ ہونا تا کہ ہمارا خاتمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے ہو ومن کان آخر کلامه لا إله إلا الله دخل الجنة اللہ کا ذکر کرتے ہوئے، اللہ کا نام لیتے ہوئے ہماری دنیا سے رخصتی ہو اور جو

ایسا کریگا وہ جنت میں ضرور ضرور داخل ہوگا، آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں ما شيء انجىٰ من عذاب الله من ذكر الله (او) مثل ذكر الله (ترمذی:۳۳۷۷) فرماتے ہیں کوئی چیز اللہ کے عذاب سے ایسی نجات دینے والی نہیں ہے جس طرح کہ اللہ کا ذکر نجات دینے والا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

اس کے بعد کسی نے اعلان کیا کہ حضرت کے ہاتھ میں درد ہے اس لئے مصافحہ کے دوران گڑبڑ نہ کریں بلکہ آہستگی اور ترتیب سے مصافحہ ہو، دوسرا یہ کہ کل صبح سات بجکر ۲۰ منٹ پر حضرت قبلہ کی واپسی ہے اس لئے اسٹیشن پر ملاقات کی کوشش کریں تو حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا:

مصافحہ کی ایک غلط رسم کی اصلاح

مصافحہ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے سنت قرار دیا ہے مسلمانوں کو حکم دیا ملاقات کے وقت جب ایک دوسرے سے کسی مدت کے بعد ملاقات کرے تو اس وقت مصافحہ کرے ہمارے ہاں طریقہ یہ رائج ہوا کہ جب وعظ ہو تو وعظ ہونے کے بعد واعظ سے مصافحہ بھی ضروری ہے تو واعظ کے ساتھ مصافحہ کرنا اور اسے ضروری سمجھنا یہ سنت نہیں ہے بہت سے ایسے لوگ جو ساتھ رہتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں یہ غلطی ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی وعظ کے بعد کسی نماز کے بعد کسی خطبے کے بعد مصافحہ کو مسنون نہیں قرار دیا ہے اور مصافحہ کرنا کسی قدر مشکل چیز ہے تکالیف کا باعث ہے ہاں ایک شخص دور سے آیا ہے تو اور بات ہے اس واسطے مصافحے کی جدوجہد کرنا غیر مناسب ہے۔

غائبانہ دعا کی مقبولیت

اب آپ حضرات کو یہ کہا گیا کہ میں کل کو یہاں سے روانہ ہوں گا تو لوگ پہنچیں یہ بھی غلط چیز ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام بھائی میرے واسطے دعا کریں

میں آپ کے واسطے دعا کروں اور دور کی دعا نزدیک سے زیادہ مقبول ہے کسی کے سامنے اس کے واسطے دعا کرنا اس قدر مقبولیت کا باعث نہیں کہ آپ کا بھائی آپ کے سامنے نہیں ہے اور آپ دعا کریں کہ اللہ اس کو سلامتی عطا فرمایا اس کے مقاصد کو پورا کر دے اس کی فلاں حاجت کو پورا کر دے تو جناب رسول اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا اللہ کے ہاں بہت مقبول ہوتی ہے بہر حال میرے بھائیو! کوئی صاحب اس کا قصد نہ فرما دے اسٹیشن پر تشریف لانے کی، میں آپ بھائیوں کا ایک معمولی درجے کا خادم ہوں، بحیثیت خادم میں نے دو چار کلمات آپ کے سامنے عرض کئے۔

ذکر اللہ کی مزید تاکید

آخری چیز یہ عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ بنو اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے جس قدر ممکن ہو اللہ کا ذکر کرو، اللہ کا ذکر تمام تکالیف کو دنیا اور آخرت کی تکالیف کو دور کرنے والا ہے میرے بھائیو! کوشش کرو جس قدر ممکن کو، ہماری زبان عادی ہو جائے اللہ کا ذکر کرنے کی ہر وقت اللہ کا نام ہماری زبان سے نکلتا رہے مرنا اور اس دنیا سے جانا ہے۔

دعائے اختتام

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنا رحم کرے یا ارحم الراحمین یا ارحم الراحمین یا ارحم الراحمین اپنے فضل وکرم سے ہم تمام حاضرین کے دین اور دنیا کی مصیبتوں کو دور کرے، اے پروردگار! اپنے فضل وکریم سے ہم تمام حاضرین کو حضرت محمد ﷺ کا سچا تابعدار بنا دے اے پروردگار! اپنے فضل وکرم سے ہم تمام حاضرین کو دنیا اور آخرت کی تکالیف سے اور مصیبتوں سے بچا ہمارے ملک میں امن و امان کو پھیلا دے بیماریوں کو دور کر دے غریبوں کی غربت کو دور کر دے اے پروردگار!

ہم تمام حاضرین کی مرادوں کو پورا فرما ہم تمام حاضرین کی مصیبتوں کو دور فرما، ہمارا سب کا خاتمہ ایمان پر کر دے حضرت محمد ﷺ کی معیت ہمیں نصیب فرما حضرت محمد ﷺ کی شفاعت سے ہم تمام حاضرین کو مالا مال کر اور اے پروردگار! اپنے فضل وکرم سے ہم تمام مسلمانوں کو جنت میں داخل کر دے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ برحمتك يا ارحم الراحمين وصلى الله على سيدنا و مولانا محمد وآله وصحبه اجمعين۔

یا ارحم الراحمین حضرت شیخؒ کی یہ دعا حاضرین مجلس وعظ کے علاوہ تمام قارئین الحق و سامعین اور احقر ناقلِ وعظ سمیع الحق اور ان سب کے تمام متعلقین کے حق میں اور اب خطبات مشاہیر کے قارئین کے حق میں بھی مقبول فرما۔ آمین .... (س)

ضبط وترتیب: سمیع الحق

الحق ج ۱۰، ش ۴ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ جنوری 1975ء

نظر ثانی: ۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ بعد از تراویح، ۳ر جولائی ۲۰۱۴ء (س)

خطبات

حکیم الاسلام مولانا محمد طیب قاسمی صاحبؒ

حکیم الاسلام مولانا محمد طیب قاسمی صاحبؒ

مہتمم ،دارالعلوم دیو بند، ہندوستان

تعارف

حکمت قاسمی کے وارث اور علم ودانش ولی اللّٰھی کے امین شریعت کے اسرار وحکم کے شارح و ترجمان بجاطور پر ''حکیم الاسلام'' کے مصداق دارالعلوم دیو بند کے مہتمم جن کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے ہر شعبے میں عظیم الشان ترقی کی۔المتوفی شوال ۱۴۰۳ھ

(دارالعلوم دیو بند اور مہتمم دارالعلوم دیو بند کے بارہ میں میرے احساسات)

ماہنامہ الحق کے نقشِ آغاز شمارہ ستمبر ۱۹۶۸ء میں احقر راقم نے حضرت صاحبِ خطبات کی پاکستان آمد اور اس سلسلہ میں تقریر وغیرہ کی بعض بے جا پابندیوں پر ایک شذرہ لکھا، جو حضرت کی نظر سے گذرا تو اس کی تحسین ان الفاظ سے فرمائی۔

'' حضرت المخدوم المعظم مخدومی حضرت مولانا عبدالحق صاحب دام مجدہٗ زیدت مکارمکم شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ زادھا اللہ افادۃً سلام مسنون نیاز مقرون! کل جامعہ حقانیہ کا رسالہ ملا، پڑھا۔

الحق کا اداریہ میرے لئے دستاویز نجات

اس ناچیز اور ناکارہ کے بارے میں مضمون متعلقہ میں جو وقیع الفاظ تحریر فرمائے گئے ہیں وہ حوصلہ افزائی کی اعلیٰ ترین مثال ہے،ورنہ یہ ناکارہ کس قابل ہے، بزرگوں کا محض حسنِ ظن ہے، حق تعالیٰ اس ظن کے مطابق اس نالائق کو بنا دے۔البتہ دارالعلوم کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا گیا ہے وہ ایک حقیقت واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ صاحبِ مضمون کو درجات عالیہ دارین میں عطا فرمائے۔انشاء وادب بھی ماشاء اللہ زبان اور سلاستِ بیان کے بارے میں

قابلِ قدر اور لائق صد تحسین ہے۔ یہ مضمون لوگوں کو اتنا پسند آیا کہ رسالہ مجھ سے چھین کر لے گئے اور میں اس دستاویز نجات سے خالی رہ گیا، اس لیے درخواست ہے کہ اگر اس رسالہ کی دو تین کاپیاں مزید ارسال فرمادی جائیں تو عین لطف و کرم ہوگا اور لوگ بھی اس کے خواہشمند نظر آتے ہیں انہیں بھی دکھلا اور دے سکوں گا۔'' (قاری محمد طیبؒ)

راقم کے بارہ میں کلماتِ محبت محض ذرہ نوازی اور اصاغر کی حوصلہ افزائی کا ایک نمونہ ہے ملاحظہ فرمایئے:

> یہ سطور لکھتے وقت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی دامت برکاتہم سرزمینِ پاکستان پر جلوہ افروز ہیں، اور ہم دل کی گہرائیوں سے انکی خدمت میں مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں، حضرت قاری صاحب عالمِ اسلام کی قابلِ احترام شخصیت، علومِ نبویہ کے جید عالم، حقائقِ اسلامیہ کے ترجمان اور خود اپنے اولوالعزم جد بزرگوار حجۃ الاسلام امام محمد قاسمؒ نانوتوی کی حکمت قاسمیہ کے مظہر اور امین ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ تقریباً نصف صدی سے حضرت قاری صاحب عالمِ اسلام کی اُس عالمی اور مرکزی نشر گاہِ علومِ رسالت دارالعلوم دیو بند کے مدیر ہیں، جس کی حیثیت عالمِ اسلام کے لئے بمنزلہ قلب و روح ہے اور جس کا شریک و ہمسر ادارہ دین کے تحفظ اور دینی اقدار کی اشاعت کے لحاظ سے اس وقت پورے عالمِ اسلام میں نہیں ہے۔ اپنی اس عالمگیر اور بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر دارالعلوم دیو بند صرف ہندوستان کا نہیں پورے برصغیر اور پورے عالمِ اسلام کا مشترکہ اثاثہ ہے اور اس لحاظ سے حضرت قاری صاحب کی ذات پوری اسلامی دنیا کے لئے مایہ ناز اور تمام مسلمانوں میں لائقِ احترام ہے، پھر خوش قسمتی سے پاکستان جغرافیائی لحاظ سے برصغیر کا ایک اہم حصہ رہا اور اس مرکزِ علمی سے سب سے زیادہ اور اسکے فیوضات سے براہِ راست مستفید ہوتا رہا۔ اس ملک کی کیا بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کی اسلامی، دینی، علمی اور پھر سیاسی زندگی اس ادارہ اور اسکے اکابر کے مساعی کی رہینِ منت رہی ہے۔ اس لئے بجا طور پر پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کے قلوب میں دارالعلوم دیو بند اور لاکھوں افراد کے دلوں میں حضرت قاری صاحب اور دیگر اکابر دیو بند کے لئے بے پناہ جذبہ عقیدت و احترام پایا جاتا ہے۔ اور طبعی طور پر اس روحانی، علمی اور ثقافتی روابط کی بناء پر سب

> کے دلوں میں حضرت قاری صاحب کی زیارت اور انکے فیوضات سے استفادہ کی تڑپ رہتی ہے۔ مگر اس دفعہ عقید تمندوں کے اس شوق اور روحانی تعلق کو ہمارے ہاں جس بُری طرح مجروح اور پائمال کیا گیا اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، پہلے تو سالہا سال سے حضرت کے متوسلین اور اعزہ و اقارب کی کوششوں کے باوجود ویزا پر پابندی رہی، پھر جب ویزا ملا تو پاکستان داخل ہوتے ہی انکی زبان بندی کی گئی۔ یہ صورتحال ہماری سمجھ سے بالاتر ہے مگر اتنی بات تو یقینی ہے کہ......
>
> ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں
>
> اس لحاظ سے یہ صورتحال اور بھی بے حد افسوسناک ہے کہ حضرت کی شخصیت اس وقت نہ کوئی سیاسی شخصیت ہے، نہ نزاعی اور نہ انکے ارشادات کا ہدف کسی خاص فرقہ کی تائید اور دوسرے فرقہ پر تنقید رہا ہے۔ انکی تقاریر اور خطبات کا ریکارڈ اس امر کی کھلی شہادت دے گا کہ حضرت نے ہمیشہ نہایت سلجھے ہوئے سنجیدہ اور متین انداز میں کتاب و سنت کی ترجمانی کی ہے۔ انکا محور ٹھوس علمی مضامین کا حکیمانہ بیان اور اصلاحِ امت ہی رہا، کسی سیاسی موضوع یا مذہبی فرقہ کو ہرگز نشانہ نہیں بنایا۔ پھر مسلمانانِ برصغیر کے نشاۃِ ثانیہ میں حضرت قاری صاحب نے اپنی صوابدید کی بناء پر جو کچھ کیا وہ بھی خواب و خیال کی باتیں نہیں ہیں کہ اتنی جلد بھلائی جائیں۔ تو کیا اکابر امت اور قاری صاحب کے یہ تمام علمی مزایا اور فضائل، دینی کارنامے اور اسلامی خدمات اور بین الاقوامی حیثیت اس سلوک اور پذیرائی کی مستحق ہے؟ کیا ''سرزمین پاک'' کے مقدر میں یہی رہ گیا ہے کہ اسکے دروازے نام نہاد ''سیّدنا'' قسم کے بزرگوں اور خود ساختہ فرقوں اور گروہوں کے ''امیروں'' اور ''اماموں'' کیلئے تو چوپٹ کھلے ہوں عیسائی ''فادر'' اور ظلی و بروزی خلفاء تو ہر اعزاز و اکرام کے مستحق سمجھے جائیں، ثقافتی طائفوں کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کیا جائے اور قوم کی دولت ان پر فدایانہ نثار کی جائے مگر پابندی ہو تو اُن لوگوں کی نقل و حرکت پر جن کے دم قدم سے آج اس سرزمین میں خدا اور اسکے رسول کا نام گونج رہا ہے اور جس نام کے صدقے سے آج ہم مسندِ حکومت و امارت پر براجمان ہیں۔ واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل
>
> سمیع الحق ۵ جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ

انسانی فضیلت کا راز

انسان کی حقیقت، مقاصد و منافع تخلیق وجوھات افضلیت اور امتیازی خصوصیت

جلسہ دستار بندی دارالعلوم حقانیہ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں خطاب

پیش لفظ: از قلم سمیع الحق

۷۔۸ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۱۔۲۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء دارالعلوم حقانیہ کا وہ عظیم الشان سالانہ دستار بندی اجلاس منعقد ہوا جو ظاہری و معنوی امتیازات و برکات کے لحاظ سے دارالعلوم کی تاریخ میں امتیازی اور افادی حیثیت سے دور رس نتائج کا حامل رہے گا اپنی روایتی آب و تاب، مسلمانوں کے بے پناہ خلوص و محبت، اکابرین و عمائدین ملک و ملت کی بزرگانہ و مخلصانہ ہمدردیوں اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ حضرت حکیم الاسلام فخر الاماثل مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ قاسمی مہتمم دارالعلوم کی شمولیت با برکت نے اجلاس کی رونق افادیت اور کامیابی کو اوج کمال تک پہنچا دیا اللہ تعالیٰ کے بے پناہ انعامات و اکرامات ہی کا ثمرہ ہے کہ ابتداء تاسیس دارالعلوم حقانیہ سے اکابرین دیوبند و بزرگان و مشائخ عظام کے مبارک توجہات اور نیک دعائیں اس جانب مبذول رہیں اور دارالعلوم حقانیہ نے اپنی مادر علمی، گہوارہ علم و عمل، مرکز عقیدت، حصن حصین اسلام دارالعلوم دیوبند کے رشتہ محبت اور وابستگی کو سعادت و فلاح کامیابی و ترقی کا بہت بڑا سرمایہ سمجھا ہے، چنانچہ اس سال جب سالانہ اجلاس دستار بندی کے لئے حضرت المخدوم المعظم قاری محمد طیب صاحب کو دعوت دی گئی تو انہوں نے شرف پذیرائی بخشتے ہوئے مذکورہ تاریخیں مقرر فرما کر ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو دارالعلوم میں قدم رنجہ فرمایا ۲۱ اکتوبر کو فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی فرمائی اور جامع مسجد دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھا، ان تقریبات میں حضرت قاری صاحب

مدظلہٗ کے علاوہ پاکستان کے اکثر اکابر" جیسے شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتیؒ حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی' شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی، علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی، مولانا محمد مفتی نعیم لدھیانوی مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا محمد علی جالندہری، مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی اور بے شمار ارباب علم و فضل موجود تھے ۲۱۔۲۲ اکتوبر کی درمیانی رات کو حضرت مہتمم صاحب کی وہ بہترین سحر انگیز حکمیانہ تقریر ہوئی جس نے اہل عمل و فضل ارباب فکر و فہم اور عامۃ المسلمین کے ہزاروں کے مجمع کو گھنٹوں تک یکساں محو رکھا تھا ہر ہر جملہ میں حضرت حجۃ الاسلام سیدنا الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے انوار و تجلیات کی جھلک اور قاسمی علوم و معارف کا شان استدلال عقلیت نمایاں تھا، مظہر انوار قاسمیہ حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے اپنے اس مخصوص روایتی دلکش خطاب میں قرآن و سنت کی روشنی میں عقل و درایت کی پختگی کے ساتھ فلسفیانہ مگر عام فہم انداز میں کائنات عالم کے اس اشرف و اعلیٰ نوع مخلوقات انسان کی حقیقت اور پھر اس کے مقاصد و منافع تخلیق اور وجوہات افضلیت اور امتیازی خصوصیت پر سیر حاصل بحث فرمایا اور اس ذیل میں بے شمار اسرار و حکم کی طرف رہنمائی کر کے فکر و نظر کے لئے ایک شاہراہ کھول دیا الحاد و دہریت، سائنس اور مادیت کے اس ہیجانی و طوفانی دور میں ایسے ہی استدلال، زور بیان اور تجربہ و حقائق سے مادیت اور مغربیت زدہ پریشان اذہان و افکار کو چیلنج کیا جا سکتا ہے اور گم گشتہ راہ انسانیت کو اپنی حقیقت و مقام سے شناسا کرایا جا سکتا ہے آخر علوم الٰہیہ ربانیہ کے سوا وہ کون سے خوبی ہو سکتی ہے جو اس ادنی و ضعیف مخلوق خاکی انسان کو خلافت ربانی کے مقام جلیل پر کھڑا کر سکتی ہے؟ معارف نبوت و رسالت کے سوا وہ کون سی روشنی ہے جس کو لے کر انسان ہدایت و سعادت کی بام رفیع "نیابت نبوت" پر فائز ہو سکتا ہے؟ انہی حقائق و معارف کی جانب حضرت قاری صاحب موصوف نے اپنی تقریر میں ہماری رہنمائی کی ہے، بیان کی دلکشی، تقریر کی جاذبیت، مضامین کی افادیت اور جامعیت اور خود حضرت موصوف کی جامع الکمالات پرکشش شخصیت نے مجمع میں کان علی رؤ سھم الطیر کا منظر پیدا کر دیا تھا اور جلسہ کے اختتام کے فوراً بعد ملک کے اطراف و اکناف سے اس تقریر کی مانگ شروع ہو گئی خود دارالعلوم حقانیہ نے بھی ضروری سمجھا کہ ان ارشادات کو افادہ عام کیلئے شائع کیا جائے دوران تقریر بعض حضرات خصوصاً برادر عزیز مکرم و محترم مولانا شیر علی صاحب فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ نے حتیٰ الوسع بلفظہ قلم بند کرنے کی کوشش کی تاہم ضبط بیان میں قدرے

اجمال وکوتاہی ہونی لازمی تھی جسکی وجہ سے ضروری سمجھا گیا کہ حضرت قاری صاحب مسودہ تقریر پر نظر ثانی فرمادیں، چنانچہ اسی غرض سے تیار شدہ مسودہ حضرت موصوف کی خدمت میں دیوبند بھیج دیا گیا، حضرت قاری صاحب مرحوم نے توالئی اسفار، کثرتِ مشاغل کے باوجود گونا گوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر مسودہ پر نظر ثانی فرمائی اور توضیح تعبیرات، تفصیل مضامین کے لئے خود حضرت کے الفاظ میں "باوجود غیر معمولی مصروفیات کے رات دن لگ کر اسے مرتب کیا اور گویا سارا مسودہ از سر نو خود ہی لکھنا پڑا" اس بنا پر اب یہ بصیرت افروز تقریر ایک گرانمایہ تصنیف کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور اگر چہ کچھ دیر سے شائع ہو رہی ہے لیکن قیمتی اضافوں اور بے شمار فوائد کی بنا پر یہ تکوینی تاخیر، خیر و حسن کا موجب بن رہی ہے، رب جلیل اس علمی وتبلیغی احسان کے بدلے حضرت قاری صاحب کو تمام اہل علم اور مسلمانوں کی جانب سے اجر جزیل عطا فرماوے شکر اللہ مساعیھم اور قارئین کو فرمان خداوندی وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ کے مصداق اور زمرہ میں شامل کردے، برادر محترم مولانا سید شیر علی شاہ صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں، جن کے مسلسل تعاون اور معاونت سے یہ گنج گرانمایہ قارئین کے ہاتھ تک پہنچ رہا ہے، تسہیل فہم اور ترتیب مضامین کے لئے عنوانات ضروری سمجھے گئے جو اس ناچیز کے لگائے ہوئے ہیں اس لئے تعبیر مفہوم میں نقص وکوتاہی کا ذمہ دار میں ہی ہوں حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کی اہمیت وعظمت کے بناء پر اسے ظاہری خوبیوں سے بھی آراستہ کیا جائے تاہم ناتجربہ کاری کی بناء پر پورے طور پر کامیاب نہیں ہو سکے دوسرے ایڈیشن میں انشاء اللہ العزیز اس کا تدارک کیا جائے گا یہ مجموعہ حضرت قاری صاحب کے تجویز کردہ نام "انسانی فضیلت کا راز" سے موسوم کیا جاتا ہے والکتاب یقرء من عنوانه......

داد یم تراز گنج مقصود نشان
گرما نر سید یم تو شاید برسی

والحمد للہ اولاً واخراً والیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه

محمد سمیع الحق کان اللہ لہ (دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

۳۰ شعبان ۱۳۷۸ھ ۱۲ فروری ۱۹۵۹ء

تہنیت، تبریک اور دعائیں

دارالعلوم حقانیہ، دارالعلوم دیوبند ہی بن گیا ہے۔ (قاری محمد طیبؒ)

نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الکریم وعلی آله واصحابه اجمعین

آج بتاریخ ۶ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ احقر حسب دعوت حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحب بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک حاضر ہوا اور دارالعلوم ہی میں قیام کیا آٹھ سال کے بعد اس سرچشمہ علم میں حاضری کا یہ دوسرا موقع ہے ۱۹۵۰ء میں احقر اس وقت حاضر ہوا تھا جب کہ اس مدرسہ کے لئے نہ کوئی مستقل جگہ تھی نہ مکان ایک مسجد میں غریبانہ انداز سے اساتذہ وتلامذہ نے کار تعلیم شروع کردیا تھا لیکن آٹھ سال کے بعد آج دارالعلوم کو اس شان سے دیکھا کہ اس کے پاس شاندار عمارت بھی ہے، وسیع میدان بھی ہاتھ میں ہے، اس کے وسیع نظم ونسق کے لئے مختلف انتظامی شعبہ جات بھی ہیں، شعبہ تعمیر مستقل حیثیت میں اپنا کام بھی کررہا ہے، اور تعمیرات بھی روز افزوں ترقی پر ہیں، طلبہ کی کثرت ہے، اساتذہ ماہر فنون کافی تعداد میں جمع ہیں، ۲۶۰ فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی بھی ہوئی جن میں مختلف پاکستانی علاقوں کے علاوہ کابل وقندھار کے طلبہ بھی ہیں، ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد بھی رکھی جارہی ہے، خلق اللہ کا رجوع ہے، اعتماد ہے اور وہ پورے بھروسہ کے ساتھ پروانہ وار اس شمع علم کے ارد گرد فدائیت وعقیدت کے ساتھ ہجوم کرکے آرہے ہیں حتیٰ کہ مدرسہ کے جلسہ نے ایک "عظیم الشان علمی جشن" کی صورت اختیار کرلی ہے اور بلا تامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج اسے صوبہ سرحد کی سب سے بڑی اور مرکزی درسگاہ ہونے کا فخر حاصل ہے سات سال کی مختصر مدت میں یہ ظاہری و

باطنی ترقیات بجز اس کے کہ کارکنوں کے، اخلاص وللّٰہیت کا ثمرہ کہا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ ان مخلصین میں رأس المخلصین حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑوی ہیں جن کے اخلاص و ایثار کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب سے وہ دارالعلوم دیو بند کے ایک ماہر فن استاد کی حیثیت سے دارالعلوم دیو بند میں مقیم تھے تقسیم ملک کے بعد بہ مجبوری اکوڑہ خٹک میں مقیم ہوئے اور دارالعلوم دیو بند آج تک ان کی جدائی پر نالاں ہے ان کی سادہ بے لوث اور مخلصانہ طبیعت اور خدمت نے ہی اس سات سال کی قلیل مدت میں اس مکتب کو مدرسہ اور مدرسے سے دارالعلوم بنا دیا ہے اس دارالعلوم کے احاطہ میں پہنچ کر احاطہ دارالعلوم دیو بند کا شبہ ہونے لگتا ہے اور بالآخر یہ شبہ یقین میں بدل جاتا ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ حقیقتاً اس نے اپنی صورت و سیرت میں دارالعلوم دیو بند کی صورت و سیرت کو محو کر لیا ہے اور وہ دارالعلوم دیو بند ہی بن گیا ہے دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس سر چشمۂ فیض اور اس کے بانی کو اپنے فضل و کرم کے سایہ میں تا دیر قائم رکھے اور مسلمانان پاکستان کے لئے یہ مدرسہ نور ہدایت اور مینارہ روشنی ثابت ہو!......

ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین آباد

محمد طیب عفرلہ مدیر "دارالعلوم دیو بند" وارد حال اکوڑہ خٹک

۶ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

انسانی فضیلت کا راز

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیأت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہٗ و نشھد ان سیدنا و سندنا و مولنا محمداً عبدہ و رسولہ ارسلہ اللّٰہ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وصحبہٖ و بارك وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا امابعد فاعوذباللّٰہ من الشیطن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ صدق اللّٰہ مولانا العظیم۔

دارالعلوم کا موضوع اور مقصد

بزرگانِ محترم! یہ اجتماع دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے منعقد کیا گیا ہے جس میں آپ اور ہم سب اس جگہ جمع ہوئے ہیں اور دارالعلوم کا موضوع اور مقصد سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو ظلمتِ جہالت سے نکال کر نورِ علم میں لانا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانا ہے اس موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے موزوں و مناسب یہی تھا کہ میں تقریر کیلئے علم ہی کا موضوع اختیار کروں اور غالباً اسی مناسبت

سے اور حضرات مقررین نے بھی اپنی تقریروں میں اب تک علم ہی کا موضوع اختیار کیا
ہے اور اسی موضوع پر تقریریں ہوتی رہیں تا کہ علم کی ضرورت ، فضیلت اور مطلوبہ تعلیم کی
نوعیت پر روشنی پڑے ، اسی مناسبت سے میں نے یہ آیتیں اس وقت تلاوت کی ہیں ، جن
میں ان مذکورہ امور پر روشنی ڈالی گئی ہے اور جن میں اللہ تعالیٰ نے علم کی مطلوبہ نوعیت و
اہمیت بیان فرمائی ہے اور واضح فرمایا ہے کہ علوم کی لائن میں وہ کون سا علم ہے جو مطلوب
اور نافع ہے؟ اور کیا اس کے آثار ہیں؟

اس وقت ان کی مختصر الفاظ میں آپ حضرات کے سامنے شرح کرنا مقصود ہے،
خدا کرے آپ سمجھ سکیں ، میری زبان اردو ہے اور اوپر سے کچھ طالب علمانہ اثر بھی ہے
جس میں طبعی طور پر کچھ عربی الفاظ بھی آئیں گے ممکن ہے کہ اس کے سمجھنے میں صوبہ سرحد
کے بھائیوں کو کچھ دقت ہوتا ہم میں سعی کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ سہل الفاظ میں اپنے
مافی الضمیر کو ادا کروں ، اور بات کو دلوں میں اتارنے کی کوشش کروں امید ہے کہ اگر کوئی
خاص لفظ یا جملہ سمجھ میں نہ آسکے تو مجموعی طور پر مطلب ضرور سمجھ میں آجائے گا ورنہ اور
کچھ نہیں تو ثواب تو بہر حال مل جائے گا جو سمجھنے پر موقوف نہیں صرف سنتے رہنے پر
موقوف ہے۔

کائنات کے خالق نے انسان کے لئے اسے ہر طرح سجایا

قبل اس کے کہ میں ان آیات کی تفسیر کے متعلق کچھ عرض کروں ایک مختصر
بات جو بطور مقدمہ وتمہید ہوگی، بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جس سے آیات کے مقصد
کو سمجھنے میں آسانی ہوگی اور وہ یہ ہے کہ اس کائنات کے مالک نے یہ کائنات بنائی تو
اسے پوری طرح سجایا اور آراستہ بھی کیا اور اس میں طرح طرح کی ضرورتیں بھی مہیا
فرمائیں زمین کا فرش بچھایا اور اطلاع فرمائی کہ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا اور زمین کو

فرش بنایا اور فرش پر آسمان کا خیمہ تانا اور اسے ایک محفوظ چھت بنا دیا چنانچہ بتلایا کہ وَ
جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا "اور ہم نے بنایا آسمان کو محفوظ چھت" اس چھت میں روشنی کے
قندیل لٹکائے تا کہ اس مکان کی فضائیں روشن رہیں اور فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی
السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا "برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان
میں برج رکھے اور ان میں روشن چراغ (سورج) اور روشنی بخش چاند رکھا" پھر ان ستاروں کو چھت
کیلئے سامان زینت بھی کر دکھایا اور اطلاع دی کہ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ
الْكَوَاكِبِ "ہم نے آراستہ کیا آسمان دنیا کو زینت سے جو ستارے ہیں" پھر اس فرش خاک کو
بستر بنا کر ایک وسیع ترین دستر خوان بھی بنایا جس سے ہر قسم کے غلے ، ترکاریاں ، پھل ،
غذائیں اور دوائیں اگائیں جس سے ہر قسم کے میٹھے کھٹے نمکین اور دوسرے ذائقوں کے
پھل اور دانے نکلتے چلیں آتے ہیں اور مطلع فرمایا کہ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ
النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ
غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ان سبزیوں کو نمایاں کرنے اور حیات بخشنے کے لئے پانی سے بھری ہوئی
ہوائیں رکھیں اور فرمایا کہ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ پھر زمین کو فرش اور خوان نعمت بنانے
کے ساتھ راہ دار بھی بنایا جس میں جگہ جگہ چلنے پھرنے کے راستے رکھے اور فرمایا کہ
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۔

مقصود تخلیق کائنات مکین کی ضروریات

غرض یہ کائنات ایک عظیم ترین بلڈنگ اور رفیع الشان قصر کی حیثیت سے تیار
فرمائی جس میں کھانے ، پینے ، چلنے ، پھرنے ، رہنے سہنے ،سونے ، جاگنے اور کام کاج
کرنے کے سارے سامان فراہم فرمائے ، اس کائنات کی یہ ساخت اور بناوٹ کا یہ

خاص انداز پکار پکار کر زبان حال سے بتلا رہا ہے کہ ضروریات زندگی سے لبریز یہ مکان کس ضرورت مند مکین کے لئے بنایا گیا ہے، خود مقصود نہیں ہے، یعنی اس میں کسی کو بسانا مقصود ہے، محض مکان بنانا مقصود نہیں اور بلاشبہ کسی ایسے مکین کو آباد کرنا مقصود ہے جو ان سامانوں کا حاجت مند بھی ہو اور اس میں ان سامانوں کو استعمال کرنے کی صلاحیت بھی ہوتا کہ یہ سارے سامان ٹھکانے لگیں اور اس مکین سے اس مکان کی آبادی اور زینت ہو، کیونکہ مکان مکین کے بغیر ویرانہ، وحشت کدہ اور بے رونق ہوتا ہے، سو اس عالم میں ارادی کاروبار اور اختیاری تصرفات دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بلڈنگ میں بسنے والی ذی شعور اور حساس مخلوق جو اس کائنات کو استعمال کر سکتی ہے چار ہی قسم کی ہے۔

ذی شعور اور حساس مخلوق کی چار اقسام

ایک حیوانات ہیں جن میں سینکڑوں انواع گھوڑا، گدھا، بیل، بکری، طوطا، مینا، شیر، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چرند، پرند، درند وغیرہ ہیں دوسرے جنات ہیں جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے مگر آثار سے سمجھ میں آتے ہیں اور بلحاظ نسل مختلف قبائل اور خاندانوں میں بٹے ہوئے ہیں تیسرے ملائکہ ہیں جو نوری ہونے کے سبب لطیف اور نادیدہ ہیں مگر اپنے آثار کے لحاظ سے مثل دیدہ ہیں اور نر و مادہ ہونے اور نسل کشی سے بری ہیں اور چوتھے بنی نوع انسان ہیں جو زمین کے ہر خطہ میں بسے ہوئے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں یہی چار مخلوقات ہیں جو اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے اندر احساس و شعور رکھتی ہیں اور اس کائناتی بلڈنگ کے باشندے اور جائز وارث ہونے کی مستحق ہیں، اس زمین آسمان میں ان کے حقوق ہیں اور وہ مالک کائنات کی طرف سے ان کے حق دار بنائے گئے ہیں کسی کو حق نہیں کہ ان کے حقوق کو پامال کرے یا انہیں منافع دینے سے بے حق کر دے غذا، مکان، تن پوشی اور رہن سہن وغیرہ میں ان سب کے حقوق قائم ہیں انہیں حق ہے کہ رہنے کے لئے مکان تلاش کریں غذا کے

لئے مناسب حال کھانا مہیا کریں اندریں صورت جو بھی ان میں سے کسی کے جائز حق میں رخنہ انداز ہوگا وہ بلاشبہ مجرم اور مستحق سزا ہوگا۔

ہر نوع کے مستقل حقوق اور اسلام میں ان کی حفاظت

چنانچہ شریعت اسلام نے جس طرح انسان کے حقوق کی حفاظت کی ہے اسی طرح حیوانات کے حقوق کی بھی پوری پوری حفاظت و رعایت فرمائی ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک اونٹ آنحضرت ﷺ کو بلبلاتا ہوا حاضر ہوا اس کی آنکھوں میں پانی بہہ رہا تھا اس نے آتے ہی حضور ﷺ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور بلبلاتا رہا، آپ نے فرمایا بلاؤ اس کے مالک کو، مالک حاضر کیا گیا، فرمایا یہ اونٹ تیری شکایت کر رہا ہے کہ تو اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر لادتا ہے، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! شکایت بجا ہے واقعی میں اس جرم کا مرتکب ہوں اور میں توبہ کرتا ہوں کہا آئندہ ایسا نہ کروں گا۔

دربار رسالت ﷺ میں اس کی چند مثالیں

بعض صحابہؓ چڑیا کے بچے پکڑ لائے اور وہ ان کے سروں پر منڈلاتی ہوئی پریشان حال اڑ رہی تھی آپ ﷺ نے وہ بچے چھڑوا دیئے کہ کیوں ان کی آزادی سلب کرتے ہو اور کیوں ان کی ماں کو ستاتے ہو، کیڑے، مکوڑے، زمین میں سوراخ کر کے اپنے رہنے کا ٹھکانہ کرتے ہیں تو احادیث میں ممانعت آئی ہے کہ کسی سوراخ کو تاک کر اس میں پیشاب مت کرو، اس میں جہاں تمہاری یہ مصلحت ہے کہ اس سوراخ سے کوئی کیڑا مکوڑا نکل کر تمہیں تکلیف نہ پہنچا دے وہیں اس جانور کی بھی یہ مصلحت ہے کہ بے وجہ اس کے گھر کو خراب کر کے اسے بے گھر مت بناؤ، اس کے ٹھکانے کو گندہ مت کرو کہ اس کا تمہیں حق نہیں آنحضرت ﷺ ایک دن مدینہ سے باہر تشریف لے گئے ایک دیہاتی کے یہاں ایک ہرنی بندھی ہوئی دیکھی جو آپ ﷺ کو دیکھ کر چلائی کہ یا رسول اللہ ﷺ!

یہ دیہاتی مجھے پکڑ لایا ہے اور سامنے پہاڑی میں میرے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں آپ مجھے تھوڑی دیر کے لئے کھول دیجئے کہ میں انہیں دودھ پلا آؤں تو آپ نے فرمایا تو وعدہ خلافی تو نہ کرے گی! عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں سچا وعدہ کرتی ہوں آپ ﷺ نے اسے کھول دیا اور وعدہ کے مطابق دودھ پلا کر فوراً واپس آگئی آپ نے اس کے گلے میں وہی رسی پھر ڈال دی اور اسے بدستور باندھ دیا اور پھر اس دیہاتی کو واقعہ سنا کر سفارش فرمائی کہ اسے کھول کر آزاد کر دے چنانچہ اس نے کھول دیا اور وہ اچھلتی کودتی اور حضور ﷺ کو دعائیں دیتی ہوئی پہاڑ میں اپنے بچوں سے جا ملی۔

ہرنی کے واقعہ میں کئی اسباق

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے سب کے حقوق کی رعایت فرمائی جانور کی رعایت تو اس کو کھول دینے سے فرمائی تا کہ ہرنی کی ماما کی رعایت ہو اور بچوں کو بھوکا مرتے دیکھ کر اس کا دل نہ دکھے، بچوں کی رعایت ان کی جان بچا کر فرمائی کہ وہ ضائع نہ ہوں انسانی حقوق کی رعایت یہ ہوئی کہ ہرنی کو اس کے واپس ہونے پر دوبارہ باندھ دیا تا کہ واضح ہو کہ انسان کو جنگل سے جانور پکڑنے لانے اور اسے پالنے یا استعمال کرنے کا حق ہے جس میں رخنہ نہیں ڈالا جا سکتا اور اس کے ساتھ اس میں وفائے عہد کی بھی تعلیم ہے کہ جب جانوروں تک پر وفائے عہد لازم ہے تو اس عقل مند انسان پر کیوں نہ ہوگا؟ اور واضح کر دیا گیا کہ جب وفائے عہد کا ثمرہ جانور کے حق میں نجات ہے کہ ہرنی کو آزادی مل گئی کہ تو انسان کے لئے دنیا و آخرت میں نجات کیوں نہ ہوگی؟

حیوانات کے حقوق

فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ شہر کے پالتو جانوروں اور کام کاج کے حیوانات کے لئے فناءِ مصر (شہر کے قرب وجوار) میں لازمی ہے کہ کچھ زمینیں خالی چھوڑی جائیں جن میں

کھیتی باڑی کچھ نہ ہو تا کہ جانور اس میں آزادی سے چریں اور گھاس اور پانی استعمال کر سکیں اور انہیں ان کا جائز حق ملتا رہے اور ان کی آزادی بھی برقرار رہے۔

نیک طبیعت اور پاک نہاد انسانوں نے ہمیشہ ان جانوروں کے حقوق کی رعایت کی ہے ہمارے دارالعلوم دیو بند کے محدث حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ کھانا کھانے کے بعد روٹیوں کے چھوٹے ٹکڑے اور کنے تو چھتوں پر ڈلوا دیتے تھے کہ یہ پرندوں کا حق ہے اور کھانے کے ذرات اور بھورے کو چیونٹیوں کے سوراخوں پر رکھوا دیتے تھے کہ یہ ان نہتے اور ضعیف جانوروں کا حق ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی جانور کا دل دکھانا اور اسے ستانا ہرگز جائز نہیں ایک نیک عورت محض اس لئے جہنم میں جھونک دی گئی کہ اس نے بلی کو کوٹھڑی میں بند کر کے بھوکا پیاسا مار دیا تھا اور ایک فاحشہ عورت محض اس لئے جنت میں پہنچا دی گئی کہ اس نے ایک تڑپتے ہوئے پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچا لی تھی جیسا کہ احادیث میں اس کا تفصیل سے واقعہ آتا ہے۔

شریعت اسلام نے جانوروں کے ذبیحہ میں اس کی رعایت کا حکم دیا ہے کہ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح مت کرو کہ اس کا دل دکھے اور وہ اپنے بنی نوع کے فرد کو ذبح ہوتے دیکھ کر دہشت سے خشک ہونے لگے، بہرحال حیوانات کے اس دنیا میں رہنے سہنے، کھانے پینے اور امن و آزادی کے حقوق ہیں جن کی حفاظت کا حکم اور ان کے ضائع کرنے کی ممانعت ہے۔

ہاں کوئی جانور شرّی اور موذّی ہو تو اسے بے شک بند کرنے یا مار دینے کے حقوق بھی دیئے گئے ہیں سو یہ جانور ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، شریر انسان کیلئے بھی حدود وقصاص، حبس و جیل، قید و بند اور قتل و غارت وغیرہ رکھا گیا ہے چنانچہ موذی جانور مثل

سانپ اور بچھو کو حرم میں بھی پناہ نہیں دی گئی اور قتل الموذی قبل الایذاء کا معاملہ رکھا گیا ہے مگر اس سے حیوانات کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جنات کے حقوق

اسی طرح جنات بھی اس جہان کے باشندے ہیں، جن کے حقوق ہیں، انہیں مکان، غذا اور امن کا حق دیا گیا ہے جسے پامال کرنے کا کسی کو حق نہیں جس طرح وہ ویرانوں میں رہتے ہیں ویسے ہی انہیں حق دیا گیا ہے کہ ہمارے گھروں میں بھی بودوباش اختیار کریں، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گھر میں بھی جنات بسے ہوئے ہیں چونکہ وہ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور ہم اپنے کام میں، اس لئے ہمیں پتا نہیں چلتا کہ کوئی جن ہمارے گھر میں آباد ہے، البتہ جو بدطینت اور شرّی، فسادی ہوتا ہے اور ہمیں ستاتا ہے تو ہم کہنے لگتے ہیں کہ فلاں گھر میں آسیب کا اثر ہے اور عاملوں کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ عملیات سے اس جن کو بند کریں یا جلا ڈالیں بہر حال جب جنات بدی پر آجائیں تو پھر ان کا مقابلہ، بلکہ مقاتلہ کی اجازت بھی دی گئی ہے ورنہ جہاں تک نیک اور مومن جنات کا تعلق ہے ہمیں کوئی حق نہیں کہ اپنے گھروں سے انہیں نکالنے کی فکر میں رہیں بلکہ ان کی طاقت اور نیکی سے خود ہمیں بھی فائدہ پہنچے گا رہی بدی اور ایذارسانی، سو وہ انسان کی بھی گوارا نہیں کی گئی چہ جائیکہ جنات کی کی جاتی۔

جنات میں مختلف صفات و مذاہب کے انواع

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جنات میں ہر قسم کے افراد ہیں، نیک بھی ہیں اور بد بھی، مسلم بھی، غیر مسلم بھی، مشرک بھی ہیں، یہودی و نصرانی بھی چنانچہ قرآن کریم نے اس طرف کھلا اشارہ فرمایا ہے، حضور ﷺ کی بعثت سے قبل جنات آسمان کے دروازوں تک آجا سکتے تھے اور ملائکہ کی گفتگو سے وحی خداوندی کے کچھ الفاظ اچک لاتے تھے،

جس میں اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر اپنے معتقدوں کو سناتے اور پھر غیب دانی کے دعوے کر کے مخلوق کو اپنے دام میں پھانستے حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ان کا آسمانوں کی طرف چڑھنا بند کر دیا گیا تو انہیں پریشانی ہوئی کہ یہ کیا نیا حادثہ پیش آیا ہے، جس نے ہم پر یہ بندش عائد کر دی اور یہ کون سی نئی بات ظہور میں آئی ہے جس کی بدولت ہم پہ یہ پابندی عائد کر دی گئی ہے چنانچہ کچھ جنات اس وجہ کی تلاش میں نکلے اور مشرق و مغرب میں گھومے کسی نے مغرب کی راہ لی اور کسی نے مشرق کی، کسی نے شمال کو چھانا اور کسی نے جنوب کو ان میں سے ایک جماعت کا گزر مکہ میں ہوا تو دیکھا کہ حضور ﷺ قرآن پڑھ رہے ہیں اس کا طرز و انداز نرالا اور ہادیانہ دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ اس ہدایت کی زد ٹھیک ہمارے شر کے اوپر ہے سمجھ گئے کہ بس یہی وہ بات ہے جس سے ہم پر اور ہمارے شرّی افعال پر یہ پابندی عائد کر دی گئی ہے انہوں نے جا کر اپنے بھائیوں کو اطلاع دی کہ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ''ہم نے تو عجیب قسم کا کلام پڑھا ہوا سنا ہے جو نیکی کے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لائے'' جس سے معلوم ہوا کہ ان میں کافر بھی تھے جو بعد میں ایمان لائے تو ان میں کافر و مومن کی دونوں نوع نکلیں پھر آگے فرمایا وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ''اور ہم اب ہرگز شرک نہیں کریں گے نہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں گے'' اس سے معلوم ہوا کہ ان میں موحد و مشرک کی تقسیم بھی تھی کچھ مشرک تھے اور کچھ موحد، آگے فرمایا وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ''اور یقیناً ہمارے پروردگار کی شان بہت بلند ہے' اس سے کہ اس کی کوئی بیوی اور بیٹا ہو'' معلوم ہوا کہ ان میں بعض عیسائی بھی تھے، جو عقیدہ زوجیت اور ابنیت کے قائل تھے، آگے فرمایا وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ''اور ہم میں سے بیوقوف اللہ تعالیٰ پر حد سے زیادہ جھوٹ اور افتراء باندھتے تھے'' معلوم ہوا کہ ان میں ملحد بھی تھے جو اپنی سفاہت اور بدعقلی

سے خدا پر جھوٹ باندھ کر غیر دین کو دین باور کراتے تھے، اور وحی الٰہی کے نام سے اپنے
تخیلات فاسدہ پھیلانے کے عادی تھے، بہر حال اس سے واضح ہوا کہ جنات میں مختلف
فرقے اور مختلف خیالات وعقائد کے افراد پائے جاتے ہیں تاہم اس سے ان کے قدرتی
حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا زیادہ سے زیادہ یہ بدکاروں کو سزا وسرزنش کی جائے جیسے
انسانوں کو کی جاتی ہے، لیکن ان کے حقوق کو نہیں روکا جاسکتا۔

جنات کے ساتھ رشتہ زوجیت میں فقہاء کی بحث؟

حتی کہ ان سے زوجیت کا رشتہ بھی قائم کیا جاسکتا ہے چنانچہ فقہاء میں یہ بحث
ہے کہ مسلم جنی عورت سے شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء نے اس نکاح کو جائز کہا
ہے بعض نے ناجائز، جس کی نظر اس پر ہے کہ نکاح جنس سے ہوتا ہے نہ کہ غیر جنس سے،
وہ یہ نکاح جائز نہیں قرار دیتے کیونکہ یہ نکاح ایسے ہی ہوگا، جیسے آدمی بکری یا گائے سے
نکاح کرے تو جانور بوجہ غیر جنس ہونے کے محل نکاح ہی نہیں اس لئے نکاح نہ ہوگا اور
جن کی نظر اس پر ہے کہ جنات میں شعور ہے اور شریعت کے مخاطب اور احکام کے مکلف
ہیں نیز انسانی شکل بھی اختیار کرسکتے ہیں وہ نکاح جائز قرار دیتے ہیں بہر حال جنات
کے مختلف حقوق ہیں کچھ غذا کے حقوق ہیں کچھ پڑوسی ہونے کے ہیں یہاں تک کہ کچھ
رشتہ زوجیت کے بھی ہیں ان کی رعایت لازمی ہے۔

حضور ﷺ کا جنات کو وعظ وتبلیغ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں نصیبین کی
جنات کا ایک وفد آیا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے بھائیوں کی ایک
جماعت فلاں جگہ جمع ہوئی ہے، آپ تشریف لاکر انہیں وعظ ونصیحت فرمائیں اور ان
سے متعلق مسائل بیان فرمائیں ان کے کچھ سوالات بھی ہیں، جن کا حل چاہتے ہیں،

حضور ﷺ تشریف لے گئے، حضرت ابن مسعودؓ بھی ساتھ تھے، حضور ﷺ جب اس پہاڑ
کے دامن میں پہنچے، جس پر جنات کا یہ جلسہ جمع ہوا تھا، تو آپ نے ایک دائرہ کھینچا اور
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلیں عبداللہ ابن مسعود
فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عجیب عجیب قماش کے لوگ اس دائرہ کے باہر سے گزر
رہے ہیں، لیکن دائرہ کے اندر نہیں آسکتے ان کی آوازیں بھی آتی تھیں، بہر حال حضور ﷺ
ان کے مجمع میں پہنچے اور وعظ فرمایا اور مسائل بتلائے، اسی میں فرمایا کہ کوئی انسان ہڈی
سے استنجا نہ کرے اور وجہ یہ فرمائی کہ فانه زاد إخوانكم من الجن (ترمذی:۱۸)
"کیونکہ یہ تمہارے جنات بھائیوں کی خوراک ہے" جس سے واضح ہوا کہ ان کی غذا کے حقوق
کو تلف کرنا جائز نہیں پھر حدیث ہی میں ہے کہ جب آپ لوگ ہڈی سے گوشت کھا لیتے
ہیں تو یہ ہڈیاں جنات کو "پرگوشت" ہوکر ملتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے انسان ہڈی
سے استنجاء کرتے تھے، جس پر جنات نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو حضور ﷺ نے ہڈی
سے استنجاء کی ممانعت فرمائی جس سے جنات کے غذائی حقوق کی حفاظت ثابت ہوئی اور
یہ کہ ہمیں ان کے حقوق تلف کرنے کا کوئی حق نہیں، اسی طرح مکانات سے بے وجہ
انہیں اجاڑنا جائز نہیں جب تک کہ وہ تکلیف پہنچانا شروع نہ کریں۔

حقوق ملائکہ

یہی صورت ملائکہ کی ہے وہ بھی اس مکان کے باشندے ہیں، کچھ آسمانوں
میں رہتے ہیں، کچھ زمین میں اور ان کے بھی حقوق ہیں حدیث میں آیا ہے کہ چار انگلی
جگہ آسمانوں میں خالی نہیں جہاں ملائکہ نہ ہوں اور مشغول عبادت نہ ہوں، عالم بالا کے
ملائکہ الگ ہیں اور عالم سفلی کے الگ اور جہاں وہ مقیم ہیں وہ ان کا مسکن ہے، وہاں سے
انہیں تکلیف دے کر اٹھانا جائز نہیں مثلاً ملائکہ کو نفرت ہے بدبو سے اور رغبت ہے خوشبو

سے اس لئے ایسے مکانات جو ملائکہ کہ اجتماع کے ہیں انہیں بدبو سے آلودہ کرنا جائز نہیں، مساجد ملائکہ کے اجتماع کی جگہ ہے تو وہاں خوشبو کا مہکانا مطلوب ہے اور بدبو سے بچانا مطلوب ہے، مساجد میں بخور اور خوشبو یات کا جلانا شرعاً مطلوب ہے تاکہ ملائکہ کو راحت پہنچے اور پیاز کھا کر بلا منہ صاف کئے مسجد میں جانا مکروہ ہے تاکہ انہیں اذیت نہ ہو، حدیث میں ہے کہ مسجد میں بیٹھنے والوں کے لئے ملائکہ استغفار کرتے ہیں، جب تک ان کی ریاح خارج نہ ہو اور وضو نہ ٹوٹے ایسا ہوتے ہی استغفار بند ہو جاتا ہے کہ اس سے ملائکہ کو تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ ایسے بندوں سے رخ پھیر لیتے ہیں، گویا ہم بدبو سے انہیں ان کے مکان سے اجاڑ دیتے ہیں، جس کا ہمیں حق نہیں۔

ملائکہ کو بدبو اور جھوٹ سے نفرت

حدیث میں ہے کہ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے ایک خاص قسم کی بدبو پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے فرشتہ وہاں سے دور چلا جاتا ہے اور گویا جھوٹ کی گندگی پھیلا کر ان سے ان کا مکان چھین لیتے ہیں تو آپ کو کیا حق ہے کہ جب وہ اپنی ڈیوٹی پر بھی ہوں اور اپنی مقررہ جگہ پر متمکن ہوں تو آپ ان کو بھگا دیں اور ان کی جگہ چھین لیں، البتہ جن ناپاک افراد کو پاک مکانوں میں آنے کا حق نہیں ہے، انہیں نکالا جائے تو بات انصاف کی ہوگی، جیسے حدیث میں ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے تو اسے بھگا ہی دینا چاہئے بہر حال اسی طرح ملائکہ کی غذا ذکر اللہ ہے، تو اس ذکر اللہ سے روکنے کی حرکت کرنا ان سے غذا چھین لینا ہے جیسے پہلے آچکا ہے کہ گندگی پھیلانا یا غفلت کی باتیں کرنا جس سے انہیں تشویش اور اذیت ہو، بہر حال ملائکہ کے حقوق بھی جنات اور حیوانات کی طرح ہیں، جن کا تلف کرنا جائز نہیں۔

چاروں مخلوقات سے الگ الگ معاملہ

چوتھی با شعور مخلوق انسان ہے تو اللہ نے اسے بھی زمین آسمان میں حقوق دیئے ہیں، کھانے کا حق، اوڑھنے کا حق، غذا کا حق، مکان کا حق، آزادی کا حق، اسے بھی حق تعالیٰ نے اس زمین پر آباد کیا ہے، پس زمین ان چاروں مخلوقات حیوان، جن، فرشتہ اور انسان کا مکان ہے جس پر وہ آباد ہیں ان چاروں مخلوقات سے حق تعالیٰ کا معاملہ الگ الگ ہے حیوان سے جو معاملہ ہے وہ الگ ہے، حیوان سے جو معاملہ ہے وہ جنات سے نہیں جنات کے ساتھ جو معاملہ وہ ملائکہ سے نہیں جن و ملک سے جو معاملہ ہے وہ انسان سے نہیں مثلاً جانوروں سے معاملہ یہ ہے کہ انہیں قابل خطاب نہیں سمجھا گیا اور کوئی امرو نہی انہیں نہیں دیا کوئی قانون ان کے لئے خطابی رنگ کا نہیں اتارا گیا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو کیونکہ انہیں فہم خطاب کا مادہ ہی نہیں، نہ عقل ہے، نہ فہم، اور ہے تو بہت ہی ادنی جو مثل نہ ہونے کے ہے اور وہ بھی صرف اپنے مقاصد کے سمجھنے کے لئے ہے کہ وہ اپنی غذا رہنے کی جگہ اور دیگر ضروریات کو سمجھ سکیں اور مہیا کریں۔

حیوانات کی پیدائش سے متعلقہ مقاصد

مگر وہ امورِ کلیہ اور اپنی تمام بنی نوع کے مفاد کلی کو سمجھنے کیلئے کوئی اہلیت نہیں رکھتے، صرف اپنا شخصی محدود مفاد جانتے ہیں اور بس؟ سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر ان میں فہم وعقل مل جاتا تو کیا حرج تھا؟ جواب یہ ہے کہ جن مقاصد کے لئے جانوروں کو پیدا کیا گیا ہے ان میں عقل وفہم کی ضرورت ہی نہیں بلکہ عقل خارج ہوتی ہے اور وہ مقاصد کبھی پورے نہیں ہو سکتے ان سے متعلقہ مقاصد ہیں جنہیں اس آیت میں جمع کر دیا گیا ہے، قرآن حکیم نے فرمایا وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَ لَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ''ہم نے چوپایوں کو پیدا کیا کہ ان

میں تمہارے لئے گرمی کا سامان ہے اور سردی دفع کرنے کی صورت مہیا ہے" چنانچہ تم ان حیوانات کے اون سے گرم کپڑے، پٹو، ٹوپی اور کمبل وغیرہ بناتے ہو، ان کی کھالوں میں تمہارے لئے کئی قسم کے منافع ہیں اوڑھنے کے، بچھانے کے، زینت کے، خیمے بنا کر رہنے سہنے کے اور وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ "اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو" یعنی ان کے گوشت سے فائدہ اٹھانے کے وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ "اور تمہارے لئے ان جانوروں میں رونق و جمال کا سامان ہے کہ تم ان سے اپنے ٹھاٹھ باٹھ اور کروفر کی شانیں قائم کرتے ہو" سرکاری، قومی اور گھریلو تقریبات میں ان کا جلوس نکالتے ہو گھوڑوں، ہاتھیوں، اونٹوں اور خچروں پر بیش قیمت زین، قیمتی ہودے اور زرین جھولے کس کر اپنا جاہ و حشم دکھلاتے ہو جو ایک انتہائی زینت کا مظاہرہ ہے وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ "اور ان کے ذریعہ تم بوجھ لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک سامان منتقل کرتے ہو جس کو تم ان کے بغیر مشقت کثیر سے بھی مشکل ہی سے منتقل کر سکتے"

حیوانات کو عقل وفہم سے محروم رکھنے کی حکمت

ان منافع اور حیوانات کی خلقی مقاصد پر غور کرو تو ان کے لئے فہم و عقل کی متعلق ضرورت نہ تھی بلکہ عقل ان میں خارج ہوتی کیونکہ اگر ان میں عقل ہوتی تو جب انسان ان پر سوار ہوتا، زین رکھتا، یا بوجھ لادتا تو عقل مند جانور کہتا کہ ذرا ٹھہرئے پہلے سے یہ ثابت کیجئے کہ آپ کو مجھ پر سواری کرنے یا بوجھ لادنے کا حق ہے یا نہیں؟ اب آپ دلائل بیان کرتے وہ اپنی عقل کے مطابق آپ سے بحث کرتا، تو سواری اور بوجھ تو رہ جاتا بحث چھڑ جاتی، اور اگر کہیں بحث میں جانور غالب آ جاتا تو آپ کھڑے منہ تکتے رہ جاتے، بلکہ ممکن ہو جاتا کہ وہی آپ پر سواری کرتا، ظاہر ہے کہ یہ بڑی مشکل بات ہوتی، ہر حیوان سے کام لیتے وقت یہی مناظرہ بازی کا بازار گرم رہتا نہ بیل کھیت جوت

سکتا، نہ گھوڑے سواری لے جا سکتے، نہ حلال جانوروں کا گوشت کھایا جا سکتا نہ ان کی کھال، بال، دانت وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا سارے کام تجارت وغیرہ کے معطل ہو جاتے اور انسان کو ان حیوانوں کے مناظروں سے کبھی بھی فرصت نہ ملتی اور یہ ساری خرابی حیوان کو عقل وفہم ملنے سے ہوتی پھر آپ کی تعلیم گاہوں میں بھی وہ علم حاصل کرنے جمع ہوتے اور ایک ہی کلاس میں گھوڑے، گدھے، کتے سب جمع رہتے بلکہ جنگلوں سے شیر، بھیڑئے، ریچھ، گیدڑ بھی جمع ہوتے تو آپ کو علم حاصل کرنا وبال جان بن جاتا، غرض علمی اور عملی کارخانے سب کے سب درہم برہم ہو جاتے اس لئے شکر کیجئے کہ اللہ نے انہیں عقل وفہم نہیں دیا جن سے آپ کے کام کاج چل رہے ہیں۔

عقل کی طرح بے عقلی بھی نعمت ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح عقل نعمت ہے، اسی طرح بے عقلی بھی نعمت ہے، حیوانات کی بے عقلی ہی سے انسان فائدہ اٹھاتا رہا ہے، حتی کہ جو انسان بے عقل اور بے وقوف ہیں وہ عقلمندوں کے محکوم ہیں جس سے لیڈروں کی حکمرانی چل رہی ہے بے وقوف نہ ہوتے تو لیڈروں کو غذا نہ ملتی، اگر بے فہم نہ ہوتے تو لیڈری کی دکان نہ چل سکتی، پس کہیں عقل نعمت ہے تو کہیں بے عقلی نعمت ہے، اس لئے جانوروں میں مادہ عقل نہ ہونا ہی نعمت ہے جس سے ان سے مختلف قسم کے کام بلا بحث ومجادلہ نکال لئے جاتے ہیں ورنہ اگر ان میں عقل ہوتی تو یہ تمام منافع جو انسان ان سے لیتا ہے، پامال ہو جاتے حاصل یہ نکلا کہ جانوروں کی پیدائش سے جو مقاصد متعلق ہیں، ان میں عقل کی ضرورت نہ تھی اس لئے ان کو ان کے فرائض کی وجہ سے بے سمجھ رکھا گیا تا کہ وہ انسان کی اطاعت سے منہ نہ موڑیں اور جب عقل وفہم ان کو نہیں دیا گیا تو ان سے خطاب کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی کہ ان کے لئے کوئی شرعی قانون اتارا جاتا اور وہ مخاطب اور مکلف

بنائے جاتے، پس ان کے لئے نہ امر ہے نہ نہی نہ شریعت آئی نہ کوئی تشریعی قانون صرف لاٹھی اور ڈنڈا ہے جس سے وہ کام پر لگے رہیں اور لگے رہتے ہیں، اور روز و شب مشغول و منہمک ہیں۔

ملائکہ کو خطابِ خداوندی کی نوعیت

ملائکہ کو خطاب تو کیا مگر خطاب تکلیفی نہیں کیا کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو بلکہ خطاب تشریفی کیا جو اعزازی اور تکریمی ہے، جیسے بادشاہ کسی مقرب سے باتیں کرے تو اس سے اس کی عزت بڑھانی اور مرتبہ بلند کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ پابند بنانا پس ملائکہ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا، کلام بھی فرمایا گفتگو بھی کی مگر ان پر کوئی شریعت نہیں اتاری کیونکہ احکام دو ہی قسم کے ہوتے ہیں یا کرنے کے یا بچنے کے کرنے کے کام خیر کے ہوتے ہیں، جن سے خیر کا حصول مقصود ہوتا ہے اور بچنے کے کام شر کے ہوتے ہیں، جس سے شر کا دفعیہ مقصود ہوتا ہے، جیسے بدکاری، دغابازی، رشوت ستانی، زناکاری، شراب خوری چوری، سرزوری، بغاوت، تمرّد، سرکشی وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ ملائکہ میں شر اور برائی کا مادہ ہی نہیں رکھا گیا، تو انہیں بچنے کا حکم دینے کی ضرورت ہی نہ تھی، وہ بدی کر نہیں سکتے تو ان میں بدی سے بچنے کا حکم دینا عاجز کو امر کرنا تھا، جو سراسر خلاف حکمت ہے اور حق تعالیٰ حکیم مطلق ہیں وہ خلاف حکمت بات سے بری اور منزہ ہیں، رہی خیر تو وہ ان کا طبعی تقاضا ہے جسے وہ بہ تقاضائے طبیعت کرنے پر مجبور ہیں اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصرف رہتے ہیں عبادت بھی کرتے ہیں، سجدہ بھی کرتے ہیں اور اپنی طبع پاک ہی سے منشاء خداوندی کو پہچانتے ہیں اس لئے ان کو شریعت کے ذریعے پہنچوانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ انہیں امر خیر کرنے کے لئے کسی قانون سے تنبیہ کی جاتی پس جیسے ہمارے حق میں کھانا پینا، سونا

جاگنا وغیرہ ایک طبعی بات ہے خواہ کوئی شریعت آئے یا نہ آئے انسان اس پر مجبور ہے کہ جو کھائے پیئے اسلئے ان امور طبیعہ پر آمادہ کرنے کے لئے کس شریعت کی ضرورت نہ تھی اگر شریعت نہ بھی ہوتی تب بھی ہم پیاس کے وقت پانی پیتے اور بھوک کے وقت کھانا کھاتے تو جیسے ہمارے حق میں کھانا پینا طبعی بات ہے اسی طرح تمام امور خیر عبادت نیکی، پاکدامنی، صفائے باطن و ظاہر اور سلامتی ملائکہ کے حق میں طبعی بات ہے شریعت آئے یا نہ آئے وہ اپنے تقاضائے طبع سے ہمیشہ نیکی ہی کریں گے، اس لئے امور خیر کیلئے بھی کسی شرعی تکلیف اور قانونی خطاب کی ضرورت نہ تھی، بہر حال ملائکہ کو نہ امر شرعی کی ضرورت نہ نہی شرعی کی اس لئے ان سے خطاب تکلیفی نہیں کیا گیا ملائکہ کو خطاب کیا گیا، مگر تکلیفی خطاب نہیں کیا گیا۔

جنات کو تکلیفی خطاب کیا گیا مگر مستقل نہیں

رہے جنات تو ان کو خطاب بھی کیا گیا اور تکلیفی خطاب کیا گیا، مگر خطاب مستقل نہیں کیا گیا یعنی خود ان پر براہ راست کوئی شریعت نہیں اتاری گئی اور نہ براہ راست ان کی نوع کو کوئی شرعی تکلیف دی گئی، بلکہ انسان کے واسطے سے انہیں بھی شریعت کا مخاطب بنایا گیا اور دین میں انسانوں کے تابع رکھا گیا چنانچہ ان میں جو یہودی ہیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے خود تورات جنات پر نہیں اتری، جو نصاریٰ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبع ہیں، انجیل خود ان کی نوع پر اتری اور جو مسلمان ہیں وہ حضرت محمد ﷺ کے تابع فرمان بنائے گئے ہیں، خود قرآن براہ راست ان پر نہیں اتارا گیا پس جو شریعت انسانوں کے لئے آئی ہے وہی ان کے لئے بھی آئی مگر بواسطہ انسان کے انہیں پابند شریعت بنایا گیا۔

جنات میں نبوت نہ رکھنے کی وجہ

بالفاظ دیگر ان میں نبوت نہیں رکھی گئی وجہ یہ ہے کہ جیسے ملائکہ میں خیر کا غلبہ اور شر کالعدم ہے، جنات میں شر کا غلبہ ہے اور خیر کالعدم ہے اور نبوت کے لئے غلبہ خیر ہی نہیں خیر محض کی ضرورت تھی، ورنہ شر کے ہوتے ہوئے بدفہمی یا بدعملی کی وجہ سے شرائع پر عمل اور ان کی تبلیغ دونوں غیر مامون ہوتیں اور صحیح دین مخاطبوں کو نہ پہنچ سکتا، اس لئے انہیں تابع انسان بنایا گیا تا کہ اس کی شریعت سے وہ علم اور عمل کی خطاؤں سے بچنا سیکھیں اس لئے جو انبیاء انسانوں میں مبعوث ہوئے ان ہی کی اطاعت ان پر لازم کی گئی غرض اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو تو خطاب ہی نہیں کیا، ملائکہ کو خطاب کیا مگر غیر تکلیفی اور جنات کو خطاب تکلیفی کیا مگر خطاب بالاستقلال نہیں فرمایا۔

انسان کو مستقلاً تشریعی و تکلیفی خطاب کیا گیا

اور انسانوں کو خطاب بھی کیا تکلیف شرعی بھی دی اور مستقلاً خطاب بھی فرمایا، یعنی اپنی وحی کے ذریعے خود ان سے کلام فرمایا، ان میں نبی اور رسول بنائے کبھی براہ راست خود خطاب فرمایا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طور پر اور نبی کریم ﷺ سے شب معراج میں اور کبھی بزبان ملکی خطاب فرمایا پھر فرشتہ کبھی اپنی ملکیت پر رہتا اور انبیاء بشریت سے ملکیت کی طرف منتقل ہو کر فرشتہ سے ملتے اور کبھی فرشتہ اپنی صورت ملکی کو چھوڑ کر صورت انسانی میں آتا اور انبیاء بشری چولہ میں اسے دیکھتے جس کو قرآن حکیم میں فرمایا گیا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔

وحی الٰہی کی تین صورتیں

پہلی صورت فرشتہ کے قلب پر وارد ہونے کی ہے، جس میں وہ اپنی اصلیت پر رہتا ہے، لیکن پیغمبر کو بشری اصلیت سے ملکیت کی طرف منتقل ہونا پڑتا ہے، اس لیے یہ صورت حضور ﷺ پر نہایت بھاری اور شدید ہوتی تھی، دوسری صورت حق تعالیٰ کیساتھ براہ راست کلام فرمانے کی ہے جو پس پردہ رہ کر ہوتی تھی، یعنی نگاہیں حق تعالیٰ کو نہیں دیکھتی تھیں صرف کان کلام حق سنتے تھے اور تیسری صورت فرشتہ کی انسانی صورت میں آ کر پیغام خداوندی سنانے کی ہے جس میں پیغمبر اپنی بشری اصلیت پر قائم رہتے تھے فرشتہ کو ملّکی چولہ چھوڑ کر بشری چولہ میں آنا پڑتا تھا، یہ تینوں صورتیں وحی الٰہی کی تھیں۔

علمِ الٰہی اور وحی الٰہی کی دولت کے لئے انسان کا انتخاب:

حاصل یہ ہے کہ وحی الٰہی اور نبوت و شریعت کی دولت کیلئے مخلوق میں بجز انسان کے اور کسی کا انتخاب عمل میں نہ آیا اور ظاہر بات ہے کہ وحی، علم کے اتارنے ہی کو کہتے ہیں، وحی کے ذریعہ علم ہی تو رسول کو دیا جاتا ہے، اسلئے دوسرے لفظوں میں علم الٰہی کی نعمت مستقلاً انسان ہی کو دی گئی ہے جس کو اس کی بنیادی خصوصیت اور امتیازی شان سمجھنا چاہئے کیونکہ خصوصیت کے معنی یہی ہیں کہ اسکے سوا کسی دوسرے میں نہ پائی جائے اس لئے دوسرے لفظوں میں انسانیت کی خصوصیت علم وحی نکل آتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی خصوصیت اس میں سے نکال دی جائے تو وہ چیز باقی نہیں رہ سکتی۔

انسانیت کا جوہر علم وحی ہے

اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر انسان کو علم وحی حاصل نہ ہو تو وہ انسان انسان نہ رہے گا کہ انسانیت کی خصوصیات اس میں نہ آئی یا نہ رہی گو اس کی صورت انسان جیسی ہو، سو ظاہر ہے کہ انسان نام انسانی صورت کا نہیں بلکہ انسانی جوہر کا ہے اور انسانیت کا

جوہر یہ علم وحی ہے، اس لئے جو انسان علم وحی کا حامل نہیں وہ دلائل بالا کی رو سے انسان نہیں صرف صورت انسان ہے اور محض صورت کی جس میں حقیقت نہ ہو، کوئی قدر و قیمت نہیں اگر ہم گھوڑے کا مجسمہ بالکل اصلی گھوڑے جیسا بنالیں کہ دیکھنے میں اصل و نقل میں ذرا بھر فرق معلوم نہ ہو تو کیا اسے گھوڑا کہیں گے؟ اور کیا وہ گھوڑے کی طرح سواری کا کام دے سکے گا؟ اور کیا اس کی قیمت بھی ہزار، پانچ سو روپیہ اٹھ جائے گی؟ کبھی نہیں کیونکہ وہ گھوڑا نہیں گھوڑے کی محض تصویر ہے۔

محض صورت اور حقیقت میں فرق

اسی طرح اگر انسان کا اصلی مجسمہ سامنے ہو مگر اس میں انسانی جوہر اور انسانی خصوصیت (علم) نہ ہو تو وہ صورت انسان ہے، انسان نہیں اور قدر و قیمت انسان کی ہوتی ہے، صورت انسان کی نہیں ورنہ عمدہ سے عمدہ انسانی صورتیں پلاسٹک کی بنی ہوئی چند پیسوں میں دستیاب ہو سکتی ہیں، چاہئے کہ انسانوں سے قطع نظر کر کے ان پلاسٹک کے انسانوں سے انسانوں کے کام لینے لگیں اور اصل انسان کے پیچھے نہ پڑیں، مگر ایسا نہیں ہو سکتا جس سے واضح ہوا کہ دنیا میں قدر و قیمت انسان کی ہے، تصویر انسان کی نہیں اور آدمی حقیقت آدمیت کو کہتے ہیں محض صورت آدمیت کو نہیں ......

گر بہ صورت آدمی انسان بدے

احمدؐ و بوجہل ہم یکساں بدے

اینکہ می بینی خلاف آدم اند!

نیستند آدم غلاف آدم اند!

از بروں چوں گور کافر پر حلل

و از درون قہر خدائے عزّ وجل

علم مطلق انسان کی خصوصیت نہیں ہو سکتی

یہاں ایک نکتہ فراموش نہ کرنا چاہئے اور وہ یہ کہ انسان کی خصوصیت مطلق علم نہیں یعنی ہر قسم کے علم کو انسانی خصوصیت نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ مطلق علم یعنی علم کی کوئی نہ کوئی نوع تو قریب قریب ہر مخلوق کو حاصل ہے، حتی کہ جانور بھی علم سے خالی نہیں، اس لئے مطلق علم انسانی خصوصیت نہیں کہلائی جا سکتی اور نہ مطلق علم سے انسان کی فضیلت و شرافت اور مخلوقات میں افضلیت نمایاں ہو سکتی ہے جب تک کہ اسے کوئی ایسا علم نہ ہو جو اس کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہو آج کی دنیا میں علم کی رائج شدہ جتنی بھی قسمیں ہیں، ان میں سے کوئی بھی انسان کی خصوصیت نہیں، جانوروں کو بھی ان سے حصہ ملا ہوا ہے اس لئے بھی انسان اپنی افضلیت اور مخلوقات میں اپنی برتری ان غیر مخصوص علوم سے نہیں جتا سکتا۔

فن انجینئری انسان کے ساتھ مخصوص نہیں

آج اگر انسان دعوی کرے کہ میں اس لئے افضل المخلوقات ہوں کہ میں انجینئری کا علم جانتا ہوں اور اعلیٰ سے اعلیٰ ڈیزائنوں کی کوٹھیاں اور بلڈنگیں تیار کر سکتا ہوں تو یہ دعوی قابل سماع نہ ہوگا کیونکہ انجینئری کے علم سے جانور بھی خالی نہیں ہیں، وہ بھی دعوی کر سکیں گے کہ ہم بھی انجینئر ہیں اور اپنے مناسب حال راحت دہ مکانات بناتے ہیں، بیا (جو ایک چھوٹی سی چڑیا ہے) اپنے لئے عجیب وغریب قسم کا گھونسلا بناتی ہے، جس میں کئی کمرے ہوتے ہیں، ماں باپ کا الگ، اور بچوں کا الگ حتی کہ اس میں بچوں کے لئے جھولا بھی ہوتا ہے جس میں بچے جھولتے ہیں، گویا مختلف قسم کے رومز ہوتے ہیں یہ گھونسلا گھاس سے بنایا جاتا ہے اور تین چار تاروں سے، کیکر وغیرہ کے درخت میں لگا ہوا اور لٹکا ہوا ہوتا ہے اور مضبوط اتنا کہ آندھی آئے، طوفان آئے مگر اس مکان پر کوئی زد نہیں پڑتی،

آپ کا مکان گر جائے گا، مگر اس کا گھونسلا محفوظ رہے گا کیا یہ اعلیٰ ترین صنعت نہیں ہے اور چڑیا کیوں یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ میں بھی انجینئر ہوں؟ ضرور کر سکتی ہے۔

فن صناعت وانجینئری انسان کے ساتھ مخصوص

تو پھر انجینئری انسان کے حق میں مخصوص کہاں رہی جو اسکی افضلیت اس چڑیا پر ثابت ہو شہد کی مکھی اپنا چھتہ بناتی ہے اس کے ہشت پہلو سوراخ اس قدر مساوی ہوتی ہیں کہ آپ پرکار سے بھی اتنے صحیح خانے نہیں بنا سکتے پھر اس میں ان کے اور ان کے بچوں کے رہنے اور پلنے کے خانے الگ اور شہد کے الگ ہوتے ہیں جو نہ بارش سے خراب ہو، نہ طوفان میں اپنی جگہ سے ہلتا ہے کیا یہ انجینئری اور کاریگری نہیں ہے؟ اگر ہے اور بلا شبہ ہے تو آپ کو کب یہ حق پہنچتا ہے کہ آپ انجینئری کا فن اپنی نوع کے ساتھ مخصوص بتلا کر اس مکھی پر اپنی افضلیت و برتری ثابت کر سکیں؟ سانپ اپنی ''بلھی'' مٹی سے بناتا ہے جو اوپر سے برجی دار گنبد کی مانند ہوتی ہے اور اس کے اندر نہایت صاف ستھری نالیاں پیچ در پیچ بنی ہوئی ہوتی ہیں جن میں سانپ اور ان کے بچے رینگتے ہیں کیا اسے انجینئری اور صنعت کاری نہیں کہیں گے رہا یہ کہ آپ کہیں کہ صاحب! ہم عمارتیں بڑی عالیشان بناتے ہیں، جن کی خوشنمائی اور نفاست ان گھونسلوں اور بھٹوں سے کہیں زیادہ اونچی اور اعلیٰ ہوتی ہے، اس لئے ہم اور یہ جانور انجینئری میں برابر کیسے ہو سکتے ہیں، تو جواب یہ ہے کہ مکان کا عمدہ ہونا مکین کی ضرورت اور راحت کے لحاظ سے ہوتا ہے جانور اپنی ضروریات کی رعایت کرتا ہے آپ اپنی ضروریات کی جانور آپ کی کوٹھی کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے تو آپ اپنی برتری کا دعوی کر سکتے تھے، لیکن جیسے آپ اس کے مکان سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں وہ آپ کے مکان سے نفرت کا اظہار کرتا ہے، اگر آپ سانپ یا بیا یا شہد کی مکھی کو اپنی کوٹھی میں آباد کرنا چاہیں وہ کبھی بھی آمادہ نہ ہوں گے، بلکہ اپنا ہی مکان بنا کر رہیں گے، اس سے واضح ہوا کہ مکان کی

صنعت میں دونوں برابر ہیں، اور اپنے اپنے رنگ کے ماہر ہیں اس لئے انجینئری کے بارے میں آپ کو دعویٰ افضلیت کا کوئی حق نہیں۔

انسان کو علمِ طب کی رُو سے دعویٰ فضیلت کا کوئی حق نہیں

اس طرح مثلاً علم طب ایک تجرباتی علم ہے، یہ علم جس طرح انسان کو حاصل ہے، اسی طرح حیوانوں میں بھی یہ علم اپنی اپنی بساط کی بقدر پایا جاتا ہے، آپ یہ دعویٰ کریں کہ صرف ہم طبیب ہیں اور ہمیں ہی اس عمل کا شرف حاصل ہے لہذا ہم ہی اس فن کی رو سے اشرف المخلوقات ہیں، غلط ہے، جانور بھی دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم بھی علم طب میں مہارت رکھتے ہیں فرق اگر ہوگا تو صرف یہ کہ آپ پر زیادہ بیماریاں آتی ہیں، تو آپ دواؤں کی زیادہ اقسام جانتے اور استعمال کر سکتے ہیں، جانوروں کو بیماریاں کم لاحق ہوتی ہیں اس لئے وہ دوائیں بھی کم جانتے ہیں، لیکن اس کمی بیشی کے فرق سے علم طب صرف آپ کی خصوصیت قرار نہیں پا سکتا مجھے ایک ہندو ریاست اندر گڑھ میں بارہا جانے کا اتفاق ہوا، میرے بعض اعزہ وہاں اونچے عہدوں پر ممتاز تھے اس ریاست میں بندروں کے مارنے کی ممانعت تھی، اس لئے بندروں کی تعداد ہزاروں کی حد تک تھی، بندروں کی جبلت میں شرارت اور چالاکی بلکہ ایذارسانی داخل ہے، اس لئے وہ کافی نقصان کرتے تھے، کبھی برتن اٹھا کے بھاگ جاتے کبھی کپڑا اٹھا لے جاتے اور صرف لے جانا ہی نہ تھا بلکہ ایسا موذی جانور ہے، کہ اسے لے جانا اور منڈیر پر بیٹھ کر اسے دکھا دکھا کر اسے چیرتا پھاڑتا جس سے ایک تو کپڑا جانے کی تکلیف ہوتی، ایک اسے ضائع ہوتا دیکھ کر اور بھی زیادہ دکھ ہوتا اس لئے ہمیں ایک بار غصہ آیا اور ہم نے سوچا کہ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے، جس سے سو پچاس بندر ایک دفعہ مر جائیں تو کچھ تو نجات مل جائے گی اس لئے ہم نے دو روپے کا سنکھیا خریدا اور اسے آٹے میں ملایا اور روٹیاں پکوا

کر چھت پر پھیلا دیں تا کہ وہ آتے جائیں روٹیاں کھاتے جائیں اور مرتے جائیں اور ہم خوش ہوتے جائیں اس لئے ہم روٹیاں چھت پر ڈال کر خود ایک جنگلا میں بیٹھ گئے اور دیکھتے رہے کہ ابھی بندر آ کر ان روٹیوں کو کھائیں گے اور مریں گے اور ہمارے لئے خوشی کا سامان ہو گا یعنی اگر انہوں نے ہمارے دس کپڑے پھاڑ دیئے ہیں تو دس بیس کو ہم بھی مرتا ہوا دیکھیں جس سے کچھ تو دل کو چین آئے چنانچہ دو تین بندر آئے مگر ان روٹیوں سے دور کھڑے ہو کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا نیا حادثہ پیش آیا کہ روٹیاں بکھری ہوئی پڑی ہیں یقیناً اس میں کچھ بات ہے ورنہ روٹیاں یوں نہیں بکھری جاسکتیں اس لئے روٹی کو غور سے دیکھا پھر سونگھا اور سوچا یہ نیا حادثہ کیوں پیش آیا ہے پہلے تو ہم ایک روٹی بھی چھت پر پڑی ہوئی نہیں پاتے تھے اب روٹیوں کا یہ ڈھیر کیوں لگا ہوا ہے؟ اس میں ضرور کوئی راز ہے بالآخر انہوں نے روٹیوں کو ہاتھ نہیں لگایا اور چلے گئے ہم سمجھ گئے کہ تدبیر فیل ہو گئی لیکن بندروں کا یہ چالاک قافلہ جا کر پھر اپنی ساتھ اور بندروں کو لایا اور چودہ پندرہ موٹے موٹے بندر ان کے ساتھ آئے اور روٹیوں کے ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے گویا گول میز کانفرس منعقد ہوئی اور مشورہ شروع ہوا کہ یہ روٹیاں اس مقدار میں یہاں کیوں پڑی ہوئی ہیں خدا جانے انہوں نے باہم کیا کیا اشارے کئے ایک آگے بڑھا اور انہوں نے روٹیوں کو سونگھا پھر دوسرا آگے بڑھا اور انہوں نے روٹی توڑی اور اس کے ٹکڑوں کو سونگھا اور روٹیاں چھوڑ کر سب بھاگ گئے اب ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ سمجھ گئے ہیں اور ہماری ساری تدبیریں ناکام ہو گئی مگر تھوڑی ہی دیر میں تقریبا ساٹھ، ستر بندروں کا ایک اور قافلہ آیا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ٹہنی تھی جس میں ہرے ہرے پتے تھے انہوں نے آ کر پہلے روٹیوں کو توڑا اور ان کے ٹکڑے کئے اور قریب قریب اتنے ہی ٹکڑے کئے جتنے یہ بندر تھے تا کہ روٹیوں میں ہر ایک کو حصہ ملے گویا پوری جماعت میں یہ اصول پیش نظر تھا کہ ......

نیم نانے گر خورد مرد خدا
بذلِ درویشان کند نیمے دگر

بندر بانٹ تو مشہور ہے آخر کار انہوں نے دو ٹکڑے باہم بانٹ لئے اور ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا کھا کر اوپر سے وہ پتے چھبا لئے جو ہر ایک اپنی ٹہنی ساتھ لایا تھا اور دندناتے ہوئے چلے گئے اور ہم دیکھتے رہ گئے یعنی بے وقوف ہم رہے کہ دو روپیہ کا آٹا بھی گیا سینکئے کے دام بھی بٹے کھاتے گئے کپڑا تو پہلے ہی جا چکا تھا اور اوپر سے وقت بھی ضائع ہوا اور ہوشیار یہ بندر رہے کہ سب کچھ انہیں کا ہو کے رہا اندازہ یہ ہوا کہ یہ پتے جو وہ ساتھ لائے تھے زہر کا تریاق تھا جو ان بندروں کو معلوم تھے اب بھی اگر آپ یہ دعویٰ کریں کہ طبیب صرف ہم ہی ہیں جو جڑی بوٹی کی خاصیتیں جانتے ہیں تو یہ دعویٰ غلط ہو گا کیونکہ یہ بندر بھی دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم بھی طبیب ہیں جو زہر خوردہ کا علاج کر سکتے ہیں اور جب یہ واضح ہو گیا کہ جانوروں میں اطباء اور معالج موجود ہیں اور وہ بھی حسب ضرورت دوا استعمال کر کے دکھ درد کا دفعیہ کر سکتے ہیں بلکہ پیش بندی کر کے بیماری کو پہلے سے روک دیتے ہیں تو فنِ طب میں ان کا دخل معلوم ہوا پھر آپ کو خواہ مخواہ ہی دعویٰ ہے کہ صرف ہم ہی اطباء ہیں اور فن طب کیوجہ سے جانوروں پر فوقیت رکھتے ہیں آپ اور بندر نفسِ فن میں برابر ہو گئے گو کچھ خصوصیات کا فرق بھی سہی۔

فن سیاست بھی حیوانات میں پایا جاتا ہے

پھر اگر آپ یہ کہیں کہ طب نہ سہی فن سیاست سہی، ہم سیاست جانتے ہیں اور اپنی ملت کا نظم کر سکتے ہیں اور سیاسی نظام قائم کر کے قوم کی منظّم خدمت کر سکتے ہیں اس لئے ہم اس بارے میں جانور پر فضلیت رکھتے ہیں تو میرے خیال میں یہ دعویٰ بھی غلط ہے میں کہتا ہوں کہ فن سیاست بھی انسانی خاصہ نہیں، بلکہ حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے،

شہد کی مکھی بھی ملت کی سیاسی اور انتظامی تنظیم کر سکتے ہے شہد کی مکھیاں جب شہد کا چھتہ بناتی ہیں اور بے نظیر انداز سے اس میں ہشت پہلو سوراخ اور خانے بنا کر گویا اپنا یہ قلعہ تیار کر لیتی ہے تو اس کے نظام کی تشکیل اس طرح ہوتی ہے کہ پہلے تو وہ اپنا امیر منتخب کرتی ہیں جس کا نام عربی زبان میں ''یعسوب'' ہوتا ہے یہ امیر اس چھتہ پر ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے ساری مکھیاں اس پر امیر مؤمنین کی اطاعت کرتی ہیں اندرون قلعہ کی انتظامی تقسیم یہ ہوتی ہے کہ اس چھتہ کے ایک حصہ میں تو شہد بھرا جاتا ہے ایک حصہ میں ان کے بچے ان خانوں میں پلتے ہیں ایک حصے میں بڑی مکھیاں رہتی ہیں اور امیر ان سب کی نگرانی کرتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی مکھی سے قوم کے خلاف کوئی غداری ہو جائے تو وہ اس مکھی کی گردن قلم کر دیتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ چھتہ کے نیچے اردگرد ہر طرف کچھ مکھیاں سر کٹی ہوئی اور ٹوٹی ہوئی پڑی رہتی ہے کسی کا سر کٹا ہوا اور کسی کا کمر ٹوٹی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی مکھی کسی زہریلی پتہ پر بیٹھ کر اس کا زہریلا مادہ چوس کر آتی ہے جس سے بنے ہوئے شہد میں یقیناً سمیّت (زہر) کا سرایت کرنا جانا یقینی ہوتا ہے تو وہ ''یعسوب'' انہیں فوراً محسوس کرتا ہے کہ زہریلا مادہ لے کر آئی ہے اور اس مکھی کی گردن توڑ کر فوراً اسے مار گراتا ہے کہ وہ اس چھتہ کے اندر نہ گھسنے پائے تا کہ اس کے زہریلے مادہ سے قوم کے دوسرے افراد کی جانیں ضائع نہ ہوں گویا وہ سمجھتے ہے کہ ایک کی جان لے کر اگر پوری قوم کو بچا لیا جائے تو کوئی جرم نہیں۔

شہد کی مکھیوں میں قانون قصاص اور مکافات جرم

یعنی اس کی سیاست اسے اصول سمجھاتی ہے کہ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی ایک موت سے اگر پوری قوم کی حیات بچ جائے تو اس موت میں کوئی مضائقہ نہیں اس قتل نفس پر مکھیوں کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ نہ کوئی

ایجیٹیشن ہوتا ہے نہ امیر کے خلاف مظاہرے ہوتے ہیں چپ چاپ خوشدلی سے امیر کے اس فعل قتل پر گردن جھکا دیا جاتا ہے اور کسی کو یہ خلجان نہیں گزرتا کہ یہ کیوں ہوا، بلکہ تمام قوم سر اطاعت جھکا کر مان لیتی ہے تو اولوالامر کا انتخاب، پھر اس کے سامنے سمع وطاعت، پھر قوم کی انتظامی تشکیل اور نظم کے تحت مکانات کی تقسیم، پھر بے راہی پر مجرم کا قتل، اگر سیاست نہیں تو اور کیا ہے؟ ضلع بجنور کے ایک قصبہ نجیب آباد میں شہد بکثرت ہوتا ہے اور وہاں شہد کی مکھیوں کو پالنے کا خاص انتظام ہوتا ہے وہاں کا ہم نے ایک محاورہ سنا کہ فلاں نے اپنی بیٹی کو تین مکھیاں جہیز میں دیں، فلاں نے چار مکھیاں جہیز میں بیٹی کو دیں ہمیں تعجب ہوا کہ جہیز میں پلنگ، پٹیریاں، میز، کرسی، زیور، کپڑا وغیرہ تو دنیا بھر میں دیا جاتا ہے یہ مکھیاں جہیز میں دینے کے آخر کیا معنی ہیں تحقیق سے معلوم ہوا کہ جب وہ لوگ شہد کی مکھیاں پالتے ہیں اور کسی خاص جگہ شہد کا چھتہ لگوانا چاہتے ہیں تو اس امیر مکھی کو یعنی ''یعسوب'' کو پکڑ کر اس جگہ بیٹھلا دیتے ہیں تو ساری مکھیاں وہیں جمع ہو جاتی ہیں اور وہیں چھتہ بناتی ہیں اور وہاں شہد تیار ہو جاتا ہے اس گُر کو سامنے رکھ کر وہاں کے یہ شہد کے کاروباری دو چار امیر مکھیاں پکڑ کر اور ڈبیہ میں بند کر کے بیٹی کو جہیز میں دے دیتے ہیں وہ لڑکیاں ترکیب جانتی ہیں اور مناسب مقام پر ان مکھیوں کو بیٹھلا دیتی ہیں تو وہاں شہد کے چھتے لگ جاتے ہیں اور کئی کئی دھڑی شہد ہو جاتا ہے تو چار مکھیاں جہیز میں دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چار دھڑی شہد جہیز میں دے دیا گیا اس سے شہد کی مکھیوں کی اطاعت شعاری اور نظم پسندی معلوم ہوئی جس کی نظیر انسان میں بھی نہیں سو اس نظم پسندی اور تنظیم ملت کی اعلیٰ ترین سیاست کے ہوتے ہوئے آپ کو خواہ مخواہ ہی دعوی ہو گیا ہے کہ صرف انسان ہی سیاست دان ہیں یہ مکھیاں بھی دعویٰ کر سکتی ہیں کہ ہم بھی سیاست دان ہیں اگر آپ بھی کسی امیر کے تحت رہ کر تقسیم عمل کر لیں کہ کوئی غذا مہیا کرے

کوئی تعلیم کا کام کرے کوئی فوج میں بھرتی ہو کر ملک کی حفاظت کرے تو یہ کام بلاشبہ عمدہ ہے ضروری بھی ہے مگر محض انسان کی خصوصیت نہیں ،مکھیاں بھی کرسکتی ہیں اس لئے یہ تنظیم کوئی وجہ فضیلت نہیں کہ انسان اپنے کو حیوانات سے برتر سمجھے۔

بطخوں میں سیاست و تنظیم

بطخوں میں بھی سیاست پائی جاتی ہے جب بطخے سوتی ہے تو ان کا امیر ان کی نگہبانی اور پاسبانی کرتا ہے وہ ایک ٹانگ پر ساری رات جھیل میں کھڑا رہتا ہے جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو وہ آواز لگاتا ہے اور ساری قوم کو خطرہ سے آگاہ کرتا ہے ساری بطخیں بیدار ہو جاتی ہیں پَر تول لیتی ہے اور دوسری آواز میں اُٹھ کر پرواز میں آجاتی ہیں اور وہ بھی ایک قاعدے یعنی مثلث طریقے سے اڑتی ہیں امیر آگے آگے اور بطخیں دو لائینوں میں پیچھے پیچھے اڑتی ہیں جدھر امیر جاتا ہے ادھر تمام بطخوں کا یہ قافلہ جاتا ہے کسی کو امیر پر اعتراض نہیں ہوتا کہ وہ اس سمت میں کیوں جارہا ہے پھر جہاں امیر بیٹھتا ہے تمام بطخیں وہی اتر پڑتی ہیں یہ سیاست نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس سے بہتر سیاست اور تنظیم کیا ہو سکتی ہے؟ اپنی رعایا اور ماتحت قوم کو خطرے سے آگاہ کرنا اور بچانا اور خود بیدار رہنا ان کو چوکنا رکھنا کیا یہ اعلیٰ ترقی یافتہ سیاست نہیں؟ اس لئے سیاسی تدابیر اور جوڑ توڑ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں اصول سیاست میں حیوانات بھی اس کی برابری کا دعویٰ کر سکتے ہیں مکھیاں کہیں گی! کہ ہم بھی سیاست دان ہیں، بطخیں کہیں گی کہ ہم بھی سیاست دان ہیں زیادہ سے زیادہ آپ کی سیاست شاخ در شاخ ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ملت میں جرائم زیادہ ہیں اس لئے روک تھام کی تدابیر بھی زیادہ ہیں مکھیوں اور بطخوں میں جرائم کی انواع آپ سے کم ہے تو تدابیر بھی کم ہیں سو اس سے کچھ ان مکھیوں اور بطخوں کی فضیلت ہی آپ پر ثابت ہوگئی نہ کہ کمتری اور اصل سیاست میں برابری ثابت ہوگی تو یہ دعویٰ بھی آپ کا غلط ہے کہ ہم چونکہ فن سیاست سے واقف ہیں اس لئے افضل الحیوانات ہیں۔

مکڑی کی صنعت کاری

اگر آپ کہیں کہ ہم کپڑا بننے کا فن جانتے ہیں لہٰذا ہم سب جانداروں میں افضل ہیں تو مکڑی آکر کہے گی کہ یہ کام تو ہم بھی جانتے ہیں دیکھئے سفید رنگ کا خیمہ تانتی ہے جس کی طنابیں چاروں طرف کھنچی رہتی ہے وہ اتنا صاف ،باریک ،ملائم اور شفاف ہوتی ہے کہ مانچڑ کی ململ بھی اتنی صاف اور باریک نہیں ہوتی اتنا مضبوط جس کو آندھی، ہوا کے سخت جھونکے اور بڑی سے بڑی بارشیں بھی نہیں ہلاسکتی اس کی طنابیں اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں سرکتیں آپ تو سوت سے کپڑا بنتے ہیں وہ خدا جانے کس مادہ سے اپنا گھر بناتے ہیں آپ کا کپڑا پھٹ جائے گا مگر اس کا بنا ہوا خیمہ کا یہ کپڑا اور خیمہ نہیں پھٹے گا آپ کا بنایا ہوا کپڑا میلا ہو جائے گا جسے آپ پانی سے دھوئیں گے، صابن سے صاف کریں گے مگر مکڑی کے اس خیمہ کے کپڑے کو صاف کرنے اور دھونے کی ضرورت ہی نہیں آپ کہیں گے کہ ہم اپنی غذا کے لئے پرندے پھانسنے کے لئے جال بنتے ہیں، مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال بنتے ہیں تو ہماری تدبیر کو کون پہنچ سکتا ہے کہ ہم غیر نوع کو قابو میں لانے کے لئے سوت کے دھاگوں سے کام لیتے ہیں تو بھئی! مکڑی آگے بڑھ کر کہے گی کہ میں اس سے بہتر جال تن سکتی ہوں اور وہ جالا تانتی ہے تو اس میں مکھیاں پھنس جاتی ہیں ہزار بھن بھناتی ہے چلاتی ہیں مگر اس جال سے نہیں نکل سکتیں تو کیا یہ غیر نوع کا قابو میں لانا نہیں اور اتنا باریک تار بناتی ہیں کہ آپ کا سوت اتنا باریک نہیں ہوتا غرض آپ فنون طبعیہ میں کون سے فن کو اپنی خصوصیت کہہ سکیں گے ضروریات زندگی کا کوئی فن ایسا نہیں جو حیوانات میں نہ ہو ہم جس قدر بھی ضروریات زندگی سے متعلق علم رکھتے ہیں حیوانات بھی اپنی ضروریات زندگی سے متعلق سمجھ بوجھ اور صنعت کاری کا علم رکھتے ہیں۔

ضروریات زندگی کا ہر فن حیوانات میں موجود ہیں

حتی کے اگر آپ سائنس کی مدد سے سولہ ہزار فٹ کی بلندی پرواز کر سکتے ہیں تو ایک کوّا اور کرگس بھی اپنی اندرونی سائنس کی قوت سے اپنی پروں سے اتنی ہی بلندی پر پرواز کرتا ہے آپ پیتل تانبے اور دیگر معدنیات کے بنائے ہوئے مصنوعی پروں یعنی ہوائی جہازوں کے ذریعے اڑتے ہیں چیل ، کوّے وغیرہ پرندے اپنے بنے بنائے پروں اور خلقی طاقت سے اڑتے ہیں آپ ان مصنوعی پروں میں معدنیات کے محتاج ہیں اور ہوائی جہاز بنانے میں خون پسینہ ایک رَل کرتے ہیں تب کہیں اڑتے ہیں اور یہ پرندے خود ہوائی جہاز ہیں ،غرض آپ اگر اُڑ گئے تو پرندے بھی اڑتے ہیں یعنی پرواز کا جو فعل آپ نے کیا وہی پرندوں نے بھی کیا آپ نے کپڑا بن کر تن پوشی کی اور بدن کو کپڑوں سے چھپایا ،تو ہر چرند پرند بھی اپنی کھال اپنے پروں سے اپنی تن بدن کو چھپاتا ہے آپ کا لباس مصنوعی ہے اس کا قدرتی ہے آپ رہنے کے لئے مکان بناتے ہیں جانور بھی اپنا جھٹ اور گھونسلا بناتے ہیں آپ اپنا رزق تلاش کرنے جنگل میں جاتے ہیں وہ بھی اپنی غذا تلاش کرنے کھیتوں اور جنگلوں میں گھومتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر اپنے گھر کو لوٹتے ہیں آپ پلاؤ زردہ کھاتے ہیں وہ گھاس دانہ کھاتے ہیں آپ گوشت پکا کر کھاتے ہیں وہ اس مصیبت سے بری ہیں کچا ہی کھالیتے ہیں آپ اگر ان کے گھاس دانہ سے نفرت کرتے ہیں تو وہ آپ کے زردہ پلاؤ سے نفرت کرتے ہیں غرض کوئی طبعی فن ایسا نہیں ،جن میں وہ آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکیں آپ سیاست کے مدعی ہوں گے تو شہد کی مکھی اور بطخ سامنے آکر اس دعوائے خصوصیت کو باطل کر دے گی آپ کپڑا بننے اور جال بنانے کے فن کا دعویٰ کر دیں گے تو مکڑی سامنے آکر بولے گی کہ یہ کام میں بھی کر سکتی ہوں آپ فن طب کی مہارت کا دعویٰ کریں گے تو بندر اچھل کر کہے گا ،کہ جڑی بوٹی کی خاصیتیں کچھ میں

بھی جانتا ہوں اور میں زہر کا تریاق جانے ہوئے ہوں آپ فن پرواز کے مدعی ہوتو پرندے سامنے آکر کہیں گے کہ ہم اس فن میں تم سے زیادہ ماہر ہیں آپ انجینئری اور فن خانہ سازی کے مدعی ہوں گے تو ہر چرند ،پرند اور درند آپ کے مقابلہ میں آکر کہے گا کہ یہ کام ہم سب جانتے ہیں ، رہنے سہنے ،لباس پہنے ، علاج کرنے ،مکان بنانے اور تنظیم وسیاست کاری کرنے میں شریک ہیں تو ان فنون کی وجہ سے تو انسان ان جانوروں سے افضل نہیں ہوسکتا افضلیت کسی ایسی خصوصیت کی بنا پر ہوتی ہے جو اس میں ہو اور اوروں میں نہ ہو تو حقیقت یہ ہے کہ وہ علم جو صرف انسانوں میں ہے اور اس کے سوا اور کسی میں نہیں وہ علم شرائع اور علم احکام خداوندی ہیں جس سے اللہ کی معرفت ہوتی ہے اور انسان اس علم کے ذریعے سعادت کے درجات طے کرتا ہے اور نیابت خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے یہ علم کسی بھی غیر انسان میں نہیں پایا جاتا نہ ملائکہ میں یہ علم موجود ہے نہ جنات اس علم سے آراستہ ہیں نہ حیوانات واقف ہیں اور جمادات ونباتات تو کیا واقف ہوتے ؟ یہ علم خصوصیت ہے انسان کی علم شرائع صرف اس کی قسمت میں ہے جس نے اسے سب مخلوقات پر فوقیت وفضلیت دی جس کی یہ وجہ ہے کہ یہ علم بغیر پیغمبری کے نہیں آسکتا کیونکہ یہ علم اللہ کی مرضیات ونا مرضیات کے جاننے کا علم ہے اور کسی کی مرضی بلا اس کے بتلائے ہرگز معلوم نہیں ہوسکتی اور اللہ ہر کس وناکس کو اپنی اندر کی بات نہیں بتلاتا سو اس کے لئے اس نے نوع انسانی کو مخصوص فرمایا اور اس میں بھی برگزیدہ تر طبقہ انبیاء علیہم السلام کا تھا تو اس نے انہیں اپنی مرضیات ونامرضیات سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ میں فلاں چیز سے خوش ہوتا ہوں اسے کرو اور فلاں چیز سے ناخوش ہوتا ہوں اسے نہ کرو یعنی امر و نہی کیا پس اور امر ونہی کے قانون کو شریعت کہتے ہیں اس شریعت کے علم کیلئے نبوت رکھی اور یہ نبوت نوع بشری کے ساتھ مخصوص رکھی اور نبوت کے علوم صرف انسان کو دیئے ۔

انسانیت کا مدار ہی علوم الٰہیہ ہیں

یعنی چار ذی شعور مخلوق (۱) ملائکہ (۲) جنات (۳) حیوانات اور (۴) انسان میں سے یہ علم صرف انسان کو بخشا باقی تین اقسام ملائکہ، جنات اور حیوانات کو یہ علم نصیب نہ ہو ایا کسی قدر ہوا تو انسان کے طفیل اور اس کے واسطے سے ہوا سو اس میں اصل انسان ہی رہا جس میں کوئی مخلوق اس کی ہمسری تو بجائے خود ہے شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتی اس سے واضح ہوا کہ علوم طبعیہ، علوم وھمیہ، علوم خیالیہ، علوم عقلیہ، وغیرہ انسان کی خصوصیت نہیں یہ اور انواع کو بھی میسر ہیں کیونکہ یہ تمام علوم اپنی اندرونی قوی سے ابھرتے ہیں اور ذی قوی جانداروں میں سے کم وبیش سب میں رکھے گئے ہیں عقل ہو یا خیال، وہم یا طبیعت ہر ایک کی چیز ہے اس لئے ان کے ذریعہ جو تصور بھی جاندار کو بندھے گا اس سے خود اس کے نفس کی مرضی نامرضی اور خواہش وطلب کھلے گی خدا کی مرضی نامرضی اور خدا کی مطلوبہ کاموں کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ خدا کی پسند وناپسند اس کے اندر سے آئے ہوئے علم سے سمجھ میں آسکتی ہے اور وہی وحی کا علم ہے جو نبوت ورسالت کے ذریعے آتا ہے اور یہ صرف انسان کو دیا گیا ہے اس سے نمایاں ہوگیا کہ انسان کی خصوصیت علوم، طبیعہ، علوم وہمیہ، علوم خیالیہ، علوم شیطانیہ نہیں، بلکہ علوم الٰہیہ ہیں علوم نبوت اور علوم رسالت ہیں جو انسان کے سوا کسی کو میسر نہیں، اس لئے انسان اگر ساری مخلوقات پر برتری اور فضلیت کا دعویٰ کرسکتا ہے تو وہ علوم شرعیہ کے ذریعے کرسکتا ہے نہ کہ علوم طبعیہ وعقلیہ و وہمیہ کے ذریعہ کہ یہ علوم انسانوں کے سوا اوروں کو بھی میسر ہیں دوسرے لفظوں میں نہ صرف یہ کہ اس علم سے انسان کی برتری اور فضلیت ہی ثابت ہوتی ہے بلکہ اس کی انسانیت کا مدار بھی اس علم پر ہے کیونکہ جب یہ علم ہی انسان کی خصوصیت ٹھہرا کہ یہ علم نہ ہوتو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں تو اس کا حاصل یہ نکلا کہ انسان اس وقت تک

انسان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس علم سے بہرہ ور نہ ہو کیونکہ جس چیز کی خصوصیت ختم ہوجائے جس سے وہ چیز وہ چیز تھی تو پھر وہ شے وہ شے ہی نہیں رہتی اگر آپ میں خصوصیت باقی نہ رہے تو آپ آپ نہیں رہے اگر خصوصیت انسان انسان میں ہوتو انسان انسان کہلائیگا ورنہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں وہ مکان بنانے، کھانے پینے، علاج معالجہ کرنے میں انسان کے برابر ہیں پس جب انسان کی خصوصیت یہ علم الٰہی ہے جس سے وہ مرضیات الٰہی سمجھ لیتا ہے تو یہ علم الٰہی جب انسان میں ہوگا تو اس کا نام انسان ہوگا ورنہ ایک کھاتا پیتا حیوان رہ جائے گا کیوں کہ کھانے پینے پہننے کو کتنا ہی خوشنما بنائے اور علمی رنگ میں نمایاں کرے، تب بھی رہے گا جانور ہی کیونکہ جانور بھی یہ علوم اپنے اندر رکھتے ہیں جیسا کہ واضح ہوچکا ہے بہرحال یہ بات صاف ہوگئی کہ نہ کھانا انسانیت ہے، نہ پینا، نہ مکان بنانا انسانیت ہے نہ سیاست وتنظیم اگر کوئی ماہر فن پچاس منزل کی بلڈنگ بھی بنائے تب بھی وہ اس کی وجہ سے حیوانیت سے نہیں نکل سکتا کہ یہ کام یعنی مکان سازی اس کی خصوصیت نہیں حیوانیت کی خصوصیت ہے اور اگر مکان سازی پارچہ بافی، نظم کاری میں عقل کو بھی لگادیا جس سے یہ اشیاء مزین ہوگئیں تو گو بظاہر تو وہ جانوروں سے ممتاز اور افضل ہوگیا مگر حقیقت میں ان سے اور زیادہ گھٹ گیا کیونکہ عقل جیسے پاک جوہر کو اس نے اپنی طبیعت کا خادم اور غلام بنادیا اور سب جانتے ہیں کہ طبیعت بے شعور ہوتی ہے اور عقل سرچشمہ شعور ہے تو ایک بے شعور کو باشعور کا حاکم بنا کر گویا جاہل کو بادشاہ اور عالم کو غلام کردیا کہاں کی عقل ہے بلکہ بے عقلی ہے جانور اس بے ہودگی سے بری ہے اس لئے ایسا کرکے انسان اونچا تو کیا ہوتا جانوروں سے کہیں زیادہ نیچا اور کم رتبہ ہوگیا کہ جانور طبع حیوانی کو استعمال کرتے ہوئے عقل کو اس کا غلام تو نہیں بناتے اب خواہ ان میں عقل بالکل نہ ہو یا تو نہ ہونے کے برابر ہو یہ بات اپنی جگہ صحیح رہے گی کہ انہوں نے طبیعت جیسے جاہل

اور بے شعور حاکم کو اس کی جاہلانہ کاروائیاں عالم اور فاضل نہیں بتایا اور یہ انسان طبعی حرکات کرتا ہے اور عقل سے انہیں مزین بنا کر ان حیوانی حرکات کو انسانی بلکہ ملکی حرکات ثابت کرنا چاہتا ہے تو جانور سے زیادہ احمق ثابت ہوا نیز یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ طبعی تقاضوں کو پورا کر لینا کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ طبعی تقاضوں کے خلاف کرنا کمال ہے اگر کوئی کہے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں کیونکہ میں کھانا کھایا کرتا ہوں تو لوگ کہیں گے کہ احمق یہ کون سے کمال کی بات ہے جانور بھی کھانا کھاتے ہیں یہ تو طبعی تقاضا ہے اس میں نہ محنت ہے نہ مشقت اور نہ ہی اس سے انسان کی کوئی جوانمردی اور جفاکشی ظاہر ہوتی ہے ورنہ سارے جانور بھی فضلاء اور باکمال ہوں گے یا اگر کوئی کہے گا کہ میں بڑا فاضل آدمی ہوں کیونکہ میں رات کو پڑ کر سوتا ہوں تو بھی کہا جائے گا کہ یہ تو ایک غیر اختیاری اور طبعی فعل ہے جانور بھی کر لیتے ہیں تو اس میں کمال کی بات کیا ہوئی؟

طبعی تقاضوں کی مخالفت کمال ہے نہ کہ پورے کر لینا

کمال نام ہے خلافِ طبع کرنے کا، کہ اس میں انسان کی محنت، جفاکشی، تحمل اور صبر کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں اس لئے اگر کسی کو سنا جائے کہ وہ مہینوں کھانا نہیں کھاتا تو لوگ اسے باکمال سمجھ کر اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں کہ واقعی خلاف طبع پر قابو پا لینا کمال ہے نہ کہ طبع کا غلام بن کر طبعی تقاضوں کو پورا کر لینا کمال ہے اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔

حجۃ الاسلام سیدنا الامام حضرت نانوتویؒ کا بصیرت افروز واقعہ

ابھی جس بزرگ کا نام نامی آپ کے سامنے لیا (۱) گیا تھا یعنی ''حضرت مولانا قاسم

(۱) حضرت قاری صاحب کی تقریر سے قبل صاحبزادہ مولانا محمد سمیع الحق صاحب نے عربی قصیدہ ترحیب پیش فرمایا تھا جس میں موصوف کے خداداد کمالات وصفات کو سراہتے ہوئے دارالعلوم دیوبند اور حضرت حجۃ الاسلام سیدنا الامام نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کا مقدس تذکرہ بھی کیا گیا تھا حضرت موصوف کا اشارہ اس کے جانب ہے (شیر علی شاہ عفی عنہ)

نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند'' جن کے علم وفضل اور کمال ظاہری وباطنی معروف ہے ان کا زمانہ اور پنڈت جی دیانند سوتی کا زمانہ ایک ہے ''پنڈت دیانند'' ہندوؤں کے فرقہ ''آریہ سماج'' کے بانی ہیں انہوں نے قصبہ رڑکی میں اسلام پر اعتراضات کئے علماء نے دندان شکن جوابات دیئے اور کہا کہ اگر جرأت ہے تو میدان میں آ کر بحث کرو اس نے کہا کہ تم لوگ میرے مقابلہ کے نہیں میں تو صرف ''مولی قاسم'' سے بحث کروں گا چنانچہ رڑکی کے علماء نے حضرت کو خط لکھا کہ ایسا واقعہ درپیش ہے آپ تشریف لائیں باوجود یہ کہ حضرت مولانا قاسمؒ بیمار رہتے مگر مذہب اسلام کی حفاظت واشاعت کی خاطر اپنے چند شاگردوں کے ساتھ رڑکی تشریف لے گئے جن میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب محدث دارالعلوم دیوبند، مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہی، مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری اور دیوبند کے مشہور ادیب منشی نہال احمد وغیرہ حضرت کے خدام خاص شریک سفر تھے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ دیوبند میں کل ڈیڑھ ذہین ہے پورے ذہین حکیم مشتاق احمد صاحب اور آدھے ذہین منشی نہال احمد ہیں ان میں سے جب کوئی میرے وعظ میں سامنے بیٹھ جاتا ہے تو مضامین کی آمد شروع ہو جاتی ہے کہ سمجھنے والے موجود ہیں حضرت نانوتوی رڑکی پہنچے تو انہوں نے منشی نہال احمد کو پنڈت دیانند کے پاس بھیجا تاکہ وہ پنڈت جی سے مباحثہ کے شرائط طے کریں جب منشی صاحب پنڈت جی کے قیام گاہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ پنڈت جی کھانے کی میز پر بیٹھ چکے ہیں کھانے سے فارغ ہو کر بات چیت کریں گے اتنے میں پنڈت جی کے لئے ایک بڑی لمبی چوڑی پراتھ (پیتل کی سینی) میں کھانا آیا جس میں تقریباً چار پانچ پانچ سیر پوریاں دو ڈھائی سیر حلوا اور اسی مقدار میں ترکاری وغیرہ تھی گویا دو تین دھڑی کا ملبہ سینی میں دیکھا گیا جو پنڈت جی کے لئے لایا گیا تھا کچھ منٹ بعد وہ پرات صاف

ہو کر باہر آئی جس میں ایک حبہ بھی باقی نہ تھا منشی صاحب سمجھے کہ پنڈت جی کے ساتھ کھانے میں اور لوگ بھی شریک ہوں گے کیونکہ ایک آدمی بھلا اتنا کہاں سے کھا سکتا ہے منشی صاحب کمرے میں اندر گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اکیلے پنڈت جی بیٹھے ہوئے ہیں انہوں نے خیال کیا کہ شاید وہ لوگ کسی دوسرے دروازے سے نکل گئے ہوں گے مگر دیکھا کہ اس کمرے میں کوئی اور دروازہ ہی نہیں پھر انہوں نے خادم سے پوچھا بھی کہ اس کھانے میں کیا اور بھی پنڈت جی کا شریک تھا؟ اس نے کہا کہ نہیں صرف پنڈت جی ہی نے کھانا کھایا ہے منشی صاحب حیران رہ گئے کہ یا اللہ! ایک آدمی اور اتنا کھانا بہر حال پنڈت جی سے مباحثہ کے متعلق گفتگو ہوئی اور منشی صاحب واپس آ کر حضرت سے ساری گفتگو نقل کر دی اس سلسلہ میں سنانا یہ ہے کہ جب منشی جی حضرت کے پاس سے الگ ہو کر جب اپنے ہجولیوں میں بیٹھے تو منشی صاحب نے کہا کہ بھائی! مجھے ایک بہت بڑی فکر ہو گئی ہے وہ یہ کہ اگر مسائل میں پنڈت جی سے مناظرہ ہوا تو یقین ہے ہمارے حضرت جیت جائیں گے کیونکہ بحمد للہ حق پر ہے لیکن یہ فکر ہے کہ اگر کھانے میں مناظرہ ہوا تو کیا ہوگا؟ کیونکہ پنڈت جی تو پندرہ سیر کھا کے بھی دم نہیں لیں گے اور ہمارے حضرت آدھی چپاتی ہی کھا کر بیٹھے رہیں گے تو یہ بات کیونکر بنے گی بات ہنسی کی تھی تمام احباب سن کر ہنس پڑے اور بات ختم ہو گئی لیکن شدہ شدہ یہ بات حضرت تک پہنچ گئی تو منشی جی کو بلایا اور کہا کہ آپ نے کیا کہا تھا منشی جی گھبرائے فرمایا کہ بات میں سن چکا ہوں مگر پھر بھی تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے اس کا جواب دینا ہے منشی جی نے ڈرتے ڈرتے اپنا مقولہ دُہرایا فرمایا کہ اس کے دو جواب ہے اول الزامی جواب ہے اور وہ یہ کہ کیا ساری باتوں کے مناظرہ کے لئے میں ہی رہ گیا ہوں آخر تم لوگ کس لئے ساتھ آئے ہو کھانے میں بحث ہوئی تو تم مناظرہ کر لینا دوسرا جواب تحقیقی ہے اور وہ یہ

ہے کہ (حضرت نے ذرا چین بہ جبین ہو کر فرمایا) تم اتنے دن صحبت میں رہے تمہارے ذہن میں یہ سوال کیونکر پیدا ہوا کہ اگر کھانے میں مناظرہ ہوا تو کیا ہوگا؟ مناظرہ علم میں ہوتا ہے یا جہالت میں؟ کھانا بہیمیت کی علامت ہے اور بہیمیت جہالت کا شعبہ ہے تو کیا تم مجھے جہالت اور بہیمیت میں مناظرہ کرانے کے لئے یہاں لائے ہو اگر اس بہیمیت میں مناظرہ ہوا تو ہم بھائم کو مقابلہ کے لئے پیش کریں گے ہم پنڈت جی کے مقابلہ میں بھینسے کو پیش کریں گے اونٹ کو پیش کریں گے اور بات بڑی، تو ہاتھی کو پیش کر دیں گے کہ کھاؤ کتنا کھاتے ہو؟ پھر فرمایا کہ علم کا شعبہ ہے نہ کھانا تو تمہارے ذہن میں یہ سوال کیوں نہ پیدا ہوا کہ اگر نہ کھانے میں مناظرہ ہوا تو کیا ہوگا کیوں کہ مناظرہ علم کے دائرہ کی چیز ہے اور اس میں مناظرہ ہوا تو انسان پیش کیا جائے گا جو ذی علم ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ ہم اس کے لئے تیار ہیں کہ اگر نہ کھانے میں مناظرہ ہوا تو ہم کہیں گے کہ کھانا کھانے کے بعد ہمیں بھی اور پنڈت جی کو بھی ایک مقفل کوٹھری میں بند کر دیا جائے اور چھ مہینہ کے بعد کھولا جائے تو جو تر و تازہ نکلے سمجھئے کہ وہ حق پر ہوگا۔

ذکر اللہ ہی اہل اللہ کا ذریعہ حیات ہوتا ہے

اس سلسلہ میں میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے وفات سے چند ماہ پیشتر فرمایا کہ اب مجھے بقاء حیات کے لئے بحمد للہ کھانے پینے کی ضرورت باقی نہیں رہی اتباع سنت کے لئے کھاتا پیتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ جب ذکر اللہ رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے تو وہی ذریعہ حیات بن جاتی ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی شان ہے کہ وہ اظہار عبدیت اور امت کے لئے نمونہ عمل چھوڑنے کے لئے کھاتے پیتے ہیں اور وہ بھی انتہائی قلیل مقدار میں اور وہ بھی بے حد سادہ کھانا جیسے جو وغیرہ اور وہ بھی بے شمار فاقوں کے ساتھ اس سے واضح ہوا کہ طبعی تقاضوں کی مخالفت اور

ان کے ترک کا نام کمال ہے، جوانمردی ہے، طبعی تقاضے پورا کر لینے کا نام کمال نہیں یہ کمال تو ہر جانور میں ہے ایسے ہی فنون طبعیہ میں بڑھ جانے اور ترقی کر جانے کا نام علم اور کمال علم نہیں کہ یہ طبعی علم بقدر بساط حیوانات میں بھی ہیں علمی کمال یہ ہے کہ اللہ سے باتیں کر کے علم حاصل کیا جائے جو طبیعت کے تقاضوں سے بالاتر ہے اور وہ علم وحی ہے جو صرف پیغمبروں کے ذریعے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے نہ کہ نفس میں خیالات پکا کر انہیں خوبصورت طریقوں سے نمایاں کردینے سے ملتا ہے وہ صورت علم کہلائے گا حقیقی علم نہیں اور جب یہ علم الٰہی ہی انسانی خصوصیت ہے تو انسانیت کے معنی ہی الٰہی ہوئے اور علم الٰہی کے حامل ہونے کے نکلے اس لئے انسان نام جیسے کپڑے پہننے، گھر بنا کر رہنے اور کھانا کھانے کی نہیں ایسے ہی دو کان، دو آنکھ، ایک ناک اور مخصوص صورت زیبا کے نہیں بلکہ سیرتِ زیبا کے ہیں جو علم لدنی اور علم الٰہی سے بنتی ہے انسان وہ ہے جس سے علم وحکمت کا چشمہ پھوٹے یا اس چشمہ سے سیراب ہو یا اس کا حامی ہو اس لئے حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد فرمایا کہ الدنیا ملعونةٌ ملعون مافیها إلّاذکر اللّٰه وما والاه او عالماً اومتعلما (ابن ماجه:۴۱۱۲) ”دنیا بھی معلون جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون سوائے عالم کے یا متعلم کے یا ان کے حامی اور دلدادہ کے“ اور وہ علم جو عالم یا متعلم سیکھتا سکھاتا ہو کتاب وسنت کا علم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے العلم ثلاثة وما سوی ذلك فهو فضل آية محكمة اوسنة قائمة أوفريضة عادلة (السنن الکبریٰ: ۱۲۱۷۲) ”بلاشبہ علم یا محکم آیت (قرآن) ہے یا سنتہ قائمہ ہے یا فریضۂ عادلہ“ جو کتاب وسنت کے مشابہ ہو یعنی قیاس مجتہد اور یہ علم صرف انبیاءؑ سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ عقل وطبع یا وہم وخیال سے۔

علم نبوی ﷺ محنت اور مجاہدات سے ہی حاصل ہوتا ہے

مگر یہ علم آتا ہے محنت اور خلاف طبع مجاہدہ اور ریاضیت کرنے سے کیونکہ یہ علم

علوم طبعیہ وعقلیہ کی طرح طبعی نہیں ہے اسلئے سب علوم سے افضل ہے کیونکہ امور طبعیہ کا انسان سے سرزد ہونا عجیب نہیں عجیب یہ ہے کہ اس میں ایک چیز نہ ہو اور وہ آجائے چنانچہ حدیث میں ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے سوال فرمایا ایھــم اعجب ایمانا؟ بتاؤ کہ ایمان عجیب کن لوگوں کا ہے صحابہ نے جواب دیا کہ ملائکہ کا ایمان حضور ﷺ نے فرمایا: ملائکہ کو کیا ہوا جو وہ ایمان نہ لائیں ہر وقت تو وہ تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرتے ہیں جنت، دوزخ ان کے سامنے ہے وہ بھی ایمان نہ لائیں گے تو اور کون لائے گا؟ پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ انبیاءؑ کا ایمان زیادہ عجیب ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء جو ایمان نہ لائیں گے تو کیا کریں گے؟ رات دن تو ان پر ملائکہ اترتے ہیں اللہ کی وحی ان پر آتی ہے جلال جمال خداوندی ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے معجزات ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ بھی ایمان نہ لائیں گے تو کیا کریں گے؟

تو پھر صحابہؓ نے عرض نے کیا یا رسول اللہ ﷺ! پھر سب سے زیادہ عجیب ایمان ہمارا ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا جو تم ایمان نہ لاؤ پیغمبر تمہارے سامنے ہے، معجزات تم بچشم خود دیکھتے ہو، وحی تمہارے آنکھوں کے سامنے اتری ہے تم بھی ایمان نہ لاؤ گے تو اور کون لائے گا؟ تو پھر صحابہ نے عرض کیا کہ اللّٰه ورسوله اعلم خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ عجیب ایمان کن لوگوں کا ہے؟ تب حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان عجیب ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے نہ پیغمبر ان کے سامنے ہوں گے، نہ معجزات ان کے مشاہدہ میں آئیں گے اور اوپر سے شکوک وشبہات ڈالنے والے ہزاروں ہوں گے مگر پھر بھی وہ ایمان لائیں گے اور اس پر جمیں گے تو ان کا ایمان عجیب ہونا اس سے واضح ہوتا ہے ورنہ اگر کسی چیز کو موانع کی کثرت اور رکاوٹوں کے ہجوم میں حاصل کی جاتی ہے وہی زیادہ عجیب ہوتی ورنہ اگر کسی چیز کے معدات اور

مؤیدات بکثرت ہوں اور اس کی طرف جھکانے والے اسباب بہت ہوں رکاوٹ بالکل نہ ہو تو اس کا حاصل کرلیا جانا زیادہ عجیب نہیں ہوتا اس بنا پر کہا گیا ہے کہ ملائکہ اگر عبادت میں مصروف ہیں تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ تجلیات الٰہیہ تو ہمہ وقت سامنے ہیں اور رکاوٹیں بالکل نہیں نہ ان کے پیچھے کھانے پینے کا جھگڑا نہ، بیوی بچوں کا دھندا، نہ شہوت وغضب کا قصہ، تو عبادت ان کے حق میں امر طبعی ہے اور طبیعت کے تقاضوں کو پورا کرلینا کوئی حیرت ناک بات نہیں بلکہ اس سے رک جانا حیرت ناک اور عجیب ہے پس جیسے انسان کے حق میں کھانا، پینا، سونا، جاگنا عجیب نہیں کیونکہ طبیعت کا تقاضا ہے ایسے ہی عبادت کرنا فرشتوں کے حق میں طبعی بات ہے جس کو بجالانا عجیب نہیں عبادت اگر عجیب ہے تو انسان کے حق میں ہے کیونکہ وہ اپنی ساری نفسیاتی خواہشات اور طبعی تقاضوں کو پامال کر کے اور بالفاظ دیگر اپنی نفس کو قتل کر کے رکوع وسجود میں لگتا ہے۔

انسان کی عبادت فرشتوں کی عبادت سے بدرجہا عجیب وافضل ہے

انسان کا ایک سجدہ فرشتوں کی ہزاروں برس کی عبادت سے زیادہ عجیب بلکہ افضل ہے کیونکہ وہ نفس کشی پر مبنی ہے نہ کہ نفس کے تقاضوں پر، وہ صبح کے وقت گرم لحاف سے اٹھ کر اور خواہشات نفس کے خلاف سردی میں پانی سے وضوء کر کے اور اوپر سے اپنا گھر چھوڑ کر خدا کے گھر کی طرف دوڑتا ہے اور سجدے میں لگتا ہے نفس اسے نیند کے لئے آمادہ کرتا ہے اور یہ کہ نرم نرم بستر سے نہ اٹھے، ہاتھ پیر کو وضو کے پانی سے ٹھنڈا نہ کرے، سرد ہواؤں میں سکڑتا ہوا مسجد کی طرف نہ جائے مگر وہ ان ساری طبعی خواہشات پر لات مار کر محض اپنے رب اور مالک کی رضا کے لئے جاتا ہے اور مسجد میں پہنچ کر خداوند کریم کے حکم کی تعلیم دل وجان سے کرتا ہے تو یہ مخالفت نفس ملائکہ میں کہاں؟ اور یہ نفس کشی اور جہادِ نفس ملائکہ کو کہاں میسر؟ کہ وہاں نہ نفس امارہ ہے نہ ہوائے نفس ہے کہ

اس کا مقابلہ کیا جائے اور جہاد کر کے نفس کو پچھاڑا جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ملائکہ کی توہین کر رہا ہوں (العیاذ باللہ) وہ اللہ کے مقدس بندے ہیں بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں جن سے کبھی بھی گناہ ومعصیت کا صدور ممکن نہیں لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ان کی توہین کفر ہے اور ان پر ایمان لانا واجب ہے یہ صرف بیان حال ہے کہ ان کی عبادت بلا مزاحمتِ نفس ہے۔

انسان کی عبادت پوری مزاحمت نفس ہے

اور انسان کی عبادت پوری مزاحمت نفس سے ہے مقصد یہ ہے کہ طبیعت کے تقاضوں کو پورا کرنا کمال نہیں بلکہ خلاف طبیعت کرنا کمال ہے ٹھیک اسی طرح انسان کی طبیعت اس کی متحمل نہیں کہ اس میں علم آئے بلکہ جہالت اس کی طبیعت کا تقاضا ہے اس کی جبلت میں جہل ہے علم نہیں کوئی انسان ماں کے پیٹ سے ہنر لے کر نہیں آتا محنت وریاضت سے ہنر پیدا کرتا ہے طبیعت کو مار کر علم حاصل کرتا ہے جو عجیب بھی ہے اور کمال بھی ہے کمال اس لئے ہیں کہ مجاہدہ سے اسے حاصل کیا جس سے اس کے اندرونی قوی کی قوت اور کارگزاری نمایاں ہوتی ہے اور عجیب اس لئے ہے کہ وہ انسان جو ایک گندے قطرہ سے بنایا گیا ہے اور جماد لایعقل مادہ (نطفہ) سے تیار ہوا نہ نور سے بنا، نہ نار سے بلکہ پامال خاک سے جس میں شعور کا نشان نہیں اور پھر ایسا باشعور نکلا کہ دنیا بھر پر فوقیت لے گیا نوری ملائکہ پر فائق ہوا اور ناری جنات پر غالب آ گیا محض علم کے کمال سے۔

علم کا گندے مادوں میں اتار لینا ہی کائنات سے بازی لے جانے کا سبب بنا:

تو علم کا ان گندے مادوں اور کثیف جسموں میں اتار لینا کمال نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور اس عجیب وغریب کمال سے اگر وہ ساری کائنات سے بازی لے جائے تو اس میں تامل کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ پس ملائکہ میں اگر علم آتا ہے تو یہ ان کا طبعی تقاضا ہے

اور اُن کا علم ان کے اندرون سے ہے اور اندرون میں رہتا ہے اس لئے پھیل نہیں سکتا جتنا ہے اتنا ہی رہیگا لیکن انسان مجاہدہ سے علم حاصل کرتا ہے اور جو چیز اس کے اندر نہیں ہے وہ باہر سے لاتا ہے اور اسے علم حاصل کرنے کے لئے مشقت ومجاہدہ کے ساتھ کتنے ہی راستے تحصیل علم کے راستے طے کرنے پڑتے ہیں اور کتنے ہی منزلوں سے گذر کر وہ علم کے مختلف درجات، مراتب اور علمی مقامات تک پہنچتا ہے اس لئے اس کا علم پھیلتا ہوا ہوتا ہے اس میں تدبر وتفکر شامل ہوتا ہے جس سے من بھر علم دس من ہو کر نمایاں ہوتا ہے پس ملائکہ کا علم عطائی قسم کا علم ہے جس میں پھیلاؤ نہیں اور انسان کا علم تدبر اور تفقہ لئے ہوئے ہوتا ہے جس میں پھیلاؤ ہوتا ہے یعنی فرشتوں کو اگر چہ مسئلے معلوم ہیں وہ چار کے چار ہی ہیں اور انسان کو چار مسئلے معلوم ہو جائیں تو وہ تدبر واجتہاد کے ذریعہ ان چار میں دس اور بیس اور مسائل اور علوم پیدا کر لیتا ہے اور نئے نئے علوم نکال لیتا ہے اس لئے ملائکہ نے بمقابلہ آدم صفائی سے خود اقرار کر لیا تھا۔

انسانی علم میں تفقہ واجتہاد

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اور انسان کی استنباط اور اجتہاد کو اس کے خدا نے سراہا کہ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ پس علمی لائن میں انسان کی برتری ملائکہ پر ایک تو کمیت علم کے لحاظ سے ہے کہ اسے تمام اسماء کی تعلیم ملی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا جو ملائکہ کو نہیں ملی اور دوسری کیفیت علم کے لحاظ سے ہے کہ ملائکہ اپنی معلومات میں تفقہ اجتہاد سے کوئی اضافہ نہیں کر سکتے اور انسان کرتا ہے پس اللہ نے انسان کو سب سے زیادہ علم بھی دیا اور اس میں زیادت علم کی صلاحیتیں بھی رکھ دی۔

استنباط وارتقائے علم صرف انسانی علوم کا خاصہ ہے

پس علم اور ارتقائے علم درحقیقت انسان ہی کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے جو دوسری مخلوقات میں نہیں اور ظاہر ہے کہ جامع علم شاہیت کی شان ہے کیونکہ بادشاہ کا کام مزدوری کرنا نہیں بلکہ اپنی مملکت کا علم رکھنا ہے تا کہ احکام دے سکے اس لئے جب انسان کو سب سے زیادہ علم دیا گیا جو قدرتی طور پر نیابت وخلافت خداوندی بھی اسی کا کام ہوسکتا تھا جو اسے مل گیا اور اس کائنات کا سارا انتظام اس کے سپرد کر دیا گیا کہ وہ نائب الٰہی بن کر اس کائنات پر حکم چلائے کائنات سے کام لے اور اس میں حسب منشاء تصرفات کرے اس لئے وہ حیوانات سے الگ کام لیتا ہے جمادات سے الگ بیگار لیتا ہے زمین سے آسمان تک اس کے تصرفات چلتے ہیں وہ اس مادی کائنات کے مادوں میں علم کی طاقت سے جوڑ توڑ کر کے نئی نئی ایجادات کرتا ہے اور اس طرح اپنی علم کی وسعت کا ثبوت دیتا رہتا ہے سب سے پہلے علم یہ ہے کہ شئی کا نام معلوم ہو کیونکہ علم میں سے نئی نئی باتیں نکالنا اور پھر عمل وصنعت میں نئی نئی اختراعات کرنا نہ فرشتوں سے بن پڑا نہ جن وحیوان سے بلکہ صرف انسان سے۔

جامع علم کا متحمل ہونا نیابت خداوندی کا باعث بنا

تو حق تعالیٰ کی ازلی عنایت اس پر متوجہ ہوئی اور اسی کو اس نے اپنی توجہ وعنایت سے تدریجی طور پر علم سکھلایا چنانچہ علم کا بالکل ابتدائی مرتبہ شئی کا نام معلوم ہونا ہے اگر نام ہی معلوم نہ ہو تو اس کی طرف توجہ ہی محال ہے کہ مجہول مطلق کی طرف توجہ ہو ہی نہیں سکتی پس حق تعالیٰ نے اپنے سب سے پہلے شاگرد حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام سکھلائے جو علم کی ابتدائی منزلہ ہے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا شئی کا نام معلوم

ہوجانے پر طبعاً آدمی کا جی چاہتا ہے کہ میں اسکو دیکھ بھی لوں جسکا نام سنتا آرہا ہوں تو پھرحق تعالیٰ نے وہ ناموں والی کائنات پہچانوائی کہ وہ معلوم الاسماء اشیاء فلاں فلاں ہیں تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے انہیں پیش کیا پس انکے خواص وآثار بتلائے پھراُن کے نتائج وغایات پر مطلع فرمایا پھران سے کام لینا سکھلایا اور پھران سے نفع حاصل کرنے کے طریقے سکھلائے غرض درجہ بدرجہ عالم بشریت علمی ترقی کرتارہا اور انبیاء علیہم السلام یکے بعد دیگرے معلم بن کرآتے رہے اور علم کے مراتب کی درجہ بدرجہ انسانوں کوتعلیم دیتے رہے یہاں تک جب انسانی استعداد جامع علم کی متحمل ہوگئی اور قرنہا قرن گزرنے اور علمی مشق کرنے کے بعد وہ ہمہ گیر علم کیلئے مستعد ہوگیا۔

آنحضرت ﷺ کے ذات پر علمی حد کی تکمیل کے بناء پر خلافت بھی انتہائی مقام پر پہنچی:

تو آخری معلم حضرت خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر بھیجا جنہوں نے حقائق الٰہیہ کی تعلیم دی اور دین کو کامل کرتے ہوئے اس کے ہر ہر حکم کی علت اور علم پر مطلع فرمایا جس سے انسان نے حقیقت علم کا سراغ پایا اور وہ قرآن حکیم کے جامع علم سے روشن ضمیر بنا پس وہ خلافت جو آدم علیہ السلام کے دور میں اپنی دور میں ابتدائی منزل میں تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں وہ اپنی انتہائی مقام پر پہنچ گئی کیونکہ اس کا منبع علم تھا، علم ابتداء میں علم الاسماء کے ابتدائی دور میں تھا تو اس پر مبنی شدہ خلافت بھی ابتدائی دور میں رہی اور وہی علم جب ترقی کرکے حد کمال پر پہنچ گیا کہ اس کے بعد کسی نبی ہی کے آنے کی گنجائش نہ رہی جو کوئی نیا علم اور نئی شریعت لے کر آئے تو خلافت بھی حد کمال پر پہنچ گئی چنانچہ خلافت ظاہری تو حقائق کائنات کا تسخیر ہے جس کے ذریعہ عناصر اربعہ کے عجائبات نمایاں ہوں اور خلافت باطنی حقائقِ الٰہیہ کی تحصیل ہے جس کے ذریعہ روحانیات کے عجائبات نمایاں ہیں سوظاہر ہے کہ دورۂ محمدی میں یہ

دونوں ہی خلافتیں حد کمال کو پہنچ گئیں ایک محیر العقول مادی ایجادات انتہاء کو پہنچ رہی ہیں جو عقل نفس کے کمال کی دلیل ہے اور ایک سے حیرتناک علمی وروحانی اجتہادات انتہاء کو پہنچے جو فقہ نفس کے کمال کی دلیل ہے غرض تعقل اور تفقہ یا عقل نفسانی اور فقہ روحانی دونوں حد کمال کو پہنچ گئے کیونکہ علمِ جامع دنیا کے سامنے آ گیا۔

خلافت صوری وحقیقی کی تکمیل

اس لئے خلافتِ صوری واسمی بھی مکمل ہوگئی اور خلافت حقیقی ومعنوی بھی تکمیل کو پہنچ گئی لیکن صورت بلاحقیقت ناپائیدار اور بے معنی ہے اس لئے مادی خلافت بغیر روحانی خلافت کے بے معنی اور جسم بلا روح کے مانند ہے جس کیلئے نہ بقاء ہے نہ پائیداری اس لئے اصل خلافت وہی علمی خلافت کہی جائے گی جس سے انسان کا کامل امتیاز ساری کائنات پر نمایاں ہوگا تاہم یہ دونوں خلافتیں انسان ہی کو دی گئیں نہ ملائکہ کو ملیں نہ جنات وحیوانات کو کیونکہ علم کا یہ مقام اور کسی کو نہیں ملا ہاں یہ علم انسان ہی میں کیوں ترقی کرسکتا تھا اور کیوں وہ بھائم یا جنات یا ملائکہ میں ترقی پذیر نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ بھی دونوں قسم کی خلافتوں کے مستحق ہوجاتے ؟ سو اس کی بناء یہ ہے کہ علم کی ترقی ہو یا صنعت وعمل کی، بغیر تصادم اور ٹکراؤ کے نہیں ہوتی۔

مادی ترقی عناصر کے تصادم ٹکراؤ کا نتیجہ ہے

بلکہ ترقی کا نام ہی ٹکراؤ اور تصادم کا ہے کہ اس کے بغیر علم اور قدرت کے مخفی راز آشکارنہیں ہوسکتے کیونکہ یہ ایک فطری اصول ہے کہ بسیط مادہ میں ترقی نہیں ہوتی جب تک کہ اسے اس کی ضد سے ترکیب دے کر ٹکرایا نہ جائے مثلاً محض آگ میں کوئی ترقی نہیں، جس طرح ہزاروں سال پہلے وہ جلتی اور بھڑکتی تھی اسی انداز پر آج بھی جلتی اور بھڑکتی ہے یہ نہیں کہ ہزار دس ہزار برس کے بعد اس کی لپٹ اور رنگ نے ترقی کرکے

کوئی نئی صورت یا جدت پیدا کر لی ہو اس کے کسی انداز میں نہ اضافہ ہے نہ ترقی اس طرح محض پانی میں کوئی ترقی نہیں ،سمندر کئی ہزار سال سے پہلے جس طرح ٹھاٹھیں مار کر اُچھل کر کود کرتا تھا ،اسی طرح آج بھی کر رہا ہے نہ اس کے تموج نے کوئی جدت پیدا کی نہ جزر و مد نے ،وہی تموج آج بھی ہے جو دس ہزار سال پہلے تھے نیز سمندر بھی وہیں کا وہیں ہے جہاں پہلے تھا اب بھی ہے جو پہلے تھا کوئی رخ تبدیل نہیں کیا نہ اس کا رخ بدلا ، نہ دھارا تبدیل ہوا اسی طرح ہوا جیسے پہلے چل رہی تھی اب بھی اسی انداز سے چل رہی ہے زمین جیسے پہلے ایک تودۂ خاک تھی اب بھی ہے نہ اس میں کوئی جدت ہے، نہ ندرت، نہ ترقی ہے، نہ ارتقاء لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے ملا کر ٹکرا دو تو وہیں ترقی شروع ہو جائے گی مثلاً پانی کو ایک برتن میں بھر کر اور بیچ میں ایک پردہ دیکر دوسری آگ دھکا دیں کہ آگ پانی پر حملہ آور ہو اور پانی آگ پر ،وہ اسے ٹھنڈا کر دینا چاہے اور یہ اسے گرما دینا چاہے تو ان دونوں کے ٹکراؤ سے ایک تیسری چیز پیدا ہو جائے گی جیسے بھاپ یا اسٹیم کہتے ہیں اور اس سے کلیں اور مشینیں چلنے لگیں گی اور تمدنی ترقی شروع ہو جائیگی اگر آگ کو پانی سے ٹکرا نہ دیا جاتی تو محض آگ یا محض پانی سے کوئی انجن یا مشین نہ چل سکتی تو یہ تمدنی ترقی دو عناصر کے تصادم اور ٹکراؤ کا نتیجہ ہے جو تنہا تنہا ایک ایک عنصر سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا اسی طرح اگر ہوا کو آگ سے ٹکرا دیا جائے اور فضا میں مثلاً آفتاب کی گرمی سے برسنے والی آگ ہوا کے جھکولوں سے متصادم ہوتی ہے تو شہاب ثاقب اور گرجنے والے رعد و برق پیدا ہوتے ہیں جن سے جو کے عجائبات نمایاں ہوتے ہیں اور فضا کی ساکن فضاء میں نئے نئے حوادث رونما ہوتے ہیں جو محض آگ یا محض ہوا سے نمایاں نہیں ہو سکتے تھے اسی طرح مثلاً مٹی اور پانی کو ملا دیا جائے کہ مٹی تو پانی کے سیلان اور رقت کو ختم کر دینا چاہیئے اور پانی مٹی کے جماؤ کو اور انجماد کو مٹا دینا چاہیے تو ان دونوں کے ٹکراؤ سے گارا پیدا ہو جائیگا اور اس سے اینٹیں بننے لگیں گی جن

سے مکانات کی تعمیر ممکن ہو گی پھر اس گارے سے برتن بننے لگیں گے جن سے تمدن کی ترقی ہوگی اور نئی نئی ڈیزائن ظروف و مکان اور سامان کے تیار ہو جائیں گے اگر تنہاء مٹی اور پانی اپنی اپنی جگہ پڑے رہیں تو یہ ترقی کبھی بھی رونما نہ ہو اس سے واضح ہوا کہ ترقی نام تصادم کا ہے تصادم نہ ہو تو ترقی بھی نہ ہو ان کو چھوڑ کر اعیان میں لو تو دو پہلوان مثلاً فن کشتی و سپہ گری کے ماہر ہوں لیکن کبھی بھی زور آزمائی نہ کریں اور کبھی بھی باہم کشتی نہ لڑیں تو ان کے فن اور داؤ پیچ میں کوئی اضافہ نہ ہوگا لیکن اگر ان دونوں پہلوانوں کو باہم ٹکرا دیا جائے اور وہ کشتی لڑ پڑیں تو ہر ایک کوشش کریں گے کہ دوسرے کے داؤ کی کاٹ کرے تاکہ مغلوب نہ ہو تو ہر وقت نئے سے نیا داؤ اپنی فنی قواعد کے تحت ایجاد کرے گا اور اس طرح فن کے مخفی گوشے کھل کر فن ترقی کرے گا اور دنیا کے سامنے نئے نئے داؤ پیچ کھلے رہیں گے اگر یہ پہلوانوں کا تصادم اور ٹکراؤ نہ ہو تو فنون کے یہ مخفی گوشے نہیں کھول سکتے۔

علم و جہل ،حق و باطل کے تصادم کی حکمت

اس طرح ایک عالم کتنا ہی بڑا علم رکھتا ہو اس میں خود بخود کوئی اضافہ نہ ہوگا لیکن اگر اس عالم سے کسی جاہل کو لڑا دو جو اس پر اعتراضات اور سوالات کی بوچھاڑ کر دے تو اس کے علم میں سے نئے نئے گوشے جوابوں کی بدولت پیدا ہو جائیں گے جن سے اس کے علم میں زیادتی ہوگی جو بغیر اس علم و جہل کی ٹکر کے کبھی نہ پیدا ہوتی اسلام حق ہے اس کا علم اور قانون سچا ہے لیکن اگر اس کے مقابلہ پر کفر نہ ہو اور وہ اس سے ٹکر نہ لیتا ہو تو اسلام کی قولوں کے مخفی گوشے اور اس کی حقائق کے سربستہ راز جو اس میں پنہاں ہیں کبھی نہیں کھل سکتے اور نہ ہی اس کی قوت نمایاں ہو سکتی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اسلام کے مقابلہ پر کفر، اخلاص کے مقابلہ پر نفاق ، سچ کے مقابلہ پر جھوٹ، علم کے مقابلہ پر جہل، دیانت کے مقابلہ پر خیانت، ملائکہ کے مقابلہ پر شیاطین، انبیاء کے

مقابلہ پر دجال رکھ دیئے کہ یہ اضداد ان اصول سے ٹکراتی رہیں اور اس طرح ان کی پاکیزہ قوتیں اس ٹکراؤ سے نمایاں ہو کر ان کی صداقت کھولتی رہیں۔

قوموں کے باہمی مقابلوں میں درس عبرت

اسی طرح وہ قومیں کتنی ہی جاہ و جبروت کے حامل ہوں لیکن اگر دوسری قوموں سے ان کا ٹکراؤ نہ ہو تو اُن کی مخفی جوہر جو مقابلہ ہی کے وقت کھل سکتے ہیں کبھی نہ کھلیں اس لئے جب دو قوتیں لڑتی ہیں تو غالب و مغلوب کے ملنے سے ہمیشہ نئی نئی نظریات اور نئی نئی انکشافات ہوتے ہیں تا کہ دنیا کی وہ ترقیات جو عقل انسانی اور علم روحانی سے وابستہ ہیں اپنی اپنی وقت پر ان تصادموں سے نمایاں ہوتی ہیں اور ہر قوم کے دماغی اور قلبی جوہر کھل کر اگلی انسلوں کے لئے مزید ترقیات کا درس عبرت بنیں ورنہ ہر قوم ماء راکد (ٹھیرے ہوئے پانی) کی طرح سڑ کر اپنی جوہروں کو کھودے اور اقوام میں اس بے فکری سے سستی، کاہلی اور تن آسانی پیدا ہو جائے اور عالم میں فساد نمایاں ہو جائے اسلئے اقوام کو ٹکرا کر ایک دوسرے کیلئے تازیانہ عبرت بنا دیا جاتا ہے تا کہ بے فکری سے اپنی خلقی جوہروں کو ضائع نہ کرنے پائیں اس لئے قرآن حکیم نے اقوام کے تصادم کو خدا کے فضل و کرم سے تعبیر کیا ہے کہ اسکے بغیر نہ کائنات کے سربستہ راز بھی واشگاف ہو سکتے ہیں نہ اقوام میں بیداری اور مستعدی ہی پیدا ہو سکتی ہے جو قدرت نے اس میں ودیعت کر رکھی تھی فرمایا وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ٹھیک اس طرح سمجھو کہ انسان کے سوا کائنات کی تین باشعور مخلوقات ایک ایک جوہر کے حامل ہیں حیوانات میں صرف بہیمیت ہے، جنات میں صرف شیطنیت ہے اور ملائکہ میں صرف ربانیت ہے اسی لئے ان میں سے کسی میں بھی ترقی نہیں کوئی محض آگ کی مانند ہے جیسے جنات، کوئی محض ہوا کی مانند ہے جیسے ملائکہ، کوئی محض مٹی یا پانی کے مانند ہے جیسے بہائم، سو نہ جنات میں کوئی ارتقائی شان ہے کسی جن نے آج تک کوئی

ایجاد کی جس سے دنیا میں سجاوٹ پیدا ہو جاتی نہ کسی فرشتہ نے آج تک کوئی اجتہاد کیا کہ نیا منہاج اور نئی شریعت پیدا ہو جاتی نہ کسی بہیمیت نے آج تک کوئی نیا راستہ ڈالا جس سے دنیا کو کوئی رہنمائی ملتی، جنات و شیاطین جس طرح ہزاروں برس پہلے حیلہ و فریب اور فساد انگیزی کرتے تھے اسی نوعیت کا آج بھی کرتے ہیں بہائم کھانا، پینا، چرنا اور نسل بڑھانا، جیسا پہلے کرتے تھے وہی آج بھی کرتے ہیں نہ بیل کے گھاس کھانے کا اور نہ نر و مادہ کے ملنے کا کوئی جدید طریقہ نکلا، نہ فرشتہ کی نیکی کرنے کا کوئی نیا راہ نکلا، نہ شیاطین کے مکر و زور میں کوئی جدت پیدا ہوئی بلکہ ہزاراں ہزار سال پہلے ان انواع کے جو طبعی افعال تھے وہی کے وہی آج بھی ہیں اُن میں کوئی ترقی نہیں کیونکہ یہ سب نوعیں اپنی اندر ایک ہی ایک مادہ رکھتی ہیں اور انکے اندرون میں تصادم کی کوئی صورت نہیں جو ترقی کی بنیاد تھی۔

انسان میں ملکیت، بہیمیت، شیطنت، تینوں صفات ہیں

بخلاف انسان کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ساری قوتیں جمع فرما دیں اس میں ملکیت بھی ہے بہیمیت بھی ہے اور شیطنت بھی ہے تو لازمی تھا کہ یہ متضاد قوتیں باہم ٹکرائیں اور اس ٹکراؤ سے نئی نئی افعال کا ظہور ہو جو بکھیری قوتوں سے نہیں ہو سکتا تھا مثلاً بہیمیت کا کام کھانا، پینا اور نسل بڑھانا تھا لیکن جب اسکے ملکیت ٹکرا جاتی ہے تو تیسری قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کو عفت کہا جاتا ہے اور اس سے جائز و ناجائز کی سینکڑوں صورتیں پیدا ہوتی ہے کہ فلاں کھانا جائز، فلاں حرام، فلاں نسل کشی حلال اور حرام، فلاں چیز پینی جائز اور فلاں ناجائز غرض تدین کے ہزاروں گوشے عفت و پاکدامنی کی بدولت کھلتے ہیں جس سے دین و دیانت ترقی کرتے ہیں اور عفت درحقیقت بہیمیت اور ملکیت کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہے جیسے آگ پانی کے ٹکراؤ کا نتیجہ بھاپ تھا جس سے تمدن ترقی کرتا تھا اسی طرح شیطنت کا کام دھوکا، فریب، دغابازی اور مکاری ہے اس کے ساتھ اگر ملکیت کی عقل لڑا دو تو تدبیر و تدبر پیدا ہوگا جس سے مکر و فریب کے بجائے عقل خیز تدابیر کا ظہور ہوگا اور جن کی

تدبیروں کا حسن نمایاں ہوگا اور حملہ آوری اور بچاؤ کے نئے نئے نظریات سامنے آئیں گے درندوں میں قوت غضبیہ ہے جس کا ثمرہ تخریب اور چیر پھاڑ ہے۔

ان صفات کے ٹکراؤ سے صفات کمال کا ظہور اور مادی و روحانی ترقی

لیکن اگر اس کے ساتھ ملائکہ کی متانت و بردباری کو ٹکرا دیا جائے تو اس سے شجاعت پیدا ہوتی ہے جس میں عقل و ہوش کے ساتھ جوش دکھایا جاتا ہے اور بہادری کے ساتھ دانائی کا استعمال ہوتا ہے بہر حال شہوت، غضب اور مکر وفریب کے ساتھ اگر قوت عقلیہ کو لڑایا جائے تو اس سے پاکیزہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور علمی، اخلاق اور دینی ترقیات کے دروازے کھل جاتے ہیں جو صرف انسان ہی سے ممکن ہیں جن وملک اور حیوان سے ممکن نہیں کیونکہ متضاد قوتوں کا مجموعہ انسان ہی ہے اس لئے ترقی کی راہیں بھی انسان ہی پر کھل سکتی ہیں نہ کہ ان تین مخلوقات پر، اس لئے اگر ایجادات سے دنیا کو سجایا تو انسان نے سجایا ریل، تار، فون بجلی، اسٹیم، جہاز، کشتی سواری، مکان، ظروف، تجارت، حرفت، حکومت، انسان کے سوا کسی نے کر کے نہیں دکھلائی اور ادھر اجتہادات اور نقل وروایت کے استنادات، دین، شریعت، مذہب، مشرب، ذوق، جدان، حدس، تجربہ، علم، معرفت، قرب، طاعت، بصیرت بھی انسان کے سوا کسی نے حتی کہ کسی پاکباز فرشتہ نے بھی کر کے نہیں دکھلائی، یعنی انسان اس ترقی اور متضاد مادوں کے ٹکراؤ سے پیدا شدہ ارتقاء کے بدولت فرشتوں سے کہیں زیادہ اونچا پہنچا اور جبرئیلؑ کی رسائی سے بھی آگے تک اس کی رسائی ہوئی جہاں ملائکہ پر بھی نہیں مار سکتے۔

قوائے شر جب عقل پر غالب ہوجائے

قوائے شر کا عقل پر غالب ہونے کے صورت میں انسان، اسفل السافلین کو پہنچ جاتا ہے، یہ اس کی قوت عقلیہ کے قوت شہوانیہ، قوت غضبیہ، قوت سبعیہ سے ٹکراؤ اور عقل کے غلبہ کا نتیجہ ہے ہاں اگر اس ٹکراؤ میں عقل مغلوب ہوجائے اور یہ قوتیں بمقابلہ عقل کے غالب آجائیں یعنی عقل ان مادوں کی خادم بن جائے اور ان کے تقاضوں کو اپنی

تدبیر سے پورا کرنے کی نوکر بن جائے تو پھر یہ بہائم سے چار ہاتھ آگے کا بھیمہ اور شیاطین سے درجوں اوپر کا شیطان بن جاتا ہے جس سے بہائم اور شیاطین بھی پناہ مانگ لیتے ہیں اگر اس کی عقل بہیمیت کا آلۂ کار بن جائے تو بہائم کو وہ عیاشی اور بدکاری نہ سوجھ سکتی جو اسے سوجھے گی، یہ زنا اور سیاہ کاری کی ایسی نئی نئی شکلیں ایجاد کرے گا جو بہائم کے باپ کو بھی نہیں سوجھ سکتیں اس کے ہاں عیاشی کے اڈے بن جائیں گے زنا کے چکلے تیار ہوجائیں گے فحاشی ایک فن اور ایک ہنر بن جائیگی اور حیوانات کے خواب میں وہ حیوانیت نہ آئیں گی جو اس کا فحاش دماغ اور عیاش دل اختراع کرے گا اور اگر اپنی عقل کو مکروفریب کی قوتوں کا غلام بنا دیا تو پھر اسے وہ حیلے اور جعل سازیاں سوجھیں گی کہ شیطان کو صدیوں غور کر کے بھی نصیب نہ ہوں گی غرض اُن خلقی قوتوں کے ٹکراؤ میں اگر عقل غالب رہی تو یہ احسن تقویم کا ثبوت پیش کرے گا اور اگر عقل پر شہوت وغضب اور درندگی غالب آگئی تو بھی انسان اسفل سافلین میں کھڑا نظر آئے گا لیکن غور کرو تو یہ عقل ان قوتوں پر علم کے ہتھیاروں ہی سے غالب آسکتی ہے بلاعلم کی عقل محض عقل طبعی ہے جو بلاشبہ اس ہی طبعی، قوتوں کا ساتھ دے گی اور انہیں اپنا کام کرنے کیلئے نئے نئے راستے بتلائیں گی لیکن عارف عقل جسے علم نے چمکا دیا ہو ان قوتوں کو اپنی راہ پر چلائے گی۔

عقل کو ربانی علوم کا تابع وخادم بنانا چاہیئے

اور پھر ہر شعبۂ زندگی میں انسانی کمالات کا ظہور ہوگا اس لئے انسان کی فضلیت ان تینوں باشعور مخلوقات پر عقل محض سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ علم سے ثابت ہوتی ہے اور علم بھی وہ جو طبعی بھی نہ ہو اور کوراعقلی بھی نہ ہو بلکہ ربانی علم ہو جو بذریعہ وحی کے ذات حق کی طرف سے آتا ہے اور دلوں کو روشن کرتا ہے عقلوں کو جلا دیتا ہے، ذہنوں کو رسا کرتا ہے دماغوں کو صیقل کرتا ہے اور بالالفاظ دیگر آدمی کو آدمی بناتا ہے ورنہ ......

ع آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

اس لئے ہمارا فطری اور عقلی فرض ہوجاتا ہے کہ ہم اس شرعی اور الٰہی علم کو حاصل کریں جس سے ہماری روشنی وابستہ ہے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں اسی علم سے ہدایت حاصل کریں یعنی خلوت اور جلوت، انفراد اور اجتماع، دوستی اور دشمنی حکومت، اور غلامی، خوشی اور غمی، راحت اور مصیبت، موت وحیات ہر مرحلہ پر اسی علم سے جن کا دوسرا نام شریعت ہے رہنمائی حاصل کریں اور اپنی عقل کو اس کے خادم کی حیثیت سے ساتھ رکھیں یہی قوتیں جو جہالت میں کام کرتی تھیں، اب علم میں کام کریں گی وہی بہیمیت جو جہالت کے ساتھ عیاشی، فحاشی، بدکاری اور بے ایمانی پر لاتی تھی اب شریعت کے تابع ہوکر عفت عصمت، پاکی، پاکدامنی اور نیکوکاری پر لے آئے گی، وہی قوت شیطنت جو بحالت جہل مکاری، ڈپلومیسی، عیاری اور شرارتوں کی طرف لاتی تھیں اب تابع فرمانِ الٰہی ہوکر تدبیر دانائی، دانش وبینش اور عاقبت شناسی کی طرف لے آئے گی اور بالفاظ دیگر جبلت نفسانی سے نکال کر فطرت روحانی کی طرف نکال لائے گی اسلئے خلاصہ یہ ہوا کہ طبیعت پر تو حکومت عقل کی قائم کردی جائے اور عقل پر حکمرانِ شریعت اور علم الٰہی کی قائم کردی جائے تو انسان مزکی، مصفا، اور مجلی ہوجائے گا ورنہ ایک بھیمہ یا ایک شیطان یا ایک درندہ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

اسلام کے دین فطرت ہونے کا معنی

اس کا حاصل یہ نکلا کہ شریعت انسان کے کسی خلقی مادہ کو ضائع کرنے یا پامال کرنے کے لئے نہیں آئی بلکہ ٹھکانے لگانے کے لئے آئی ہے تاکہ ہر قوت کو اس کا صحیح مصرف بتلا کر اس میں استعمال کرائے یہی معنی ہیں اسلام کے دین فطرت ہونے کے کہ اس نے ہر قوت کو ٹھکانے لگادیا ہے، شہوت ہو یا غضب، سبعیت ہو یا شیطنت کسی کو بھی ضائع نہیں ہونے دیا، بلکہ ایک خاص پروگرام پر چلادیا ہے نیکی تو بجائے خود ہے

اس نے تو کسی بدی کو بھی علی الاطلاق نہیں مٹایا بلکہ اپنے اشاروں پر چلایا ہے مثلاً جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انسان کی جبلت میں جوش کے وقت مبالغہ آمیزی اور خلاف واقعہ کلام کر جانا داخل ہے شریعت نے اسے کلیتاً نہیں مٹایا بلکہ فرمایا کہ اگر دو لڑتے ہوئے بھائیوں میں جھوٹ بول کر بھی صلح کرادو تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر بھی ملے گی اور ایسا اجر جو نماز، روزہ پر ملتا ہے دو بھائی باہم لڑ رہے تھے آپ نے ایک بھائی کے پاس جا کر کہدیا کہ میاں تم کس کا مقابلہ کررہے ہو وہ تو تمہاری جدائی سے بے حد غمگین اور سوگوار ہے اور رات تو وہ آپکی تعریف میں رطب اللسان تھا اور دوڑتا تھا کہ ہائے! میرا بھائی مجھ سے جدا ہوگیا ادھر دوسرے بھائی کے پاس گئے اور اس سے بھی ایسی ہی باتیں کہیں جس سے دونوں کے دل نرم ہوگئے اور مصالحت کو آمادہ ہوئے اور صبح کو دونوں نے معانقہ کر کے باہم صلح صفائی کرلی تو اس جھوٹ پر ثواب اس سچ کی نسبت یقیناً ملے گا جس سے فتنہ کا بیج بودیا گیا اور دو ملے ہوئے بھائیوں کو لڑادیا ہے۔

شریعت نے جبلی وطبعی قوائے شر کو خیر کی طرف موڑا

اس سے واضح ہے کہ جھوٹ جیسے چیز کو بھی شریعت نے مٹایا نہیں بلکہ محفوظ رکھ کر اپنے اشاروں پر چلایا ہے گویا معصیت بھی عبادت بن جاتی ہے اگر شریعت کے اشارہ سے ہو اور اگر حق کو شریعت کے خلاف استعمال کیا جائے تو وہ معصیت بن جاتا ہے غیبت سچ بولنے کو کہتے ہیں یعنی کسی واقعی عیب کو اس کے پس پشت بیان کرنے کا نام غیبت ہے شریعت نے اس سچ کی ممانعت فرمائی اور اُسے حرام رکھا حالآنکہ غیبت سچی بات کو کہتے ہیں اور جھوٹ ہو تو وہ افتراء ہوگا غیبت نہ ہوگی تو یہ سچ بولنا حرام ارشاد خداوندی ہے ارشاد فرمایا گیا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ
"یعنی غیبت کرنا ایسا گندہ فعل ہے جیسے اپنے بھائی کے مردار گوشت نوچ نوچ کر کھانا"

نتیجہ یہ نکلا کہ نہ سچ عبادت ہے اور نہ جھوٹ معصیت بلکہ کہنا ماننا عبادت ہے
اور نہ ماننا معصیت ہے نماز عبادت ہے مگر پانچ وقت میں فرض ہے انہیں ترک کردو تو
معصیت ہے لیکن یہی نماز تین اوقات میں حرام ہے (۱) سورج طلوع ہوتے وقت (۲)
غروب ہوتے وقت اور (۳) استواء یعنی سر پر ہوتے وقت ان اوقات میں اگر نماز پڑھے
گا تو گنہگار ہوگا معلوم ہوا کہ نہ نماز پڑھنا عبادت ہے ہے نہ چھوڑنا عبادت ہے کہنا ماننا
عبادت ہے۔

عبادت کی حقیقت تسلیم ورضا ہے

ماہِ رمضان میں روزہ فرض ہے اگر بلاعذر ترک کیا جائے تو گناہ اور سزا دونوں
سر پڑتے ہیں لیکن یہی روزہ عید کے دن حرام ہے اگر روزہ رکھ لے گا تو گناہگار ہوجائے
گا جس سے واضح ہے کہ نہ روزہ رکھنا عبادت ہے نہ چھوڑنا عبادت ہے کہنا ماننا عبادت
ہے کہ جب ہم کہیں روزہ رکھو، جب ترک کرائیں ترک کردو اپنی تجویز کو دخل مت دو کہ
یہی اطاعت درحقیقت عبادت ہے یہ نماز روزہ عبادت کی صورتیں اور مثالیں ہیں حقیقت
عبادت اطاعت اور تسلیم ورضا ہے خودکشی حرام اور بہت بڑا جرم اور گناہ ہے مگر جہاد میں
اپنے کو قتل کے لئے پیش کردینا اور سر ہتھیلی پر رکھ کر جانا ہی سب سے بڑی عبادت ہے
اس سے واضح ہے کہ نہ جان دینا عبادت ہے نہ جان بچانا عبادت ہے کہنا ماننا اور
بروقت تعمیل حکم کرنا عبادت ہے یہی قتل نفس اپنے نفس کے لئے کیا جائے تو معصیت کہ
خلاف اطاعت ہے اور یہی قتل نفس اگر حفاظت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کیا جائے
تو شہادت اور عین دین وعبادت ہے کیونکہ یہ نفس اور بدن آپ کی ملکیت نہیں بلکہ سرکاری
مشین ہے اس کو آپ اپنی مرضی سے ضائع نہیں کرسکتے ہاں مالک کے حکم پر رکھ بھی سکتے
ہیں اور کھو بھی سکتے ہیں وہ رکھوائیں تو اس کا رکھنا اور بچانا عبادت ہے وہ خود ہی اسے

تلف کرالیں ، تو تلف کردینا عبادت ہے لوٹ مار اور غارت گری معصیت ہے نہ اس
سے بچنا عبادت ہے کہنا ماننا عبادت ہے اگر کہے کے مطابق لوٹ مار بھی ہو تو عبادت
ہے اور کہے کے خلاف امن وامان دینا بھی معصیت ہے زمین پر اکڑ کر سینہ تان کر
اور مونڈھے ہلا کر چلنا کبرنفس ہے جس کو قرآن نے حرام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ وَ لَا
تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا خدا کی زمین
پر تکبر کی چال مت چلو کیونکہ تم اکڑ کر اور اوبھر اوبھر کر زمین کو چیر نہیں دوگے اونچے ہوکر
طول میں آسمان تک نہیں پہنچ جاؤ گے پھر کیوں یہ اینٹھ کر چلنے کی ہیئت بھر رہے ہو، جس
سے صاف واضح ہے کہ اینٹھ مروڑ کے ساتھ چلنا معصیت اور جرم ہے لیکن حج کے موقع
پر جس طواف کے بعد یہ سعی صفا مروہ ہو اس میں ابتداء کے چار پھیروں میں اکڑ کر اور
مونڈھے ہلا ہلا کر چلنا واجب ہے اور جزو عبادت ہے اس سے معلوم ہوا کہ نہ اکڑ کر چلنا
معصیت ہے نہ جھک کر چلنا عبادت ہے بلکہ کہنا ماننا عبادت ہے پس اصل چیز اطاعت
حق نکلی اگر اطاعت کے خلاف ہے تو نماز ،روزہ ،بھی معصیت بن جاتے ہیں اور اگر
کہے کے مطابق ہے تو جھوٹ لوٹ مار تکبر کی چال اور غارت گری بھی عبادت بن جاتی
ہے بس اس طرح تمام خلقی قوتوں کو شریعت کے موافق استعمال کیا جائے اور وہ سبب
اطاعت بنتی چلی جائیں گی اور خلافِ حکم استعمال کیا جائے تو معصیت ہوتی چلی
جائینگی، اس سے عبادت کی دونوعیں نکلتی ہیں ایک افعال خیر جن کا کیا جانا ضروری ہے
اور ایک افعال اثم جس سے بچ جانا ضروری ہے۔

بر وتقویٰ

پہلی نوع کو شریعت کی اصطلاع میں بر کہتے ہیں جیسے فرمایا گیا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ
تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ اور دوسری نوع کو تقویٰ کہتے ہیں جس کے ذریعہ گناہ سے بچاجاتا ہے عبادت کی ان دونوعوں کو پیش نظر رکھ کر غور کرو تو انسان ملائکہ سے علم ہی میں نہیں بڑھا ہوا ہے بلکہ عبادت میں بھی فائق ہے کیونکہ تقویٰ کی عبادت ملائکہ میں ہے ہی نہیں کیونکہ تقویٰ کہتے ہیں شر سے بچنے کو اور بچنا اس چیز سے ہوتا ہے جس کا کرنا ممکن ہو ظاہر ہے کہ ملائکہ میں شر کا مادہ ہی نہیں وہ شر کے افعال کر ہی نہیں سکتے تو ان کے بچنے کے لئے کہا بھی نہیں جاسکتا اور انسان شر کر بھی سکتا ہے اور اس سے بچ بھی سکتا ہے اس لئے شر سے اسے روکا بھی جاسکتا ہے اور اس کا رکنا عبادت بھی قرار پاسکتا ہے کہ وہ ارادہ سے بدلے گا فرشتہ میں نہ شر کا مادہ ہے نہ اس کے شر سے بالا ارادہ رکھنے کا ہی سوال پیدا ہوسکتا ہے اس لئے تقویٰ کی نوع کی عبادت ہی فرشتہ کے لئے نہیں یہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے تو انسان اس نوع عبادت میں ملائکہ سے بڑھ گیا اب جو عبادتیں کرنے کی ہیں ان میں معاشرت ، معاملات اور خانگی زندگی کی عبادت بھی فرشتوں کے لئے نہیں کیونکہ کہ ان میں نسل کا قصہ ہی نہیں کہ ان کے عزیز واقربا ، پیدا ہوں اور معاملات لین دین، آشتی وصلح اور صلۂ رحمی وغیرہ کی نوبت آئے اس لئے بـــر کے دوتہائی حصہ بھی انسان ہی کے ساتھ مخصوص نکلا اب رہے اعتقادات سو یہ عبادت بھی انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اعتقاد کی اصل ایمان ہے اور ایمان کے معنی ایمان بالغیب کے ہیں فرشتہ کے حق میں کوئی چیز غیب ہی نہیں کہ اسے ایمان کا مکلّف قرار دیا جائے اور ایمان لانے کی دعوت دی جائے اس لئے اعتقادات کا حصہ بھی انسان ہی کے ساتھ مخصوص رہا اب اگر وہ رہ جاتا ہے تو دینیات کا باب رہ جاتا ہے یعنی نماز ، روزہ ، زکوٰۃ وغیرہ سو مال کی ضرورت معاشرت کے لئے ہیں فرشتوں میں معاشرت ہی نہیں ، کہ نسل نہیں اس لئے مال کے لین دین کا بھی سوال نہیں ہوسکتا تو یہ عبادت بھی انسان ہی کے ساتھ مخصوص رہی ، روزہ کے معنی اپنی ارادۂ نیت سے کھانا پینا اور لذت نساء کو ترک کرنا ہے فرشتہ کے لئے نہ بیوی ہے ، نہ کھانا پینا نا تو وہاں اس عبادت کے کوئی معنی ہی نہیں

اس لئے لے دے کر نماز رہ جاتی ہے تو میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ فرشتہ کی طبعی بات ہے اور طبعی تقاضوں سے کسی کام کا کرنا عجیب نہیں ، اس لئے انسان کا ایک سجدہ جو خلاف طبع کو برداشت کر کے ہوتا ہے فرشتہ کی ہزار سالہ عبادت سے زیادہ وزنی ہے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دینیات وعبادات میں انسان ہی فرشتہ سے افضل ہے خلاصہ یہ ہے کہ انسان میں یہ بہیمیت اور شیطنت دو ایسی قوتیں ہے جن کی بدولت تقویٰ پیدا ہوتا ہے فرشتہ میں یہ دونوں قوتیں نہیں ، اس لئے وہ دوتھائی دین سے الگ تھلگ ہے اب انسان میں قوت عقلی ہے جو فرشتہ میں بھی ہے مگر اس عقل کے کتنے ہی مصرف جس سے عقلی قوت کی تفصیلات کھلتی ہیں صرف انسان میں ہیں ملائکہ میں نہیں ، اس لئے وہ اطاعت وعبادت میں بھی وہ انواع پیش نہیں کرسکتا جو انسان پیش کرسکتا ہے غرض عبادت کے سینکڑوں دروازے ہیں جو فرشتوں پر بند ہیں اور انسان پر کھلے ہوئے ہیں اسلام کے معنی زندگی کے تمام شعبوں کو قانون خداوندی کے ماتحت گذارنا ہے سو جو جامع زندگی انسان کو ملی ہے وہ کسی کو بھی نہیں ملی اس لئے اسلام اور تسلیم ورضاء بھی اس کے جامع اور حاوی ہوسکتا ہے جو کسی دوسری نوع کے لئے ممکن نہیں ابراہیم کو جب حکم ہوا اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ اے ابراہیمؑ ! مسلم بن جاؤ تو یہ مطلب نہ تھا کہ معاذ اللہ کفر سے اسلام میں داخل ہو بلکہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردو اور گردن جھکا دو تو عرض کیا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ میں مسلم بن گیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اعلان کردو کہ یعنی میری زندگی اور موت ، میری نماز عبادت سب اللہ ہی کے لئے ہیں رضائے نفس کے لئے نہیں ، مجھے اس کا حکم کیا گیا ہے اور میں اول مسلمین میں سے ہوں پس اس تفویض وتسلیم کو اسلام کہتے ہیں کہ رضائے حق ہی کے لئے جئے اور رضاء حق کے لئے مرے اسی کی خوشنودی کے لئے صلح کرے اسی کے لئے لڑے، اسی کے لئے محبت کرے اس کے لئے عداوت باندھے، اسی کے لئے دے اور اسی کے لئے ہاتھ روکے جیسا کہ

ارشاد نبوی ﷺ ہے من احبَّ للّٰہ وابغض للّٰہ واعطیٰ للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان (ابو داؤد: ٤٦٨١) ”جو اللہ کے لئے محبت کرے اسی کے لئے عداوت کرے اسی کے لئے دے اور اسی کے لئے ہاتھ روک لے تو اس نے ایمان کامل کرلیا ہے“ اور ظاہر ہے کہ یہ افعال فرشتہ کرہی نہیں سکتا کہ اس میں نہ شہوت ہے، نہ شیطنت، نہ غفلت ہے، نہ نخوت اس لئے جو اطاعت انسان کرسکتے ہے وہ فرشتہ کرہی نہیں سکتا کہ اس میں وہ مادے ہی نہیں جن کی روک تھام سے عبادت کی بے شمار شکلیں بنتی ہیں اس لئے فرشتوں کو ان علوم کی ضرورت بھی نہ تھی جو انسان کو تھی اس طرح جتنی مادی رکاوٹیں انسان کے پیچھے ہیں اتنے ہی دفاع ومدافعت کے طریقوں کا علم اس لئے ضروری تھا۔

انسان کا علم فرشتوں سے جامع ہے

اس سے واضح ہوا کہ انسان کا علم بھی فرشتوں کی نسبت کامل اور جامع ہے اور اسکی عبادت بھی ان کی نسبت کامل اور جامع ہے اور بوجہ مدافعت جتنی عبادات انسان کی مضبوط ہے فرشتہ کی نہیں ہوسکتی اور ظاہر ہے کہ جب علم بھی اس کا کامل ہو تو ساری کائنات میں سے صرف یہ انسان ہی مستحق تھا کہ نائب خداوندی بنے کیونکہ کمالات خداوند لامحدود ہونے کے باوجود دونوعوں میں اصولاً منحصر ہیں کمالاتِ علم اور کمالات عمل اور انہی دو میں انسان ساری مخلوقات حتیٰ کہ فرشتوں سے بھی بڑھ کر نکلا تو خدا کا نائب بھی ان کمالات میں وہی ہوسکتا تھا اور عمل چونکہ علم کے تابع ہے اسلئے اصل بنیاد خلافت علم ہی ٹھہر جاتی ہے جو انسان ہی میں حد کمال تک پہنچا ہوا ہے اسلئے اسی کو خلیفہ الٰہی بنایا گیا۔

خلافت انسانی کے بارے میں ملائکہ کا سوال

اس لئے جب فرشتوں نے عرض کیا کہ اگر زمین میں خلیفہ بنانا ہے تو ہمیں کیوں نہ خلیفہ بنادیا جائے کہ ہم سے زیادہ آپ کی تقدیس وتسبیح کرنے والا اور کون ہے؟

تو حق اللہ تعالیٰ نے اولاً حاکمانہ جواب دیا کہ اس معاملہ کو ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے جس سے ملائکہ خاموش ہوگئے اور پھر حکیمانہ جواب دیا کہ آدمؑ کو اسماء کی تعلیم دے کر ملائکہ کو چیلنج کیا کہ ذرا تم اشیاء کائنات کے نام تو بتاؤ وہ نہ بتا سکے تو آدمؑ سے فرمایا تم بتاؤ، انہوں نے فرفر نام گنا دیئے تو بتلا دیا گیا کہ علم کا ابتدائی مرتبہ علم اسماء ہے جب اسی میں تم انسانی سے بازی نہ لے جاسکے تو اسماء کے بعد صفاتِ اشیاء، پھر خواص اشیاء، پھر حقائق اشیاء وغیرہ کے علوم میں تم ان سے کب بازی لے جاسکو گے اس لئے مستحق خلافت انسان ہی ہے، رہا عملی میدان تو اس میں ملائکہ نے نوع انسان کی مذمت کی تھی کہ وہ سفاک ہوگا، مفسد ہوگا تو قدم قدم پر حق تعالیٰ اپنی نیک بندوں کے اعمال اول تو ملائکہ ہی سے لکھواتے ہیں۔

بارگاہ الٰہی سے قولی وعملی جواب

تاکہ قیامت تک ان کے اس شعبہ کا عملی جواب ہوتا رہے اور وہ انسانوں کی نیکی پر گواہ بنتے رہیں اور ساتھ ہی حدیث میں آیا ہے کہ جب کہیں مجلس خیر وعظ ونصیحت وغیرہ منعقد ہوتی ہے تو ہزاروں فرشتے اس مجلس پر نازل ہوتے ہیں جو اس لئے پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ یہ مجلس ہے جس میں آج ہم اور آپ جمع ہوکر ذکر حق سن رہے ہیں اس میں بلاشبہ کروڑوں فرشتے تشریف فرماہیں، جب یہ مجلس خیر ختم ہوگی ہے تو فرشتے آسمانوں میں چڑھتے ہیں اور انہیں حق تعالیٰ سے قرب ہوتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہیں تم کہاں گئے تھے؟ عرض کرتے ہیں میں آپ کے بندوں کی مجلس میں فرماتے ہیں تم نے میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا؟ عرض کرتے ہیں کہ آپ کی یاد میں مصروف تھے آپ کی جنت کے طالب تھے اور جہنم سے خائف تھے فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے جنت، دوزخ کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں دیکھا تو نہیں انبیاءؑ سے سن کر ایمان لائے

ہیں ،فرماتے ہیں کہ اگر جنت ونار کو دیکھ پائیں تو کیا کریں؟ عرض کرتے ہیں کہ اگر دیکھ پائیں تو سوائے جنت مانگنے اور دوزخ سے پناہ مانگنے کے انہیں کوئی کام ہی نہ ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گواہ ہوجاؤ کہ میں نے ان سب کو بخش دیا جو اس مجلس میں حاضر تھے یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جنت بخشا تھا تو ان اربوں کربوں فرشتوں کے نازل فرمانے اور انہیں آسمانوں پر چڑھا کر ان سے پوچھنے اور انہیں گواہ بنا کر مغفرت کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کے بغیر بھی مغفرت فرما سکتے تھے؟ پھر یہ کہ ایسی مجلسیں دنیا میں نہ معلوم کتنی ہورہی ہوگی جیسی مجلس یہاں ہورہی ہے اور ہر جگہ ملائکہ کا ان مجلسوں پر اترنا اور پھر چڑھنا اور پھر گواہ بننا آخر کیا ضروری تھا؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ ملائکہ کو عملی جواب دینے کیلئے کہ جس کے بارے میں تم کہتے تھے کہ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ تم نے دیکھا کہ وہ کس درجہ عمل صالح اور برتقویٰ میں لگا ہوا ہے اور کس درجہ بن کر دین کو پھیلانے اور اس پر خود جمے رہنے کی سعی کررہا ہے۔

انسانی اعمال پر فرشتوں کی گواہی کی حکمت

کیا یہ فساد ہے؟ کیا یہ سفک دماء ہے؟ پس ایک طرف تو علم کے میدان میں انسانوں کو فرشتوں سے فائق ثابت کرایا اور ایک طرف عبادت واطاعت میں اسے فرشتوں سے اونچا ثابت فرمایا، اور خود فرشتوں ہی کو اس کی نیکی پر گواہ بنایا، تاکہ اس کی سفاکی اور افساد کی تخیل ان کے ذہن سے نکل جائے اور وہ بصدقِ دل اس کی خلافت کے معترف ہوجائیں چنانچہ ہر غیر معمولی عمل وعبادت کے مواقع پر ملائکہ کو اسی طرح گواہ بنایا جاتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حاجی احرام باندھ کر حج وزیارت کرتے ہیں ، طواف وسعی میں دوڑتے ہیں منیٰ وعرفات میں ٹھہرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ ملائکہ کو خطاب فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخر گھر بار چھوڑ کر ، بیوی بچوں سے منہ موڑ کر سر سے کفن

باندھ کر اپنی لذت وآرام کو مٹا کر یہاں کیوں آئے ہیں؟ یہ سب کچھ میری خوشنودی اور رضا کے لئے آئے ہیں اور پروانوں کی طرح نثار ہورہے ہیں اے ملائکہ تم گواہ رہو کہ میں نے ان کو بخش دیا حقیقت میں یہ فرشتوں کو وہی عملی جواب ہے کہ وہ انسان جس کے متعلق تم نے اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا کہا تھا دیکھو کیسا طاعت وعبادت اور ترک لذات میں اپنے رب کی خاطر مصروف ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ دن کے اعمال لکھنے والے ملائکہ الگ ہیں اور رات کے الگ دن والے فرشتے عصر کی نماز کے وقت اوپر چڑھتے ہیں اور اعمال نامے رات والے ملائکہ کو حوالہ کردیتے ہیں اور رات والے فرشتے صبح کو نماز کے وقت دن والوں کو چارج دے کر اوپر چڑھتے ہیں غرض دونوں وقتوں کے ملائکہ کا عروج ونزول کا وقت فجر اور عصر کی نمازوں کے وقت کرلیا گیا۔ ان کے چڑھنے پر حق تعالیٰ جب دریافت فرماتے ہیں کہ ہمارے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا تو جواب میں عرض کرتے ہیں کہ وتركنا هم وهم يصلّون وأتينا هم وهم يصلون (نسائی : ٤٨٥) ”جب ہم نے انہیں چھوڑا جب بھی نماز میں مصروف تھے اور جب ہم نے انھیں جا کر دیکھا تب بھی نماز میں مشغول تھے“

فرشتوں کو انسان کی فضیلت وخلافت کا معترف بنایا

سو یہ وہی عملی جواب ہے کہ جن کے بارے میں تم مفسد اور سفاک ہونے کے مدعی تھے دیکھو وہ رات دن کیسا مصروف عبادت ہے یہ معاملہ روزانہ صبح اور شام ہوتا رہتا ہے گویا صبح ، شام ملائکہ کو عملی جواب دے کر انسان کی برتری ان پر جتائی جاتی ہے تاکہ روزانہ ان کو عملی جواب ملتا رہے اور وہ انسان کی فضیلت اور اس کی خلافت کے معترف ہوتے رہیں پھر نہ صرف علم وعمل ہی انسان کا فرشتوں سے بالا وبرتر ہے بلکہ احوال وکیفیات بھی دیکھی جائیں جو قرب الٰہی سے اسے حاصل ہوتی ہیں سو وہ بھی احوال ملائکہ

سے بالا وبرتر ہیں آخر جو احوال و کیفیات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ پر طاری ہوتی ہیں وہ فرشتوں پر نہیں آسکتیں ، کیونکہ نہ ملائکہ علم وعمل کے ان میدان سے گذرتے ہیں جس سے انسان گزرتا ہے نہ ان پر وہ کیفیات عشق ومحبت طاری ہوتی ہیں جو انسان پر ہوتی ہیں اور جب علم ،عمل ، حال سب ہی میں انسان ملائکہ سے فائق ہے تو انسان ہی کا حق تھا کہ اسے نیابت کی نعمت سے نوازا جائے اور اپنا نائب خداوندی بنایا جائے کہ بناء خلافت یہی دو چیزیں تھیں ، علم خداوندی اور اخلاق خداوندی وہ دونوں جب اس میں علی وجہ الاتم ثابت ہوتے ہیں تو خلافت بھی علی وجہ الاتم اس میں آسکتی تھی البتہ یہ ضروری ہے کہ تکمیل خلافت دنیا میں نہیں ہوتی بلکہ آخرت میں ہوگی جس کی وجہ یہ ہے کہ بنائے خلافت جبکہ علم کامل اور عمل کامل ہے تو یہ علم وعمل جب تک کہ اسی انداز کا نہ ہوگا جس انداز کا خود حق تعالیٰ کا ہے اس وقت تک اس انسان علمی وعملی خلافت کی تکمیل نہیں ہوسکتی اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے علم اور عمل وصناعی کی شان یہ ہے کہ وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے اور اس کا علم بھی اسباب سے بے نیاز ہے یہ نہیں کہ حق تعالیٰ نے کوئی کتاب پڑھ کر یہ علم حاصل کرلیا معاذ اللہ بلکہ علم کا سرچشمہ خود اس کی ذات ہے۔

علمی وعملی خلافت کی تکمیل حقیقی معنی میں آخرت میں ہوگی

یعنی علم خود اس کی ذات بابرکات سے ابھرتا ہے ایسے ہی اس کی صناعی بھی وسائل وآلات کی محتاج نہیں بلکہ جب کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو فرمادیتے ہیں "کُنْ" (ہوجا) تو وہ ہوجاتی ہے اس لئے وہ پل بھر میں جہاں بنادیتے ہیں اور ان کے ارادہ ہی سے وہ چیز خود بخود معرض وجود میں آجاتی ہے اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس صورت حال کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ کیفیت جنت میں داخل ہوکر پیدا ہوگی چنانچہ علم تو یہ ہوگا کہ تمام صفتیں اس کی قوت متخیلہ کی تابع

ہوجائینگی کسب ومحنت اور اختیار اسباب کی ضرورت نہ ہوگی جس جس چیز کی خواہش ہوگی ارادہ کرتے ہی وہ چیز سامنے آجائیگی اسی کو یوں قرآن کریم میں فرمایا گیا اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ یعنی ماضی ومستقبل سب کچھ انسان پر روشن ہوکر اس کے علم میں آجائے گا اگلے پچھلے تمام کئے ہوئے اعمال اس کے سامنے آجائیں گے اور یہ علوم اسے خود بخود حاصل ہوں گے نہ کوئی استاد ہوگا ، نہ کتاب بلکہ تمام نفس انسانی خود مدرک بن جائیگا اور ہر عمل کی یہ کیفیت ہوگی کہ تمام صنعتیں اس کی قوت متخیلہ کی طبع ہوجائیں گی کسب ومحنت اور اختیار اسباب کی ضرورت نہ ہوگی جتنی جس چیز کی خواہش ہوگی ارادہ کرتے ہیں وہ چیز سامنے آجائے اسی کو قرآن کریم میں فرمایا گیا وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ گویا كُنْ فَيَكُوْنُ کی طاقت پیدا ہوجائے گی کہ جو چاہا وہی ہوگیا نہ اسباب کی ضرورت نہ وسائل کی اور جب علم انسانی اسباب سے مستغنی ہوجائے گا اور عمل وکسب وریاضیت سے مستغنی ہوکر محض قوت ارادہ کے تابع ہوجائے گا بالفاظ دیگر حق تعالیٰ کی علم وصنعت کے مشابہ ہوجائے گا تو اس وقت انسان کی علمی اور عملی خلافت مکمل ہوگی کہ وہ جس کا نائب ہے وہ علم وعمل میں نائب ہے اور اس کے علم وعمل سے اشبہ اس کا علم وعمل ہوجائے گا اور جب کے بنائے خلافت بھی علم وعمل تھا جو علم وعمل خداوندی کے مشابہ بن گیا تو خلافت بھی صحیح معنی میں اس وقت مستحکم اور مضبوط ہوگی مگر جنت میں یہ استحکام خلافت جب ہی ہوگا جب دنیا میں علم وعمل کے اسباب و وسائل اختیار کرکے اسے جزو نفس بنانے کی انسان نے سعی کی ہوگی ورنہ یہاں کی محرومی سے وہاں بھی محرومی رہے گی یہی وجہ ہے کہ خلیفہ کامل بن جانے کے بعد حق تعالیٰ ان بندوں کو انہی القاب وخطاب سے یاد فرمائیں گے جو القاب وخطاب خود ان کے تھے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو نشاط میں لانے کے لئے ان

کے نام خطوط بھیجیں گے فرشتے خط رسانی کا کام کریں گے ان خطوط کے لفافوں پر پتہ یہ لکھا ہوگا مِنْ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ اِلٰی الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ عزیز رحیم کی طرف سے یہ خط عزیز ورحیم کو پہنچے یعنی القاب بھی وہی دے دیں گے جو خود ان کے سرکاری خطابات ہیں پس اس عالم میں انسان صورتاً خلیفہ خداوندی ہے اور محض خلافت کے راستہ پر پڑتا ہے آخرت میں پہنچ کر حقیقی معنی میں خلیفہ خداوندی بن جائیگا مگر یہ منزل جب ہی آئے گی جب اس کا راستہ دنیا میں اختیار کردیا جائے گا اگر یہاں نیابت کی یہ ظاہری صورت اختیار نہ کی جائے جو طاعت وعبادت سے بنتی ہے تو وہاں تکمیل کس چیز کی ہوجائے گی اور کیسے ہوجائے گی ؟ بہرحال یہ واضح ہوگیا کہ جنات ، ملائکہ اور حیوانات میں سے اس خلافت کے عہدہ کے لئے کس کا انتخاب عمل میں نہ آیا، آیا تو صرف انسان کا آیا......

ع قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

سوان میں سے حیوانات تو قابل خطاب ہی نہ تھے اس لئے قابل ذکر بھی نہ تھے قابل ذکر ملائکہ، جنات اور انسان ہی تھے ۔

آیت زیب عنوان

سوان ہی کا اللہ نے اس آیت میں جو میں نے ابتداء میں تلاوت کی تھی ذکر فرما کر ہر ایک کی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے ملائکہ کا ذکر فرما کر ان کی علمی کم مائیگی پر روشنی ڈالی گئی کہ وہ علم کے میدان مقابلہ میں انسان سے ہار گئے ،شیطان کا ذکر فرما کر جو جنات میں سے ہے اس کے فہم وعمل کی کوتاہی پر روشنی ڈالی کہ وہ امر خداوندی کے معارضہ پر اُتر آیا اور سرکشی پر آمادہ ہوگیا جو اس کے بدفہمی اور بدنیتی تھی پس نہ کم علم خلیفۂ الٰہی بن سکتا تھا نہ بدفہم اور بدنیت ، انسان نے علم کا بھی ثبوت دیا کہ اشیاء کے نام سیکھ لئے اور تعمیل ارشاد کا بھی ثبوت دیا کہ جنت کی سکونت کا حکم دیا گیا تو وہاں جب داخل ہوا

اور علم اسماء سے اس کا علم ترقی کر گیا جس سے زندگی اُس کی جامع ہوئی اور اُن ناموں کے ذریعہ اُس نے تمام اشیاء زندگی پر قابو پالیا اور کائنات اسکے لئے مسخر ہوگئی ملائکہ اس کی خدمت پر لگا دیئے گئے اور شیطان کو مردود بنا کر اس کے مقابلہ پر چھوڑ دیا گیا کہ چوکنا رہے اور اس کا مقابلہ کر کر کے اپنی مخفی علمی اور عملی قوتوں کا ثبوت دے اور اسی طرح اس کی خلافت روزافزوں چمکتی رہی یہ علم انبیاءؑ کو دیا اور انبیاءؑ نے یہ علم جو بنائے خلافت ہے بنی نوع انسان کو سکھایا پس انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کے تو شاگرد ہیں اور کائنات کے استاذ اور مربی ہیں حق تعالیٰ نے ان پاکباز استادوں کا گروہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد میں بھیجا اور دنیا کو حکم دیا کہ اُن سے علم سیکھے اور اُن کے سامنے زانوئے ادب تہ کرے پس یوں سمجھو کہ یہ پوری دنیا ایک مدرسہ ہے جس کا فرش زمین ہے چھت آسمان ہے اس میں ستاروں سے چاندنا کیا انسان و جنات اس مدرسہ کے طلبہ ہیں انبیاء علیہم السلام استاد ہیں اور ملائکہ خدام مدرسہ ہیں نگران اور منتظم ہیں طلبہ کے لئے وظیفہ کی ضرورت تھی تو اس زمین کو دسترخوان بنا دیا تا کہ طلبہ وظیفہ پاسکیں اور ان کے ضروریات پوری ہوں اور وہ ہمہ تن علم کی تکمیل میں لگ کر استحقاق خلافت کو مکمل کریں اور اس طرح انسان کی فوقیت باقی تینوں ذی شعور انواع پر واضح ہوگئی جس کی بناء علم ہے

مجددین وعلمائے ربانی انبیاء علیہم السلام کے نائب ہیں

یہ علمی اور عملی خلافت قیامت تک باقی رہے گی انبیاءؑ اولین خلفائے ربانی ہیں اُنکے بعد انکے وارث خلیفہ وہ ہوتے ہیں جو علمائے ربانی ہیں اور انکا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا حدیث شریف میں ہے **یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاھلین** (شرح مشکل الآثار: ۳۸۸٤)
پھر ہر صدی پر مجددین کا وعدہ دیا گیا ہے جو علمائے راسخین فی العلم ہوں گے یہ حضرات

علماء اس علم الٰہی کو غلو کنندوں کی تحریفوں ، باطل پسندوں کی دروغ بافیوں اور جاہلوں کی رکیک تاویلوں کا پردہ چاک کرتے رہینگے اور جو شکوک وشبہات اہل باطل اور اہل ذیغ اس علم میں ڈالینگے یہ اہل علم دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرتے رہیں گے پس یہ امت لاوراثی امت نہیں کہ جسکا جی چاہے اسکے دین وعلم کا حلیہ بگاڑ دے بلکہ وہ خود بگڑتا رہیگا اور کسی بھی مفسد وعیار کی دین میں پیش نہ چلے گی حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کیف تھلك أمة أنا أولها والمھدی وسطها والمسيح آخرها (مشكوة :٦٢٨٧)

دین کی حفاظت کا سامان

آپ نے فرمایا لاتجتمع امتی علی الضلالة آپ نے ارشاد فرمایا کہ لاتزال طائفة من امتی ظاهرين علی الحق لايضرهم من خذلهم حتٰی يأتی امر الله (مسلم :١٧٠) پس جس امت میں اتنی انواع کے اخلاف رشید کے وعدے دئے گئے ہوں وہ امت لاوارثی امت نہیں ہوسکتی اس کی پشت پناہی اللہ ورسول کی طرف سے برابر جاری رہے گی جیسا کہ رہتی آرہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مثل أمتی مثل المطر لايدری أوله خير أم آخره ؟(ترمذی :٢٨٦٩) پس انبیاء علیہم السلام کا ترکہ اس وارث اُمت کو ملتا رہیگا جو اپنا روحانی نسب حضور ﷺ سے جوڑے رکھے گی اور وہ ترکہ بھی علم ہے کیوں کہ انبیاء روٹی اور کرسی وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ علم ومعرفت چھوڑتے ہیں، اسی علم ومعرفت سے آدمی آدمی بنتا ہے اور انسانیت اسی علم پر موقوف ہے اگر دنیا میں انبیاء علیہم السلام تشریف نہ لاتے تو انسان ڈھوروں ، ڈنگروں کا ایک گلہ ہوتا ہے جو بقول ملائکہ، سفاکی اور مفسدہ پردازی کے کوئی دوسرا کام نہ جانتا، پس مادی تعلیم اور سائنس وغیرہ عمدہ عمدہ سامان تو پیدا کرسکتی ہے مگر عمدہ انسان پیدا نہیں کرسکتی ۔

مادی سائنس کی بے مائیگی

عمدہ انسان صرف انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی تعلیم ہی سے پیدا ہوسکتے ہیں سائنس سے باہر تو چاندنا ہوتا ہے مگر اندر اندھیرا ہوجاتا ہے نہ تقویٰ ظاہر ہوتا ہے نہ تقویٰ باطن، ظاہراً مادیات کی ترقی ہورہی ہے مگر اندر کے جوہر تباہ ہورہے ہیں انسان نے نئے ایجادات میں اپنی تمام طاقتوں کو گم کردیا ہے اور اس کی محتاجگی بڑھ گئی اگر وہ اڑنا چاہے تو لوہے ،لکڑی ، پیتل کا محتاج ہے اگر بعید مسافت پر خبر دینا چاہے تو لاسلکی اور وائرلیس کا محتاج ، اگر کسی دور دراز مقام پر پہنچنا چاہے تو ریل گاڑی اور موٹر کا محتاج ، یعنی اپنے نفس کی اندرونی طاقت سے یہ کام نہیں کرسکتا بلکہ ان آلات و وسائل کا دست نگر ہے مرد وہ تھے جنہوں نے اپنے اندر وہ طاقت پیدا کی کہ ہزار ہا میل کی مسافت پر بلا لاسلکی کے آوازیں پہنچائیں جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے بیت اللہ کے بن جانے کے بعد حج کرنے کی ہدایت کی آواز لگائی تو وہ سارے عالم میں گونجی ، فاروقِ اعظمؓ نے مسجد نبوی ﷺ سے ساریہؓ کو آواز دی (یا سارية الجبل) تو وہ ڈھائی سو میل پر بلا ریڈیو کے پہنچی، انہوں نے بلند پروازی دکھلائی وہ کسی ہوائی جہاز کے محتاج نہ ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام چوتھے آسمان پر پہنچے اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ساتوں آسمان سے گزر کر مستویٰ تک پہنچے مگر محض اپنی اندرونی روحانی قوتوں سے نہ کہ مادی وسائل سے اسلئے اپنے اندر جوہر پیدا کرو لوہے ، پیتل کے محتاج بن کر مت رہ جاؤ اسباب کے بندے نہ بنو، مسبب الاسباب کے بندے بنو، آج کی یہ ترقی انتہائی محتاجگی کی ترقی ہے حالآنکہ انسانی ترقی استغناء کی ترقی ہے لوہے ، پیتل اور دیگر معدنیات کا غلام بن جانا ترقی نہیں ، بلکہ ان چیزوں کو اپنی غلامی پر مجبور کردینا ترقی ہے آج کا انسان صرف اس جگہ باکمال ہے جہاں مشینیں ہوں ،بجلی ہو، پاور ہاؤس ہو، پٹرول ہو، جہاں یہ چیزیں

نہ ہوں وہ عاجز ، بے بس اور بے کس ہے انسان کامل وہ ہے کہ اگر زمین پر ہو تو بھی با کمال ہو اور اگر زمین کے اندر ہو تو بھی با کمال ۔

علم الٰہی روشنی مولانا رومؒ کی مثال

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے ایک حکایت بیان کی ہے جس کو مولائے روم نے نقل فرمایا ہے کہ ایک دفعہ رومیوں اور چینیوں کے درمیان جھگڑا ہوا رومیوں نے کہا کہ ہم اچھے صناع اور کاریگر ہیں ، چینیوں نے کہا ہم ہیں بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا بادشاہ نے کہا تم اپنی اپنی صناعی دکھلاؤ اس وقت دونوں صناعیوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کیا جائے گا اور اس کی صورت یہ کی گئی کہ بادشاہ نے ایک مکان بنوایا اور اس کے درمیان پردہ کی ایک دیوار کھڑی کردی ، چینیون سے کہا کہ نصف مکان میں تم اپنی کاریگری دکھلاؤ اور رومیوں سے کہا کہ دوسرے نصف میں تم اپنی صناعی کا نمونہ پیش کرو چینیوں نے تو دیواروں پر پلاستر کر کے قسم قسم کے بیل بوٹے اور پھول پتے رنگ برنگ کے بنائے اور اپنی حصہ کے کمرہ کو مختلف نقش ونگار اور رنگا رنگ بیل بوٹو ں سے گل وگلزار بنادیا ادھر رومیوں نے دیوار پر پلاستر کر کے ایک بھی پھول پتہ نہیں بنایا اور نہ ہی کوئی بھی رنگ لگایا بلکہ دیوار کے پلاستر کو صیقل کرنا شروع کردیا اور گھوٹتے گھوٹتے اتنا شفاف اور چمکدار کردیا کہ اس میں آئینہ کی طرح صورت نظر آنے لگی ۔ جب دونوں نے اپنی اپنی کاریگری اور صناعی ختم کرلی تو بادشاہ کو اطلاع دی بادشاہ آئے اور حکم کیا کہ درمیان سے دیوار نکال دی جائے جونہی دیوار بیچ سے ہٹی چینیوں کی وہ تمام نقاشی اور گل کاری رومیوں کے دیوار میں نظر آنے لگی اور وہ تمام بیل بوٹے رومیوں کی دیوار میں منعکس ہوگئے جسے رومیوں نے صیقل کر کے آئینہ بنادیا تھا بادشاہ سخت حیران ہوا کہ کس کے حق میں فیصلہ دے کیوں کہ ایک ہی قسم کے نقش ونگار دونوں طرف نظر آرہے تھے آخر کار اس نے

رومیوں کے حق میں فیصلہ دیا کہ ان کی صناعی اعلیٰ ہے کیوں کہ اپنی صناعی بھی دکھلائی اور ساتھ چینیوں کی کاریگری بھی چھین لی مولانا روم نے اس قصہ کو نقل کر کے آخر میں بطور نصیحت کے فرمایا کہ اے عزیز! تو اپنے دل پر رومیوں کی صناعی جاری کر یعنی اپنے قلب کو ریاضت ومجاہدہ سے مانجھ کر اتنا صاف کرلے کہ تجھے گھر بیٹھے ہی دنیا کے سارے نقش ونگار اپنے دل میں نظر آنے لگیں ......

ستم است اگر ہوست کشد کہ بر سیر سرو و سمن درآ
تو زغنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

یعنی تو اپنے دل کی کھڑکیوں کو کھول دے کہ اس میں سے ہر قسم کا مادی میل کچیل نکال پھینک اور اسے علم الٰہی کی روشنی سے منور کردے تو تجھے دنیا وآخرت کے حقائق ومعارف گھر بیٹھے ہی نظر آنے لگیں گے ......

بینی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

ایسے قلب صافی پر بے استاد و کتاب براہ راست علوم خداوندی کا فیضان ہوتا ہے اور وہ روشن سے روشن تر ہوجاتا ہے مگر یہ شان مادی علوم کی نہیں ،صرف روحانی اور شرعی علوم کی ہے جب کہ ان پر عمل کیا جائے حدیث میں ہے من عمل بما یعلم ورثه اللّٰه ما لم یعلم (حلیة الاولیاء) مل کی برکت سے حق تعالیٰ قلب میں وہ علوم ڈالتا ہے جو پہلے سے اس میں نہ تھے اس لئے انسان اگر انسانیت چاہتا ہے تو اولاً عالم بنے پھر عامل بنے تب آخر کار علم لدنی کی وارث بنتا ہے پس ابتدائی علم علم دراست ہے اور انتہائی علم علمِ وراثت ہے یہ کتابوں کے درس ومطالعہ کا علم علمِ دراست ہے اور اس کی عملی مشق سے پیدا شدہ بصیرت وگہرائی علم وراثت ہے ۔

مدارس دینیہ انسانیت کی فیکٹریاں ہیں

مگر علم وراثت نصیب ہوتا ہے علم دراست ہی سے ، پس یہ مدارس علم دراست سکھاتے ہیں اور علم وراثت کا راستہ صاف کرتے ہیں ، اگر یہ مدارسِ دینیہ نہ ہوں تو نہ علم دراست ملے نہ علم وراثت ، پس یہ مدارس اس لئے قائم کئے جا رہے ہیں کہ جو علوم ہمیں انبیاء سے وراثت میں ملے ہیں ان کو انسانوں تک پہنچا کر انسانوں کو انسان بنایا جائے اس لئے یہ مدارس گویا سچے انسانوں کو ڈھالنے کی فیکٹریاں ہیں پس سائنس کی فیکٹریاں اور مشینریاں سامان ڈھالتی ہیں اور یہ مدارس کی فیکٹریاں انسان ڈھالتی ہیں جس کے ظاہر و باطن علوم انبیاء سے روشن ہوں مادی علوم محض ظاہر کی ٹیپ ٹاپ اور نمائش سکھاتے ہیں اور یہ حقیقی علوم (علوم شرعیہ) باطن کی آراستگی سکھاتے ہیں مادی علوم صورت کا جمال بخشتا ہے اور روحانی علم سیرت کا جمال عطا کرتا ہے اور محض صورت کا جمال ایک عارضی حسن و جمال ہے جو جاتا آتا رہتا ہے۔

صورت محض اور سیرت میں فرق

یہاں تک کہ ایک دن میں مٹ جائے گا اسے تو دو دن بخار ہی آ کر مٹا دیتا ہے یہ تمام رعنائی اور زیبائی ختم ہو جاتی ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بڑھاپے سے یہ ظاہری جمال کے سارے نقش و نگار زائل ہو جاتے ہیں اور بڑھاپا بھی نہ آئے تو موت تو کہیں گئی ہی نہیں وہ تو ساری صورتیں اور خوبصورتیاں مٹا کر رہتی ہے البتہ سیرت پر اُس کا بس نہیں چلتا سیرت دنیا میں جیسی بھی بنالی جائے اُسے موت نہیں مٹا سکتی وہ قبر میں ، حشر میں اور اس کے بعد برابر قائم رہتی ہے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے تحشرون کما تموتون وتموتون کما تحیون "حشر تمہارا اُس حالت پر ہوگا جس حالت پر موت آئی ہے" اور موت اُس حالت آئے گی جس پر زندگی گزاری ہے آج کل نوجوان صورت کے

بنانے ، سنوارنے میں مصروف ہیں حالآنکہ اس چیز کے بنانے سے کیا فائدہ جو بنی ہے بگڑنے کے لئے میرا ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب [۱] کے ہاں لدھیانہ جانا ہوا ان کی مسجد میں ایک کتبہ آویزاں دیکھا جس کے الفاظ یہ تھے کہ "مردوہ ہے جسے دیکھ کر رعب طاری ہو مردوہ نہیں ہے جسے دیکھ کر شہوت اُبھرے"

یعنی محض صورت آرائی شہوت رانی ہے اور سیرت آرائی مردانگی ہے پس آپ صورت کو کہاں تک بنائیں گے جو صورت بگڑنے ہی کے لئے بنی ہے اس کو کہاں تک بنائیں گے ، سنواریں گے بنانا اس چیز کا ضروری ہے جو بن کر بگڑتی نہ ہو اور وہ سیرت اور اخلاق فاضلہ اور علوم وکمالات ہیں دنیا میں صورت فتنہ کا ذریعہ بنتی ہے اور سیرت عزوجاہ کا۔

معیار کمال وقبول سیرت ہے نہ کہ صورت

یوسف علیہ السلام کنعان کے کنوئیں میں ڈالے گئے مصر کے بازار میں کھوٹے داموں بیچے گئے ، زلیخا کے غلام بنے ، پھر جیل خانہ میں قید ہوئے یہ سارے فتنے حسن وصورت نے پیدا کئے لیکن جب مصر کی سلطنت ملنے کا وقت آیا تو وہاں سیرت نے کام کیا چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کی حکومت کا مطالبہ کرتے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حسين جميل بلکہ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ کہا تھا یعنی علمی اور عملی سیرت پیش کی تھی جس سے حکومت ملی صورت پیش نہیں کی تھی جس سے غلامی اور جیل کی قید وبند ملی تھی پس حسن صورت فتنہ پیدا کرتا ہے اور حسنِ سیرت عزوجاہ وکمال پیدا کرتا ہے انبیاء علیہم السلام اسی سیرت کے سنوارنے کیلئے اس دنیا میں تشریف لائے

---

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی صاحب حالاً مقیم منڈی بہاؤالدین (پنجاب پاکستان) جو جلسہ میں تشریف فرما تھے (س)

ہیں صورتوں کی آرائش کرانے کے لئے نہیں ان اللّٰہ تبارک وتعالیٰ لاینظر إلی صورکم ولا إلی اموالکم (اقوالکم) ولکن ینظر إلی قلوبکم وأعمالکم اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا اُس کی نظر تمہارے دلوں اور اعمال پر ہے وہاں یہ معیار نہیں کہ جو دولتمند اور خوبصورت ہو وہ اُسے قبول فرمالے اور جو غریب و مفلس ہو اسے رد کردے یہی معیار انبیاء علیہم السلام کے ہاں بھی ہے کہ وہ آدمی کا رد و قبول حسن وصورت سے نہیں بلکہ حسن سیرت سے کرتے ہیں دنیا والوں کے یہاں رد و قبول کا معیار حسن صورت اور دولت ہے حضرت بلال حبشیؓ کی صورت سیاہ تھی غلام اور حبشی تھے مگر حضرت عمرؓ اس کو سیدنا ومولانا فرماتے اور صحابہ کی گردنیں بلال کے آگے جھک جاتیں ، حسن صورت کی وجہ سے نہیں کہ وہ تھا ہی نہیں ، بلکہ حسن سیرت کی وجہ سے کہ وہ بحد کمال ان میں موجود تھی حضرت امامِ ابوحنیفہؒ فرماتے تھے مَا رأیت افضل من عطاء ابن ابی رباح حالانکہ وہ صورت کے کالے تھے وہ صورت کی تعریف نہیں تھی سیرت کی تھی جس نے کالوں کو گوروں کے اوپر حاکم بنایا اور سیرت دو ہی چیزوں سے بنتی ہے قوت علم اور قوت اخلاق (یعنی عمل) ان ہی دونوں قوتوں سے آدمی باقی مخلوق پر فائق ہوتا ہے اور اسے خلافت ملتی ہے قرب حق نصیب ہوتا ہے اور صورت دو چیزوں سے بنتی ہے دولت سے اور جہالت سے۔

مدارس دینیہ سیرت سنوارنے کے لئے ہیں

پس یہ مدارس دینیہ انسانیت کے ان ہی دو جوہروں کے پیدا کرنے کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں اگر یہ مدارس نہ ہوں تو انسانیت دنیا سے ختم ہوجائے کالج اور یونیورسٹیوں میں لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں مگر وہاں انسانیت نہیں سکھائی جاتی ، صرف صورت انسانی بنائی جاتی ہے لیکن ان ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں جن کا نام مدرسہ

اور خانقاہ ہے حقیقت انسانیت دکھلائی جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلنے حتی کہ فقر و فاقہ تک سے بھی انسانیت حاصل کر لینی سکھلائی جاتی ہے زہد و قناعت اسی علم کی بدولت قائم ہے یہ علماء سو، پچاس روپیہ کی تنخواہ پر بخوشی گزارہ کر لیتے ہیں ورنہ آج کل سو روپیہ کیا وقعت رکھتے ہیں ، یہ اسی سیرت کی خوبی و کمال ہے کہ یہ لوگ اس تھوڑے پر راضی و مطمئن ہیں ۔

زہد و قناعت

حضرت مولانا تھانویؒ اس شعر کو بار بار پڑھتے اور لذت لے لے کر پڑھا کرتے تھے ....

ماہیچ نداریم غم ہیچ نداریم
دستار نداریم غم پیچ نداریم

اور کبھی فرماتے ....

لنگ کے زیرو لنگ کے بالا
نے غم دزدو نے غم کالا

اور کبھی فرماتے ....

کس نیاید بہ خانۂ درویش
کہ خراجِ زمین وباغ بدہ

کل تک ہم زہد و قناعت کی فضیلت محض شرعی تعلیم پیش کر کے بتلاتے تھے لیکن آج زمانہ اس کی خوبیوں کا خود دنیا والوں کو مشاہدہ کرادیا ہے ، ہزاروں من غلے والے غیر مطمئن ہیں ، لاکھوں کروڑوں روپیہ پریشان حال اور نالاں ہیں ،انہیں ہر وقت مارشل کے قوانین نے سکھا رکھا ہے لیکن جن کے پاس غلہ ہی نہیں یا بقدر ضرورت ہے وہ مطمئن ہیں پس دنیا کی کثرت اور سرمایہ داری کی افراط حسن نہیں ، ایمان اور تقویٰ حسن ہے ......

بقدرِ ضرورت یسارے بود
کندکار ازمرد کارے بود

ورنہ دنیا کی کثرت کا تو یہ حال ہے کہ جب آتی ہے تب بھی مصیبت لے کر آتی ہے اور جب جاتی ہے تب بھی مصیبت چھوڑ کر جاتی ہے ......

اذا ادبرت کانت علی المرء حسرتاً
وانْ اقبلت کانت کثیراً ھمومھا
جب دنیا جاتی ہے تو حسرت چھوڑ جاتی ہے
اور جب آتی ہے تو ہزاروں غم ساتھ لاتی ہے

بہرحال اس کے بٹورنے کی مساعی کی جگہ اگر آپ اپنی سیرت کو بنانے کا فکر کریں تو دنیا بھی ہاتھ سے نہ جائے گی اور آخرت بھی درست ہوجائے گی اور یہ ان مدارس ہی کے ذریعہ ممکن ہے ان مدارس کی اگر آپ نے امداد کی تو آپ نے ان مدارس پر کوئی احساس نہیں کیا کیونکہ یہ چندہ حقیقت میں آپ نے قرضہ دیا ہے جو آپ کو مع سود کے واپس ملے گا دنیا میں تو قرضہ دیکر نفع لینا سود ہے جو حرام ہے مگر وہاں آخرت میں ، سود جائز ہے جو ملے گا اور ایک کے بدلے سات سو تک اور اس سے بھی زائد ملے گا پس آپ نے اگر ان مدارس کو چندہ دے دیا تو گویا آپ نے خدائی بینکوں میں رقم جمع کردیا، اگر آپ کے چندہ سے یہ مدارس قائم رہے اور ان کے ذریعہ آدمی آدمی بنتے رہے تو آپ ہی کی قوم بنے گی یہ مدارس صرف علم نہیں سکھاتے ، بلکہ ملک میں امن واماں کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں ان مدارس کے بدولت اگر متدین، خداترس آدمی پیدا ہوں گے تو نہ ڈکیت ہوں گی نہ چور نہ زنا کاری ہوگی ، نہ شراب نوشی ، تو امن کے ساتھ گورنمنٹ کے کروڑوں روپیہ، پولیس اور فوج کی غیر معمولی بھرتی کی حاجت نہ رہے گی

ہر شخص اپنے حق میں خود پولیس مین بن جائے گا ، پس یہ مدارس امن واماں چاہتے ہیں اور صحیح معنی میں ملک کی خدمت کررہے ہیں اور پورے ملک کے یہ محسن ہیں ان مدارس کی تقویت وبقاء میں آپ کی تقویت وبقاء ہے ۔

خاتمہ

اس لئے میں نے یہ آیتیں بیان کی ہیں کہ انسان کو علم ہی کی وجہ سے افضلیت اور نیابت ملی اور کائنات کی ساری ذی شعور مخلوقات پر بازی لے گیا ، اس لئے اس فضلیت کو اپنی حق میں باقی کر لیجئے اور جو منصب حق تعالیٰ نے بلاقیمت عطا فرمادیا ہے اس کے تحفظ کی سعی کیجئے حق تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ علم بھی حاصل کریں اور عمل سے بھی آراستہ ہوں (آمین)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ، اللهم اعذنا من الفتن ماظهر منها وما بطن اللهم اعذنا من الفواحش ماظهر منها وما بطن آمين

محمد طیب غفرلہ
مدیر دارالعلوم دیوبند وارد حال اکوڑہ خٹک
۲۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء

انسانی زندگی کے مختلف ادوار اور حیاتِ طیبہ

پہلا دور حیوانی اور انسانی زندگی

یورپ نے چندروزہ عیش وعشرت کو مقصدِ حیات بنالیا ہے' پوری زندگی کا محور معدہ اور مادہ بنانا' عصرِ حاضر کا چلتا ہوا فلسفہ ہے' نتیجتاً پوری انسانیت معدہ اور مادہ کے گرد گھومنے والی چکی میں پس کر رہ گئی ہے قرآن کریم کی نظروں میں جو زندگی پاکیزہ بامراد اور کامیاب ہے' حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مرحوم نے اپنے مخصوص حکیمانہ او رمتکلمانہ انداز میں ایک مبسوط خطاب میں اس پر روشنی ڈالی ہے' یہ تقریر احقر نے من وعن ضبط کروا کرا پنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے اس کی ٹیپ مہیا کرنے پر ہم مولانا قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی کے ممنون ہیں ...... (سمیع الحق)

الحمد للّٰہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

بزرگانِ محترم! قرآن شریف کی ایک آیت میں نے اس وقت تلاوت کی جس میں حق تعالیٰ شانہ' نے انسان کی سعادت اوراس کی ترقی کا ایک بنیادی اصول ارشاد فرمایا ہے' جس کی کچھ تشریح اس وقت آپ کے سامنے عرض کروں گا پہلے آیت کا ترجمہ سن لیجئے'

حق تعالیٰ فرماتے ہیں' ''جس نے بھی نیکی کی اور عمل صالح اختیار کیا' مرد ہو یا عورت' تو ہم اس کو ایک نہایت ہی پاکیزہ زندگی عطا فرمادیں گے'' جو حیات طیبہ ہوگی' صاف اوراعلیٰ ترین زندگی اوراس کی اس نیکی پر ہم بہت اجر وثواب بھی اس کو عطا کریں گے۔

مستعار زندگی ایک امانت

نیکی کرنے پر دو وعدے کئے گئے' ایک پاکیزہ زندگی کا اور ایک اجر کا' اسے یوں سمجھئے کہ یہ مستعار زندگی جو چند دن کی ہمیں دی گئی ہے حقیقت میں ہمارے پاس ایک امانت ہے' اس امانت کو اگر نباہنا ہے تو ایمانداری کے ساتھ اس کو مالک کے سپرد کردینا ہے' اس لئے کہ اس زندگی کے ہم خود مالک نہیں ہیں نہ ہم نے بنائی نہ پیدا کی نہ ازخود اس کو ختم کرسکتے ہیں' دینے والے بھی حق تعالیٰ ہیں اور لینے والے بھی وہی' تو جس کے ہاتھ میں لینا اور دینا ہے وہی مالک قرار دیا جاسکتا ہے' ہماری بلا ارادہ زندگی آ گئی' بلاارادہ ہم سے چھین لی جائے گی ......

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

مستعار زندگی ہم کس طرح گزاریں؟

تو محض ایک مستعار زندگی کو کس طرح ہم گزاریں تو ہماری زندگی کا ایک مادہ ہے اور ایک ہے اس کی صورت کہ زندگی کے مادے کو بھی سمجھ لیا جائے اور اس کی صورت کو بھی، آگے اسی زندگی کے بارے میں بہت سی صورتیں آئیں گی' مگر مادہ ایک ہی رہے گا' اس کی شکلیں بدلتی رہیں گی مثلاً گارا ایک ہے اسی گارے سے برتن بھی اور دیگر سب سامان بھی بنا سکتے ہیں یہ سب گارے کی شکلیں ہیں' مادہ مشترک رہے گا' اینٹ میں بھی گارا' بلڈنگ میں بھی اور برتنوں میں بھی ایک ہی مادہ پر مختلف شکلیں آتی ہیں' اس

طرح زندگی جو ہمارے لئے ترقی یا تنزل کا باعث ہوتی ہے' اخیر تک اس میں ایک ہی
مادہ موجود رہتا ہے اور یہ مادہ دو چار چیزیں ہیں' سب سے پہلی چیز کھانا پینا ہے' اسی سے
مدارِ زندگی ہے اگر نہ کھائے نہ پئے تو اسے مردہ کہا جائے گا **جسداً لایأکلون الطعام** وہ
بدن جو کھانا نہیں کھاتے' اس کے بعد پہننا اور اوڑھنا ہے' پھر رہنا سہنا یعنی مکان بنانا
ہے جس میں ہم اپنی زندگی اور اپنے رشتے کو محفوظ کرسکیں اور اسکے بعد موانست اور انس
باہمی سے زندگی بڑھانا ہے' جس کو تمدن، تعاون، توالد اور تناسل کہیں گے۔

زندگی کی چار بنیادی چیزیں

یہی چار چیزیں کھانا پینا' اوڑھنا، رہنا سہنا اور باہم مل جل کر رہنا یہ بنیادی
چیزیں ہیں جن سے ہماری زندگی بنتی ہے اور یہی چار چیزیں آئندہ لوٹ پوٹ کر آتی
ہیں اور اس میں کچھ اسباب ہیں اور کچھ وسائل، اصل میں چار ہی چیزیں ہیں کھانے پینے
کیلئے ضرورت ہے غلہ کی کاشتکاری وغیرہ کی الغرض ایک لمبا دھندا ہے جس سے ہمیں چار
دانے سپرد ہوتے ہیں، اس کے لئے بازار بنتا ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں مل جائیں، یہ
خرچ کرتا اور کماتا ہے تو کھانا پینا اصل تھا اس کی ضرورت سے بازار قائم کئے جائیں گے
اور اسی کی خاطر پیسہ حاصل کیا جائے گا تو زمین، بازار، پیسہ، کھانے پینے، رہنے سہنے کے
اسباب میں سے ہوئے، اسی طرح آپ امن وسکون قائم کریں، باہمی لین دین کریں
تو اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ باہمی لین دین سے زندگی کے اسباب آسانی سے حاصل
کئے جاسکیں اور کھانے پینے، رہن سہن کی ضرورت سے یہ بھی ہے کہ آسمان بھی ہے جس
سے پانی برسے، آفتاب بھی ہے جو گرمی پہنچائے' ہوا بھی ہے جو زندگی قائم رکھے تو یہ لمبا
چوڑا کارخانہ اس لئے ہے کہ چار دانے، چار کپڑے اور مکان ہمیں میسر آجائے تو پورا
عالم خدمت کررہا ہے، ہمارے لئے۔

انسانی زندگی کے چار ادوار

جب اتنی بات سمجھ میں آگئی تو انسان کی زندگی کا پہلا دور یہ ہے کہ اس کا تمام
ترمقصد کھانا پینا ہوتا ہے' جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کے لئے
چلاّتا ہے جہاں ماں نے اس کے منہ میں دودھ ڈالا وہ چپکا ہوگیا معلوم ہوا کہ اس کا شور
مچانا غذا کے لئے تھا' اگر وہ نہ چلاتا تو ماں کو خبر نہ ہوتی اگر بچہ نہ روتا تو ماں کی چھاتیوں
میں دودھ جوش نہیں مارتا، بچہ کا رونا ایک فریاد ہے ماں کی مامتا اور محبت جوش میں آتی
ہے اور جوش سے دودھ جوش میں آتا ہے اور دھاریں پھوٹتی ہیں تو سب سے پہلے پیدا
ہوتے ہی نہ کپڑا مانگتا ہے، نہ مکان پھر گرمی سردی ستاتی ہے تو چلاّتا ہے اور ماں کپڑا
اوڑاھتی ہے معلوم ہوا کہ سردی گرمی ستارہی تھی زیادہ کپڑے لاد دیئے، پسینہ آگیا تو
چلاّنے لگا' تو ماں کے دل میں الہام ہوتا ہے کہ اب اسے گرمی ستارہی ہے یہ کپڑے اتار
دیتی ہے' اور پنکھا جھلنے لگتی ہے تو پہلی ضرورت تھی کھانے کی، دوسری لباس، تیسری گرمی
اور سردی اور دھوپ سے بچنے کیلئے مکان کی اور ذرا بڑا ہوگیا، کچھ ہوش آیا تو اس میں
اُنس ومحبت کا مادہ بھی آگیا اب چھوٹے بچوں کو تلاش کرتا ہے، اپنے کیلئے، کسی بچے کو
آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ بڑے بوڑھوں کی صحبت میں بیٹھے گا' یا وہ علماء وصلحا کی مجلس کو
تلاش کرے گا کہ وہاں جا کر بیٹھ جائے نہیں بلکہ اپنے ہم عمروں سے کھیل میں لگے گا......

ع کند ہم جنس باہم جنس پرواز

ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے' جوان جوانوں کی طرف' بوڑھا
بوڑھوں کی طرف مائل ہوگا' معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں انس موجود ہے وہ جانوروں کی
طرح بھٹوں اور گھونسلوں میں نہیں رہ سکتا' ایک آبادی بنا کر رہتا ہے' شہری زندگی قائم کرتا
ہے تا کہ انس وموانست آتی رہے اور انسان مشتق ہے انس سے......

وما سمّی الانسان إلاّ لأنسہٖ   ولا القلب إلّا أنہ' یتقلّب

عربی کا شاعر کہتا ہے کہ انسان کا نام انسان اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس میں انس ہے اور قلب کے معنی لوٹ پوٹ کے ہیں' قلب ہروقت متحرک رہتا ہے' خیالات اس میں الٹتے پلٹتے رہتے ہیں' اس تقلب کی وجہ سے اسے قلب کہنے لگے' اگر بچے کو آپ تنہائی میں ڈالیں تو چلائے گا اور اگر کوئی اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور کسی سے بولنے لگا تو چپکا ہو جائے، معلوم ہوا کہ اس میں انس کا جذبہ ہے وہ ابھر رہا تھا' اس کا علاج مل گیا، تو خاموش ہو گیا یہ چار چیزیں ہی زندگی کا مادہ ہیں اور لوگوں کا یہ مقصود زندگی ہے۔

حیوانی زندگی اور اس کے تقاضے

اس زندگی کا نام رکھیں گے' ہم حیوانی زندگی' یعنی حیوانیت کا تقاضا یہ ہے کہ کھائے پئے' آپ نے چوپایوں کو دیکھا ہوگا کہ جب بھی آپ دیکھیں گے گائے بھینس کو یا چر رہی ہیں' پھر ہگ رہی ہیں' پھر کھانے لگی ہیں اس کے سوا کوئی کام نہیں ۲۴ گھنٹے جانور کا کام کھانے کا ہے بھینس کو آپ پالیں گے تو ایک مستقل آدمی رکھنا پڑے گا کہ اس کی پرورش کرے' رات بھر کھڑے کھائے گی' کچھ آنکھ لگ گئی' پھر جب جاگی تو کھانے لگی تو حیوان کا طبعی تقاضا کھانا پینا ہے گرمی میں سردی اور سردی میں گرمی حاصل کرنا' یہ حیوانیت کا تقاضا ہے' تو معلوم ہوا کہ انسان کی وہ زندگی جس میں کھانا پینا رہنا سہنا ہی مقصد ہو وہ حیوانیت کی زندگی ہے اب جتنا بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا کھائیں گے، بہترین اور اعلیٰ بلڈنگ بنائیں گے یہ حیوانیت کا تقاضا ہے، سانپ اپنے لئے بھٹ بنالیتا ہے، شیر اپنا ٹھکانہ اور چڑیا اپنا گھونسلا بنا لیتی ہے، چیونٹیاں سوراخ تلاش کرتی ہیں انسان بلڈنگ بنالیتا ہے، کتنی اعلیٰ بلڈنگ کیوں نہ ہو حیوانیت کے دائرے سے آگے نہیں بڑھے گا کتنا پاکیزہ لباس پہنیں گے، حیوانیت کے دائرے سے نہیں نکلے گا تو بچہ ابتداء سے ان ہی چیزوں کو چاہتا تھا، یہ حیوانی زندگی تھی۔

انسانی زندگی کی ابتداء عقلی جذبہ اور عمل دخل

اب ذرا شعور آیا دس برس کے بعد اس میں عقل کے مادے نے آنا شروع کر دیا' ابھی تک اس کی زندگی طبیعت کے نیچے تھی' اور طبع بشری جو چاہتی تھی' تو وہی کرتے تھے' تو حاکم ہماری طبیعت اور ہم اسکے غلام اور محکوم تھے اور فلاسفہ لکھتے ہیں کہ طبیعت بے شعور واقع ہوتی ہے' اور اس کے اندر جذبات ہوتے ہیں' شعور اور سمجھ نہیں ہوتی' تو ایک جاہل بادشاہ (طبیعت) حکم دیتی ہے کہ کھاؤ بھوک لگی ہم نے کھانا شروع کر دیا' چاہا پانی پینے کو ہم نے کہا بہت اچھا' چاہا مکان بنالو ہم نے تعمیل شروع کر دی' تو ایک بے شعور حاکم کے احکام کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے کیونکہ یہ سب طبیعت کے تقاضے تھے' چودہ پندرہ برس بعد اب انسان کو شعور آنا شروع ہوا اور ہر چیز میں عقل سے غور کرنا شروع ہوا اس میں سمجھ آئی تو اس شعور و عقل کے بعد مادہ زندگی بدلتا رہے گا کل تک طبعی جذبہ سے کھا رہا تھا' آج عقل نے اس میں لطافت پیدا کی' ایک اجتماعیت کا مادہ ہے اور ایک ظرافت کا جو جمال پسندی کو کہتے ہیں' یعنی کھائے مگر ذرا خوشنما بنا کر کھائے پہنے مگر ذرا عمدہ کر کے پہنے' رہے مگر ذرا بلڈنگ کو اچھا بنا کر رہے' اس کی طبیعت جب عقل کے نیچے آجائے تو عقل پورا زور لگا کر مکان بنائے گی ڈیزائن بھی اچھا گویا فن انجینئری پیدا ہوگا کہ عمدہ عمدہ نمونے بنائے جائیں کھانا طبعی تقاضا تھا مگر عقل نے چاہا کہ برتن بھی خوشنما ہوں کھانے کا رنگ بھی ذرا عمدہ ہو' نگاہوں کا سینکنا بھی مقصود ہو جاتا ہے آج نوع بہ نوع کھانے بنتے ہیں یہ سب عقل کا تقاضا ہے' طبیعت اس کے اندر کام کرتی ہے' عقل اس کو ذرا درست کر لیتی ہے کہ اس کی شکل بھی عمدہ بنے آپ کیک بنائیں گے تو اس کا مادہ ایک ہی ہے مگر شکل الگ الگ بناتے ہیں' کسی کی چڑیا کی شکل بنادی' کسی کی پھول جیسی' اس میں رنگ بھر دیئے' موتی لگا دیئے کہ آنکھیں بھی دیکھ کے

خوش ہورہی ہیں‘ اگر یہ کچھ بھی نہ ہوتا تو مزہ پھر بھی پیٹ کا وہی رہتا اگر آپ نے سردی سے بچنے کے لئے ایک موٹا سا کمبل اوڑھ لیا تو طبیعت کا تقاضا پورا ہوجائے گا‘ مگر عقل کہتی ہے کہ اس کا رنگ بھی عمدہ ہو اون بھی ذرا ملائم ہو ذرا قیمتی ہو کہ دیکھنے والا کہے کہ بڑا آدمی ہے‘ تو محض طبع بشری کا تقاضا تو ڈھانپنا تھا‘ مگر عقل کا تقاضا اسے خوشنما بنانا ہے تو آج دنیا میں جو ڈیزائنوں کی افراط ہے کہ آپ کوٹھیاں نئی نئی طرز کی بنائیں‘ چھت بھی ایسی ہو‘ دیواریں ایسی ہوں‘ پلاسٹر اور دیگر آلات ایسے ہوں‘ یہ ہے ظرافت پسندی اور جمال پسندی جو انسان میں رکھی گئی‘ کپڑوں کے جو نمونے آج ہم دیکھتے ہیں‘ کوئی مادہ نہیں چھوڑا جس سے کپڑے نہیں بنائے‘ روئی کے کپڑے تو خیر ہیں ہی‘ اون درختوں کی چھال‘ گتوں اور کاغذ کے کپڑے بنتے ہیں‘ اور اب کانچ کے کپڑوں کے بنانے پر بھی غور ہورہا ہے جتنی جڑی بوٹیاں جنگل میں ممکن ہیں انسان نے غور کر کے سب کے مطابق سارے طرز اور نقش ونگار بنالئے جالدار کپڑے الگ مشجّر الگ دنیا نے اتنے رنگ کے کپڑے کبھی نہیں دیکھے جتنے آج دیکھ رہے ہیں۔

طبیعت کا تقاضا ظرافت اور جمال پسندی

یہ محض طبیعت کا تقاضا ہے جس میں عقل اور جمال پسندی کی آمیزش ہوگئی اگر نمونے کا حصہ چھوڑ دیا جائے تو گھونسلا بنا کر جہاں چاہے رہ جائے یہ سارے مسائل نمونہ کی خوشنمائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، پینے کیلئے سوڈے کی دوکان پر جائیں گے تو رنگ برنگ کا پانی دیکھیں گے، کوئی سبز کوئی سرخ، کوئی زرد، کوئی نارنجی‘ ذائقہ درست کرنے کے لئے تو سب ایک ہی ہیں، مگر آدمی چاہتا ہے کہ جب میں پیوں تو آنکھوں کو بھی لذت ہو، ہاتھ کو بھی زبان کو الگ لذت آجائے اور سارے ذائقے جمع ہوجائیں یہ چیز انسان میں ہے، جانوروں میں نہیں رکھا گیا، جانور تو کھا پی کر ہضم کرے گا، بوجھ کردے گا پیٹ

میں، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں گائے جس طرح کھاتی تھی آج دس ہزار سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح کھاتی ہے‘ جس طرح پہلے قضائے حاجت کررہی تھی، ایسے اب بھی کرتی ہے، یعنی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، تو جانوروں میں یہ مادہ ظرافت اور جمال پسندی کا نہیں ہے، جنات میں بھی نہیں ہے ویرانے میں رہتے ہیں، کوئی بلڈنگ آج تک ان کی نہیں دیکھی چڑیا، جانور کسی میں یہ مادہ نہیں، کسی نے درخت کو ٹھکانہ بنالیا، کسی نے زمین کھود کر ڈیرہ بسالیا مگر یہ انسان ہے جو جمال پسندی میں دنیا بھر کے مادے خرچ کرتا ہے، مکان، کپڑا، کھانے کی شکلیں بھی عمدہ عمدہ تجویز کرتا ہے۔

ایرانی شہزادے کی ضیافت اور مغل باورچی کی فنی مہارت

ایران سے بادشاہ ہندوستان کے پاس شہزادہ آیا، مغلوں کی سلطنت کا زمانہ تھا تو شاہی باورچی کو حکم دیا گیا کہ کوئی نئی قسم کی چیز تیار کرو، تو ناشتے کے لئے ایک چیز تیار کی اور بہت عمدہ ایک خوانچہ میں رکھ کر شہزادہ کے پاس لے آیا، شہزادہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا‘ امراء دربار بھی حاضر تھے، بادشاہی باورچی ہدیہ لے کر آیا تو بہت عزت کے ساتھ اسے بلا کر حکم دیا کہ اسے دربار میں کھول دو کھولا تو معلوم ہوا کہ بھینسے کا کٹا ہوا سر رکھا ہے اور تازہ خون بہہ رہا ہے، شہزادہ کو بڑا تکدر ہوا اور حیرت میں ہوا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے؟ بادشاہوں کے پاس بھینسے کا سر لے آیا اس نے کہا کہ صاحب معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ نے کبھی کوئی اچھی چیز کھائی نہیں ہے، اسے ذرا اپنے بادشاہ کو رعب دکھانا تھا تو معلوم ہوا کہ ایک خاص قسم کی مٹھائی تیار کی گئی تھی‘ بھینسے کا سر تھا مگر اس کے اندر زبان ایک ذائقے کی مٹھائی تھی، دانت اور ذائقے کی مٹھائی، اس کی کھال میں اور ذائقہ تھا‘ جب اس بادشاہ نے چکھا تو حیران رہ گیا کہ عجیب چیز ہے، تو باورچی کو یہ حجت تمام کرنی تھی کہ تمہارے فرشتوں نے کبھی اس قسم کے کھانے نہیں دیکھے جو ہندوستان میں بنتے ہیں یہ جمال پسندی تھی‘ محض مٹھائی لا کے رکھ

دیتے، شہزادہ کھا پی لیتا اس مصیبت کی کیا ضرورت تھی کہ اس کو بھینسے کی صورت دی اس کا گلا کٹا ہوا دکھایا کہ خون اس میں سے بہتا رہے،فن کا کمال دکھلانا تھا ان فنی کمالات کیلئے آج دنیا میں مستقل کمپنیاں ہیں جن کا کام یہ ہے کہ میزوں کو سجائیں سینکڑوں روپے ان کو محض سجانے کیلئے اجرت دی جاتی ہیں تو طبع بشری تو کھانا پینا چاہتی ہے، عقل بشری چاہتی ہے کہ اس کے اندر خوشنمائی پیدا کی جائے طبع بشری چاہتی ہے کہ کوئی ہمجولی مل جائے تو ان سے محبت وانس سے بات کی جائے اور عقل چاہتی ہے کہ بات کریں تو لہجہ بھی شائستہ ہو کلام بھی مہذب ہو، بیٹھنے اٹھنے کا ڈھنگ بھی ذرا اچھا ہو۔

انسانی زندگی

جب زندگی اس نوبت پر پہنچے اور کھانے پینے کو آپ عقل کے نیچے لے جائیں تو ہم اسے انسانی زندگی کہیں گے کل تک یہ چیزیں طبیعت کے حکم میں تھیں آج وہ عقل کی محکوم بن گئیں' پہلے ایک جاہل بادشاہ حکمرانی کر رہا تھا اور اب ایک باشعور کی حکمرانی کے نیچے آ گئیں یعنی عقل کی جس میں سوچ ہے سمجھ ہے اس کے ساتھ ساتھ ایک چیز اور بڑھ جاتی ہے' وہ یہ کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے' خودغرض بچہ یہ چاہے گا کہ میں کھالوں' میرے بھائی بندے کھا رہے ہیں یا نہ اسے کیا؟ جانور ہے وہ خود پیٹ بھرنا چاہے گا' اور بنی نوع جتنے ہیں ان کا پیٹ بھرا ہے یا نہیں اس کی بلا سے' ایک کتا آ جائے گا' آپ ہڈی ڈالیں گے' وہ کھائے گا' دوسرے کتے کو ملے یا نہ اسے کیا؟ بلکہ دوسرا کتا آیا تو لڑنے مرنے کو تیار ہوا' بلکہ سارے محلّہ کے کتوں سے لڑتا ہے' اسی طرح سے جانور لڑتے ہیں' آپس میں کہ میری غذا دوسرے کے پاس نہ جائے' یہ حیوانیت کا تقاضا ہے کہ طبع حیوانی بالطبع خودغرض واقع ہوتی ہے' اپنا نفع چاہتی ہے' دوسرے کا نفع نہیں' جب عقل آ جاتی ہے تو وہ چاہتی ہے کہ عمدگی کے ساتھ میں بھی کھاؤں' مگر میرے بھائی بندے بھی

کھائیں تو عقل نے آ کر ایک اجتماعی زندگی سکھلا دی' تو دو باتوں کا اضافہ کیا عقل نے ایک ظرافت یعنی جمال پسندی کا اور ایک اجتماعیت کا کہ جہاں' ہمیں مل رہا ہے' ہمارے بھائیوں کو بھی ملنا چاہیے یہ میری بات ہے کہ ہم تنہا بیٹھ کر کھائیں اور دوسرے بھوکے رہیں' تو جب آدمی میں یہ جذبہ پیدا ہو تو کہا جائیگا کہ یہ انسانی زندگی کے اندر آ گیا۔

عقل کے دائرے میں آکر حیوانی زندگی کی شکل بدل گئی

مگر اس کا مادہ بھی وہی چیز ہے جو حیوانی زندگی کا تھا' وہاں خودغرضی کی استعمال ہوتی تھی عقل کے نیچے آ کر اجتماعی شان کیلئے استعمال ہونے لگی اور سارے بنی نوع کا فائدہ ہونے لگا اب اسی میں انسانی تمدن' لین دین تجارت اور زراعت قائم کرتا ہے تو اجتماعیت کی شان جمال پسندی اور بنی نوع کے فائدے کیلئے دیکھنا اور سوچنا یہ عقل کا کام ہے' تو مادہ وہی رہا مگر اسکی شکل عقل کی وجہ سے بدل گئی' تو حیوانی زندگی اور انسانی زندگی دونوں کا مادہ وہی ہے' مگر زندگی کی شکل بدل جاتی ہے' کیونکہ حکام بدلتے جاتے ہیں' اگر حاکم خودغرض ہے تو محکوم بھی خودغرض ہوگا اور اگر حاکم کے اندر جماعت پسندی اور جمال پسندی ہو تو محکوموں میں بھی یہی چیز آئیگی جب عقل نے دائرہ حکومت سنبھالا تو سارے افراد بنی آدم کا فائدہ اس میں ہوگا یہ اسلئے کرتا ہے تاکہ میں بھی راضی رہوں اور میرے بھائی بندے بھی راضی رہیں مثل مشہور ہے کہ نہ تنہا آدمی ہنستا ہوا اچھا لگتا ہے نہ تنہا روتا ہوا کسی جماعت کے ساتھ مل کر ہنستا ہے تو ہنسی ہے اب اس انسانی زندگی کو ذرا ایک قدم اور بڑھا دیجئے کہ طبع بشری کھانے پینے سے محض نفس کی رضا چاہتی تھی' جب عقل آ گئی تو اب بنی نوع کی رضا سامنے آ گئی کہ میرے سارے بھائی بندے بھی راضی ہوں اب اگر کسی کے اندر ان تمام افعال کے اندر یہ چیز بھی پیش نظر ہو جائے کہ تنہا میں راضی نہ ہوں نہ تنہا میرے بھائی بندے، بلکہ میرا خدا بھی راضی ہو' تو اب یہ ایمانی زندگی شروع

ہوگئی وہی چیزیں اب ایمان کی حکومت کے نیچے آگئیں جواب تک عقل اور طبیعت کی حکومت میں تھیں، عقل انسانی جماعت پسندی اور مفاد عامہ کی رہبری کرتی تھی۔

ایمانی زندگی

لیکن جب ایمان کی روشنی آئی تو اب یہ فکر پڑی کہ جب کھانا کھانے بیٹھے تو سوچا کہ کھانا اس طرح سے کھاؤں کہ میرا خدا بھی راضی، لباس پہنے تو اسے اس طرح پہنوں کہ میرا خدا بھی راضی رہے، ایسا لباس نہ پہنوں جو اس کے منشاء کے خلاف ہو، حدیث میں فرمایا گیا کہ بنی آدم میں مردوں کے لئے ریشم کا کپڑا پہننا حرام ہے ریشم کا کپڑا پہننے سے نفس اور بھائی بندے تو راضی ہوجائیں گے کہ بڑا عمدہ لباس پہنا ہے مگر اللہ میاں راضی نہیں تو عقل اور نفس تو راضی ہوگئے مگر خدا راضی نہیں ہوئے، تو ایمان کی حکومت میں آکر آدمی سوچتا ہے کہ کون سا لباس جائز ہے کون سا ناجائز کون سا حلال اور کون سا حرام؟ حدیث میں فرمایا گیا کہ سونے کا استعمال مردوں کے لئے حرام کرتا ہوں، کسی نے سونے کی انگوٹھی پہن لی تو قطعاً ناجائز ہے حرام ہے فرمایا حلیة اهل النار ''اہل جہنم کا زیور ہے'' یہ آگ کی طرف لے جائے گا البتہ سونے کے بٹن کے بارے میں اجازت دی ہے شریعت نے لیکن اس وجہ سے کہ اس کو تابع سمجھا گیا ہے لباس کے، کہ جیسے لباس پر زری کا کام کیا جائے، تو بٹنوں کو کپڑوں کے حکم میں سمجھا گیا ہے، پھول بوٹوں کی شکل میں، مگر بٹن کا بھی ایک مقدار ہے کہ دو تین ماشے سے زیادہ نہ ہو، بہت زیادہ وزنی پہنے گا تو یہ ہوسنا کی ہوگی، اس کے ساتھ فقہاء یہ بھی قید لگاتے ہیں کہ اگر بٹن کا استعمال ہو تو بدن سے نہیں لگانا چاہیے بلکہ کسی کپڑے سے سی کر پہنا جائے تاکہ براہ راست سونا بدن سے مس بھی نہ کرے، لباس سے اوپر سلی ہوئی ہو، اتنے قیود کے ساتھ اجازت دی گئی ہے۔

ایمانی زندگی میں حلال وحرام کا خیال اور فلسفہ

تو جب آدمی ایمانی زندگی کے نیچے آئے گا تو ایک بٹن بھی سامنے آئے گا تو سوچے گا کہ کس کس طرح جائز ہے، کس کس طرح نہیں؟ کتنا پہنوں، کتنا نہ پہنوں، محض عقل تو اجازت دے دے گی کہ پانچ پانچ تولے کے بٹن پہن لو، چاہے تم ہار اور کنگن بھی پہن لو عقل نہیں روکے گی اس لئے کہ عقل زیادہ سے زیادہ نفس کی رضا چاہتی یا انسان کی رضا، خدا کی رضا؟ اس کا تعلق تو ایمانی زندگی سے ہے اسی طرح کھانا کھانے کے لئے بیٹھے گا آدمی تو غور کرے گا کہ یہ خنزیر تو نہیں جو حرام ہے یہ فلاں جانور کا گوشت نہیں ہونا چاہیے حرام چیز سے اس طرح بھاگے گا جیسے سنکھیا سے بھاگتا ہے اس لئے سنکھیا مادی موت کا سبب ہے اور حرام چیز کا کھانا روحانی موت کا سبب بن جاتا ہے لیکن محض عقل؟ وہ تو ممانعت نہیں کرے گی، چاہے سانپ کھائے، خنزیر کھائے لیکن ایمان اجازت نہیں دے گا، اس واسطے کہ ہر گوشت ہر پوست میں ایک خاصیت ہے تو جیسے اطباء بری خاصیت کی اشیاء کے کھانے سے ممانعت کرتے ہیں، اطبائے روحانی (انبیاء علیہم السلام) بھی بُری اشیاء سے روکتے ہیں، ہر گوشت کی ایک خاصیت ہے، خنزیر کی طبیعت میں بے حیائی اور بے غیرتی ہے نجاست خور ہے غلاظت خور ہے ہر ایک خنزیر جست کرتا ہے دوسرے ہم جنسوں پر تو ویسے گندگی اور وہی صورت اس کے کھانے والوں میں بھی آئے گی غلاظت، کدورت، بے حیائی اور بے غیرتی جیسے اوصاف پیدا ہوں گے درندوں کا گوشت شیر، بھیڑیا کو حرام قرار دیا گیا کیونکہ ان کے گوشت کے اندر درندگی کی خاصیت ہے، تو انسان ان چیزوں کے کھانے والا اعلیٰ سے اعلیٰ جانور بن جائے مگر انسانیت ختم ہو جائے گی، اس لئے شارع نے ممانعت کی اور ایسے جانوروں کی اجازت دی جو اعتدال کا شان رکھتے ہوں، کچھ مسکنت کی شان ہو بے غیرتی اور بے حیائی نہ ہو، حملہ آوروں کے

جذبات نہ ہوں' تاکہ عدل پیدا ہو یہ خاصیت اللہ جانتا ہے کہ اس نے کسی مخلوق کو کیسا بنایا
اس کا حق ہے کہ وہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں جانور حلال کیا فلاں حرام کیا حُرِّمَتْ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ "حرام کیا گیا تم پر
مردار ، لہو، اور خنزیر اور مردار وہ چیز جس کے روح نکل جانے پر اس میں روحانیت کا کوئی
سوال پیدا نہیں ہوتا خالص مادیت رہ جاتی ہے' اور خالص مادیت میں ایک تعفن ہے،
گندی چیز ہے' روح آ کر اس سے گندگی دفع کرتی ہے تو حق تعالیٰ جو شریعتوں کا بھیجنے
والا اور ساری چیزوں کا پیدا کرنا والا ہے وہ جانتا ہے کہ میں نے کس چیز میں کیسی
خاصیت اور کیا جوہر رکھا ہے' اور کیا نہیں اسے حق ہے کہ کہے کہ فلاں چیز استعمال کروں
فلاں مت کرو' تو جب آدمی ایمان کے نیچے آجاتا ہے تو پھر اس میں کھانے پینے رہنے
سہنے اوڑھنے میں رضائے خداوندی پیش نظر رہتی ہے کہ اگر مالک اور محسن ناراض ہوتا ہے
تو مجھے حق نہیں کہ کوئی ایسا کام کروں۔

اسی طرح نسل بڑھانے میں بھی یہی خیال رہے گا' زنا سے بچے گا نکاح کی
طرف آئے گا تو اگر ایمانی زندگی نہ ہو محض عقل ہو تو عقل محض میں زنا بھی حلال ہے اور
نکاح بھی' اس میں اس کا کوئی امتیاز نہیں کہ یہ نکاح ہے اور وہ سفاح' تو طبع بشری میں
محض نفس کی رضا پیش نظر ہوتی ہے عقل آجائے تو مفاد عامہ سامنے آتا ہے جسے ہم
جمہوریت کہیں گے' اور جمہوریت میں یہی ہوتا ہے کہ سب کی رائے لے لے اور سب کی
خوشی حاصل ہو جائے اور جب ایمانی زندگی آتی ہے تو جمہور سے بالاتر خدا کی رضا کا
سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ راضی ہو جمہور راضی ہو یا نہ ہو سارے انسان مل کر بھی ناراض
ہو جائیں تو یہ اسے گوارا کرے گا اللہ کو ناراض نہیں کرے گا پروردگار کی رضا کو ہر چیز پر
ترجیح دے گا۔

تو ایمانی زندگی کے اندر وہی تمام چیزیں ہیں جواب استعمال میں آ رہی تھیں صرف شکل
بدل گئی اور شکل آگئی' رضائے خداوندی کی کہ کس طرح مجھے حکم دیا میرے مالک نے۔

ہر کام میں تیامن اور طہارت کا لحاظ

حدیث میں فرمایا گیا کہ پانی پیو تو دائیں ہاتھ سے' بائیں ہاتھ سے پیو گے تو
شیطان شامل ہو جائے گا اور جب شیطان کا حصہ کھانے پینے میں آگیا تو نفس پر
شیطنت کے اثرات پڑیں گے' اگر دایاں ہاتھ کھانے سے آلودہ ہو اور مجبور ہے کہ گلاس
بائیں ہاتھ میں لیں تو کم سے کم دائیں ہاتھ کا کوئی حصہ لگا لیا جائے تاکہ دائیں سے پینا
متحقق ہو جائے گا اس واسطے فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا شیاطین کا کام ہے اور دائیں
ہاتھ سے انبیاء کا، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن نبی کریم ﷺ
کو ہر شریف اور بہتر کام میں دایاں ہاتھ پسند تھا' لباس پہنتے تو پہلے دایاں ہاتھ' دائیں
آستین میں ڈالتے' پاجامہ پہنتے تو پہلے دایاں پیر دائیں پائنچے میں، کنگھی کرتے تو پہلے
دائیں جانب' دانت مارتے تو پہلے دائیں جانب کو انگلی چلاتے تو دائیں کی جانب اور
دائیں جانب انبیاء کو پسند ہے' بائیں جانب سمجھی جاتی ہے' خسیس اور دائیں جانب
شریف' تو کثافت اور رذالت کے امور شیاطن کو پسندیدہ ہیں اور ہر چیز میں پاک صاف
انبیاء کو پسند ہے' اسی طرح ایمانی زندگی کی وجہ سے کھانے پینے میں غور کرے گا کہ کھانا
حلال کا ہو حرام کا نہ ہو' اس واسطے کہ دینی توفیق کا تعلق اکل حلال سے ہے حرام لقمہ جب
پیٹ میں پہنچتا ہے' تو توفیق دینی کی جذبات سلب ہو جاتی ہے' حلال پہنچتا ہے تو دین پر
عمل اور حجت کے جذبات بھڑکتے ہیں اسلئے کہ دین بہر حال صاف چیز ہے' اگر کسی شخص
کی طبیعت نہایت پاکیزہ اور ستھری ہے اس کے سامنے اگر کسی غلیظ آدمی کو پیش کرو تو منہ
پھیرے گا اور اگر اس کی طبیعت گندی ہے تو جتنی غلیظ چیزیں سامنے آئیں گی اس کے
لئے اتنا ہی خوشی کا موقع ہوگا۔

دکن کے بادشاہ کا عجیب واقعہ

دکن کے جو بادشاہ تھے تانا شاہ مشہور ہے تانا شاہی، تانا شاہی طبیعت کے ہیں' طبیعت بہت زیادہ نفیس و نازک تھی' جب ان پر قبضہ کیا دکن کے حملہ میں اور قیدی بنا کر فاتح کے سامنے پیش ہوئے تو تجویز ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے تو انہوں نے کہا کہ جب مجھے بہرحال واجب القتل سمجھتے ہو تو اس کے لئے تم زیادہ جدوجہد مت کرو' میں آسان ترکیب بتائے دیتا ہوں' مزاج میں تھی حد درجہ لطافت تو کہا کہ کسی غلیظ عورت بھنگن کو گندگی لے کر سامنے سے گزار دو تو میں ختم ہو جاؤں گا' چنانچہ غلاظت کا ٹوکرا سامنے لایا گیا' بس وہیں دم نکل گیا' تحمل نہیں کر سکے۔

الغرض پاک صاف اور نفیس طبیعت ستھری چیزوں سے خوش ہوتی ہے' جو چیزیں پاخانہ میں پیدا ہوتی ہیں اگر اُسے باہر ڈال دو وہیں مرجائیں گی' اس لئے کہ غلاظت ان کا طبعی تقاضا ہے اور صاف چیزوں پر ناپاک چیزوں سے مردنی چھا جاتی ہے' تو ہر چیز میں اس کی طبیعت کے مناسب جو چیز' آتی ہے جبھی وہ زندہ رہتی ہے اور ایمانی طبائع کبھی برداشت نہیں کرتی لقمہء حرام کو حتیٰ کہ مشتبہ لقمہ کو بھی۔

مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا تقویٰ :اکل حرام سے اجتناب

ہمارے بزرگوں میں تھے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ' ان کا تقویٰ اور طہارت مشہور ہے' فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کا میرے ساتھ معاملہ ہے کہ اگر نادانستگی میں بھی کوئی مشتبہ لقمہ پیٹ میں چلا جائے تو فوراً قے آجاتی ہے' تو انتہائی تقویٰ اور پاکیزگی بڑھتے بڑھتے حق تعالیٰ کا معاملہ ایسا ہو جاتا ہے' بشرطیکہ آدمی متقی بننے کی مشق کرے' جب تقوئے باطنی نصیب ہو جاتا ہے تو پھر حق تعالیٰ خود حفاظت فرماتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ کے کمال تقویٰ کی ایک مثال

حضرت مولانا تھانویؒ اپنا ہی واقعہ بیان فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ اعظم گڑھ گیا اور اس ضلع میں چھوٹا سا گاؤں تھا' سٹیشن سے چار میل دور' وہاں کے لوگوں نے مجھے بلایا تو وہاں سے جب فارغ ہوا اور ریل رات کو گیارہ بجے جاتی تھی' سردی کا زمانہ تھا' تو لوگوں نے کہا کہ سردی کا زمانہ ہے' اندھیری رات ہوگی' بارشیں ہو رہی ہوں گی' اس لئے رات کو جانے میں تکلیف ہوگی' اس لئے مناسب ہے کہ عصر کے وقت سٹیشن پہنچا دیا جائے' رات کو ٹرین آئے گی تو سوار ہو جائیں گے تو حضرت کو سوار کر کے اسٹیشن لائے جو بہت چھوٹا سا تھا' نہ ویٹنگ روم نہ مسافر خانہ' ایک ہی کمرہ تھا دفتر کا' اور اسی سے ملا ہوا مال گودام تھا' بوریاں وغیرہ بھرتے تھے' تو اسٹیشن ماسٹر تھا تو ہندو مگر بھلا آدمی اس نے دو چار بوریاں ہٹائیں اور مصلے کی جگہ بنائی اور کچھ آرام کی جگہ ہوگئی حضرت سے کہا کہ آرام سے بیٹھیں' فرماتے تھے جب مغرب کا وقت ہوا تو میں نے نماز پڑھی اس کے بعد سنتیں اور اس کے بعد نفلوں کی نیت باندھی تو وہ اسیشن ماسٹر ایک لیمپ لے کر آیا تا کہ روشنی ہو جائے فرماتے تھے حضرتؒ کہ معاً مجھے یہ خطرہ ہوا کہ مال گودام کے لئے گورنمنٹ نے کوئی لیمپ رکھا نہیں ہے یہ محض میری وجہ سے لایا ہوگا' تو میں گویا غاصب ٹھہرا' میرے لئے حق نہیں کہ اسے استعمال کروں نماز میں ایک بے چینی شروع ہوگئی کہ اے اللہ! تو نے ہمیشہ مجھے مشتبہ چیزوں سے بچایا ہے یہ مشتبہ چیز آرہی ہے جس کا مجھے حق نہیں اس لئے تو ہی بچانے والا ہے فرماتے تھے کہ بمشکل میں نے دو رکعتیں ختم کیں اور اس نے لیمپ رکھا نہیں بلکہ لئے ہوئے کھڑا ہے جب میں نے سلام پھیرا تو اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں یہ لیمپ لے کر آیا ہوں اور یہ اسٹیشن کا نہیں میرا ذاتی ہے اس لئے لایا کہ اندھیرے کی تکلیف نہ ہو فرماتے تھے کہ میں نے اتنی دعائیں کیں اس کے

حق میں کہ اتنی رعایت ہے اس لئے اس نے خود محسوس کیا کہ مجھے حق نہیں' تو اپنے گھر سے لایا تو طبیعت میں جب سلامتی ہو تو کافر بھی ہو قدرت رہنمائی کرتی ہے' بشرطیکہ مذہب کا کوئی جذبہ موجود ہو اخلاقی قدریں اس کے اندر ہوں الغرض متقی جب تقویٰ تک پہنچ جائے تو......

ع می دہد یزداں مراد متقین

والا معاملہ ہو جاتا ہے' حق تعالیٰ ایسے راستے پیدا فرما دیتے ہیں' کہ مشتبہات سے بھی بچائے مگر یہ جب ہی ہوتا ہے کہ تقویٰ باطنی کی عادت ڈالے جو تقویٰ ظاہر کا ہے وہ تو یہ ہے کہ برا عمل نہ کرے، ناجائز نہ کرے، ہر کام جائز عمل کی حد میں اور ایک ہے باطنی تقویٰ وہ زیادہ دقیق ہوتا ہے ہر ایک کی رسائی نہیں ہوتی جب تک کہ اعلیٰ درجہ کا متقی نہ ہو۔

حرام کے تصور سے حلال بھی حرام ہو جاتا ہے

فقہا لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص کوئی خوش رنگ شربت پینے بیٹھا ہے اور تصور میں یہ باندھا ہے کہ میں شراب پی رہا ہوں' تو فرماتے ہیں کہ یہ گنہگار ہے اور اگر اس کی نیت کھل جائے تو حاکمِ وقت اسے سزا دے گا وہ شربت بھی اس کے حق میں مکروہ تحریمی بن جاتا ہے' اس نے زبان سے اگرچہ شراب نہ پی مگر خیال سے پی لی' فقہا لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اس کے ہاتھ تھامے ہوئے ہے اور دل میں دھیان ہے کہ فلاں اجنبیہ عورت جس سے مجھے عشق ہے یہ وہی اجنبیہ عورت ہے تصور اس کا باندھ لیا' تو فرماتے ہیں کہ یہ باطنی طور پر حکم میں زانی کا ہو جائے گا' اس کے حق میں تب جائز ہوگا کہ تصور بدل کر توبہ کر دے تو دل میں تصورات بھی غلط طرح کے نہ ہوں برا تصور آئے گا تو آگے عمل شروع ہوتا ہے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں تو عمل بھی ناپاک ہو جائے گا اسے کہتے ہیں تقویٰ باطنی اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ جو لوگ تقویٰ کی عادت ڈالتے ہیں اگر ناگہانی

کسی غلطی میں پڑ جاتے ہیں لیکن فوراً انکی طبیعت میں روشنی پیدا ہوتی ہے اور توبہ کر کے سنبھلتے ہیں' اس خیال سے بھی توبہ کرتے ہیں خیال سے تو عمل پیدا ہوتا ہے' خیالات کو اگر نہ روکے اور اجازت دے کہ جیسا رو آئے تو چلتے رہو تو بہت سی بدعملیوں میں مبتلا ہو جائے گا آدمی اب کتنی دقیق بات ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ اجنبیہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے' اجنبی کے لئے اس لئے کہ اسے خیال آئے گا کہ فلاں عورت کا بچا ہوا پانی ہے' اگر یہ دھیان بڑھ گیا تو ممکن ہے آگے بہت سے فساد پیدا ہوں۔

تقویٰ قلب سے نہ کہ قالب سے

حدیث میں فرمایا التقوىٰ ههنا تقویٰ قلب کے اندر ہوتا ہے جب قلب کے اندر آ جائے گا تب عمل کے اندر پیدا ہوگا جب قلب میں نہ ہو تو قالب سے وہ کیسے متقی بن جائے تو بہرحال جب ایمانی زندگی آ جاتی ہے تو خیالات پر بھی کنٹرول کرتا ہے کہ ایسے نہ ہوں جس سے اللہ ناراض ہو جائے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ جیسے آپ کے ہاتھ پیر دیکھتا ہے' ایسے ہی اللہ دلوں کو بھی دیکھتے ہیں وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ. ان اللّٰه لاينظر الى صوركم واعمالكم ولكن ينظر الى قلوبكم ونياتكم "تمہارے عملوں کو نہیں دیکھتا دلوں کو دیکھتا ہے کہ نیت کیا ہے اس کے اندر" تو دنیاوی بادشاہتوں کا قانون صرف بدن پر لاگو ہوتا ہے' لیکن خدائی قانون تو قلب پر بھی لاگو ہوگا' دینوی سلطنتیں بدعملی سے روکتی ہیں کہ چور نے چوری کی اسے جیل بھیج دیا' ڈکیت نے ڈکیتی کی اسے جیل بھیجا' لیکن قلب تو نہیں بدل سکتا وہ تو خدا کی حکومت سے بدلے گا۔

خدائی قانون برائی کی نفرت دل میں ڈالتی ہے

دنیاوی حکومتیں برے افعال سے روکتی ہیں اور خدائی حکومت اور قانون ان برے افعال کی نفرت دل میں ڈالتی ہے تو جب تک اخلاقی حالت درست نہ ہو آدمی صحیح

معنوں میں آدمی نہیں بن سکتا‘ اس کے لئے یہ بھی ضروری اور لازمی چیز ہے کہ اخلاق حیثیت سے اس کے اندر نفرت پیدا ہوجائے بدعملی سے تو شریعت یہ بھی چاہتی ہے کہ برے افعال پر پابندی عائد کی جائے تاکہ لوگ بدعمل نہ بنیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے اخلاق درست کئے جائیں تاکہ بدعملی سے لذت حاصل نہ ہوسکے بلکہ نفرت پیدا ہوجائے تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہی کھانا پینا وہی سونا جاگنا وہی اٹھنا بیٹھنا وہی مکاں بنانا‘ طبیعت حکومت کررہی تھی تو حیوانی زندگی جب عقل حکومت کرنے لگی تو انسانی زندگی بنی اور خدا کی وحی حکومت کرنے لگی‘ تو ایمانی زندگی بنی جو مادہ انسانی زندگی کا تھا‘ انہیں افعال کو شائستہ اور بہتر بنادیا تو شریعتِ اسلام آپ کو کھانے ، پینے، تجارت ، زراعت سے نہیں روکتی‘ حکمرانی کو نہیں روکتی مگر ان ساری چیزوں کو شائستہ بنا کر رضائے خداوندی کا ذریعہ بنادے گی تاکہ آپ کے قلب میں شائستگی پیدا ہوجائے تو اسلام جامع مذہب ہے وہ فقط نماز ، روزہ نہیں سکھلاتا بلکہ اس کا تعلق تختِ سلطنت سے بھی ہے‘ گھریلو زندگی سے بھی ، میدانی اور جنگی زندگی سے بھی ، صلح سے بھی اور جنگ سے بھی کام وہی کرے جو انسانی زندگی میں ہوں‘ مگر اس کا رخ دین کی طرف بدل دیتا ہے‘ قلب کا رخ ذرا سیدھا کردو تو دین بن جائے گا۔

دشمن سے جہاد بھی نفسانی جذبہ نہیں ایمانی جذبہ سے ہے

غزوہ بدر میں حضرت علیؓ نے ابوجہل کو بچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور خنجر اٹھایا تو ابوجہل نے نیچے سے حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا حضرت علی فوراً خنجر چھوڑ کر کھڑے ہوگئے‘ ابوجہل نے کہا اے علیؓ! میں تو تجھے بڑا دانشمند سمجھتا تھا‘ اب آپ دشمن پر قابو پاگئے اور دشمن بھی ایسا جو نہ صرف تمہارا بلکہ تمہارے پیغمبر اور دین کا بھی دشمن ہے تو جو بدترین دشمن تھا تمہارے نزدیک آپ نے اس پر قابو پاکر چھوڑ دیا اس سے بڑھ

کر غیر دانشمندی کیا ہوگی؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں تجھ سے خدا کے لئے لڑنے آیا تھا‘ جذبات نفسانی کی وجہ سے نہیں تو جب منہ پر تم نے تھوکا تو نفس میں غیظ پیدا ہوا‘ اگر میں قتل کرتا تو نفسانی جذبہ سے قتل کرتا‘ اور میری عبادت تباہ ہوجائے گی‘ تو میں تو اللہ کے لئے لڑتا ہوں کہ تو اللہ کے دین کا دشمن ہے،اس کے کلمہ کو نیچا دکھانا چاہتا ہے‘ تو نفسانیت کا قتل کرتا للّٰہیت باقی نہ ہوتی‘ تو اصل وہی تھی طبعی جذبے سے قتل کرتے‘ تو نفسانی جذبہ ہوتا اور زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ محظوظ ہوجاتے‘ لیکن ایمانی جذبے سے قتل کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا خدا راضی ہو اور مجھے آخرت میں اجر ملے‘ پس جو کام انسان کرتا ہے وہ سب کرتے ہیں‘ کافر کھاتا پیتا ہے‘ مومن بھی کھاتا پیتا ہے‘ وہ لڑتا ہے اور صلح کرتا ہے یہ بھی لڑتا ہے اور صلح کرتا ہے‘ فرق کیا ہے‘ وہ بحیثیت مومن کے ہر کام کرے گا‘ لوجہ اللہ کرے گا کافر وہی کام اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے کرے گا‘ مومن میں نفسانیت ختم ہوجاتی ہے‘ وہ تو للہ فی اللہ کام کرتا ہے‘ تو عمل میں فرق نہیں ہوتا نیت اور روح میں فرق ہوتا ہے‘ ایک کا رخ ہے زمین کی طرف اور دوسرے کا عرش کی طرف‘ تو ایمانی زندگی فقط رخ بدلتی ہے‘ اعمال کو تبدیل نہیں کرتی‘ نفس مہذب ہوجائے تہذیب نفس اصل ہے تو یہ کہلاتی ہے ایمانی زندگی تو اگر ہم فقط کھانے پینے میں لگے رہیں فقط اوڑھنے پہننے اور سنوارنے میں لگے رہیں تو حیوانیت سے آگے نہ بڑھیں اور اگر قومی خدمت اور مفاد عامہ کے لئے کچھ کیا تو زیادہ سے زیادہ انسان بن گئے‘ لیکن مومن نہیں بنیں گے‘ اور مومن جب بنیں گے تو ان سب چیزوں کو لوجہ اللہ کریں گے۔

ابراہیم اور رب العلمین کا مکالمہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے کہا اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ اے ابراہیم! مسلم بن جاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ اب تک کفر میں تھے‘ اب ایمان

قبول کرے وہ تو پیغمبر ہیں' سرچشمہ ہیں ایمان کے' تو مسلم بننے کے معنی ہیں گردن نہاد ہونے کے کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردے کہ جو کام کرو اپنے نفس کی رضا کے لئے نہ کرو قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ابراہیمؑ نے کہا اے اللہ! میں بن گیا مسلم فرمایا کہ بن گئے تو اعلان کرو قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ''کہہ دے اے ابراہیم! کہ میری نماز اور حج میرا جینا اور مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے' جس کا کوئی شریک نہیں' تو میں ان اعمال میں کوئی شریک نہیں کرتا' محض اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہوں''، مسلم بننے کا معنی یہی ہے کہ کھانا ، پینا ، مرنا ، جینا لوجہ اللہ بن جائے تو ایمان آ کر کوئی اور زندگی نہیں سکھلاتا' اسی انسانی زندگی کو مہذب اور شائستہ بنا دیتی ہے اور جب یہ مکمل ہو جاتا ہے' تو اب اللہ کی رضا کے لئے لڑتا' مرتا اور جیتا بھی ہے اب جتنا بھی اللہ کے لئے کام کرے گا بندگی کرے گا' حق تعالیٰ کی معرفت اور پہچان بڑھ جائے گی اور جتنی پہچان بڑھتی جائے گی قربِ خداوندی نصیب ہوتا جائے گا' ایمانی زندگی میں فقط عقیدہ تھا کہ مالک الملک ایک ہے مگر اللہ کی رضا کے لئے کام کرتے کرتے فقط علم نہیں رہے گا جان پہچان ہو جائے گی اور اب منشاء کی پابندی کرنے لگے گا' اب تک تو قانون کی پابندی کر رہا تھا حکم ہوا' نماز پڑھ لے، کہا بہت اچھا ، حلال اختیار کرو، حرام چھوڑ دو، کہا بہت اچھا، رشوت مت لو، بہت اچھا، جھوٹ مت بول کہا بہت اچھا تو جتنے احکام تھے ان کی پابندی کا نام تھا ایمان اور اسلام کہ خدا کے قانون کے نیچے زندگی بسر کرے' یہ تھی ایمانی زندگی۔

عرفانی زندگی مزاج ومنشاء کی پابندی

لیکن ایک مرتبہ زندگی کا اس سے بھی اوپر تھا اور وہ یہ کہ قانون کی پابندی کرتے کرتے آخر میں قانون ساز کے منشاء کی پابندی کرنے لگتا ہے' اور قانون سے

بالاتر ہو کر عمل کرتا ہے قانون تو یہ ہے کہ مثلاً کہ کسی محبوب نے امر کیا کہ بھئی ! اپنے باغ سے ہمیں پھول دے دو اور تم نے صبح کو پھول پہنچا دیا اور قانون سے بالاتر منشاء کی پابندی یہ ہے کہ سارا باغ ہی اس کے سپرد کر دیا محبوب کو کہ پھول کیا ہے سارا باغ ہی حاضر ہے' اللہ نے مانگا کہ جو روٹی کھاتے ہو اس میں سے تھوڑا سا حصہ اللہ کے نام پر بھی دے دو' تو منشاء کی پابندی یہ ہے کہ سارا کھانا ہی اٹھا کر اللہ کے نام پر دے دیا خود روزہ رکھ لیا تو انسان ایسا جب کرے گا کہ حاکم کے سامنے موجود ہو' جب سامنے موجود ہو گا تو حکم کا انتظار نہ ہو گا بلکہ وہ تو اسی کی نگاہ وابرو کو پہچان کر عمل کرے گا اس کی منشاء اس کی پیشانی سے معلوم ہو جائے گی کہ یہ چاہتا ہے' یہ نہیں۔

مزاج شناس کا چشم وابرو سے پہچان

اورنگ زیبؒ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ان کا جو کمانڈر انچیف تھا' اس نے تیاری شروع کر دی' سامان رسد ،فوجوں کی تیاری اور انکے کانوں میں پھونک دیا کہ دکن پر جانا ہے' تیار رہو تو کسی نے کمانڈر سے کہا کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے؟ کہا نہیں بلکہ ایک دفعہ اورنگ زیب تخت پر بیٹھے ہوئے تھے' میں کھڑا تھا' تو مجلس میں دکن کا جب ذکر آیا تو بادشاہ نے نہایت تیز نگاہوں سے دکن کی طرف دیکھا' میں سمجھ گیا کہ دکن سے اسکے دل میں زنگ ہے تو ابھی حکم تو نہیں ضابطہ میں تو تب ہو گا مگر منشاء میں نے پالیا ہے اورنگ زیبؒ کا تو اگر یہ عالمگیرؒ سے دور ہوتا تب تو انتظار کرتا کہ قانونی حکم پہنچے اور سامنے کھڑا تھا تو اس کی نگاہ اور پیشانی سے پہچان گیا تو منشاء کی پابندی کرنا گویا پہچان پر عمل کرنا ہے، اس کو کہتے ہیں معرفت اور عرفان، اور ایک ہے علم اور اعتقاد جو غائبانہ ہوتا ہے، اور ایک یہ کہ اللہ کو رسول ﷺ کو آنکھوں سے دیکھ لیا اب قانون کا انتظار نہیں اب تو نگاہ وابرو ہی مقصد بتلا دے گی اس کو معرفت کی زندگی کہتے ہیں اور ہم اس کا نام رکھیں گے عرفانی زندگی۔

ایرانی شہزادے کا واقعہ

ایرانی شہزادے کا ایک واقعہ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس بادشاہ ہندوستان مہمان ہوا انہیں ضرورت پڑی لیموں کی شہزادۂ ایران کے باغ میں کھٹے لیموں تھے' خادم اجازت لینے آئے وہ سن کر منغض سے ہوگئے، ترشروئی سے دیکھا' اس نے باہر آ کر کہا کہ اجازت مل گئی' لیموں توڑو کہا بیوقوف! اجازت کہاں ملی وہ تو کچھ نہیں بولے' اس نے کہا کہ جب شہزادہ نے ترش نگاہوں سے دیکھا تو سمجھ گئے کھٹے لیموں کی اجازت دے دی گئی' تو پاس رہنے والے منشاء اور طبیعت میں اتنا دخل پالیتے ہیں خواہ لفظ سامنے نہ ہوں تو انبیا اور اولیاء جو معرفت خداوندی حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنے ذوق سے ان چیزوں کو پالیتے ہیں جو منشاء خداوندی ہوتے ہیں حالانکہ حکم ابھی نہیں ہوتا' اور بہت سے اہل اللہ اور اولیاء کاملین کے قلب پر جو واردات ہوتے ہیں ان واردات سے ان کو منشاء خداوندی معلوم ہوجاتا ہے' وہ قانون نہیں ہوتا شریعت کا تو اس کی تبلیغ تو نہیں کرتے مگر خود وہ کرنے پر پابند ہیں کیونکہ انہوں نے منشاء کو دیکھ لیا۔

حاجی امداد اللہؒ

حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز جو دارالعلوم کی جماعت کے شیخ ہیں وہ مکہ معظمہ ہجرت کر کے گئے تو عمر بھر سیاہ رنگ کا جوتا نہ پہنا لوگوں نے کہا کہ شرعاً ناجائز ہے؟ فرمایا نہیں' پوچھا کیوں نہیں پہنتے' فرمایا بیت اللہ کا غلاف سیاہ رنگ کا ہے' مجھے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس رنگ کو قدموں میں استعمال کیا جائے یہ محض ایک ذوق اور منشاء کی بات تھی تو ادبی ذوق کے اندر بعض دفعہ آدمی وہ چیزیں کرتا ہے کہ قانون میں نہیں ہوتیں مگر اس کا ذوق کہتا ہے کہ مجھے اس طرزِ عمل پر جانا ہے اس کو کہتے ہیں عرفانی زندگی تو اولیاء کاملین کی زندگی عرفانی رہتی ہے کہ محض جائز و ناجائز ہی نہیں بلکہ جائز کے اندر بھی

دیکھتے ہیں کہ منشاء اگر یہ ہو کہ کم سے کم کھاؤں تو ایسا کروں اور اگر یہ ہو کہ بالکل نہ کھاؤں تو میں فاقہ کرنا گوارا کروں اور حضرات صحابہؓ اور حضرات اہل اللہ جو فقر و فاقہ کو پسند کرتے ہیں تو شریعت نے یہ حکم نہیں دیا۔ مگر بہت سے اولیاء کی زندگی ہے' جیسے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کہ ایک ایک ہفتہ فاقہ کا گزرتا تو یہ شرعی حکم نہیں تھا مگر شریعت بھیجنے والے کا منشاء ان کے حق میں یہی تھا کہ جب زیادہ سے زیادہ زہد بڑھ جائے تو زیادہ سے زیادہ درجات بلند ہوں گے

شاہ عبدالقدوسؒ اور شاہ ابو المعالیؒ کی فاقہ کشی

حضرت شاہ ابو المعالیؒ کو فاقہ سے بڑی محبت تھی اور دو دو ہفتے فاقے ہوتے تھے' اور وہ ارادی فاقے ہوتے تھے' یہ نہیں کہ مفلس اور تنگدست تھے' دولت تو ایسے لوگوں کے قدموں میں آ کر گرتی ہے تو شاہ ابو المعالیؒ کے پیر آئے ان کے گھر' شاہ صاحب موجود نہیں تھے' تو گھر والوں کو پریشانی ہوئی کہ ہمارے گھر کے جو بڑے ہیں شاہ ابو المعالیؒ ان کے شیخ کی کس طرح خاطر مدارت کریں' شیخ سمجھ گئے کہ نہ دانہ ہے نہ پانی تو ایک روپے کا غلہ منگوایا اور ایک تعویذ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اسے غلہ میں ڈالدو' اللہ برکت دے گا' شیخ ایک ہفتہ ٹھہرے اور روزانہ کھایا اور جب چلے گئے تو وہ غلہ ختم ہی نہیں ہوتا تھا' دو تین ہفتے کے بعد شاہ ابو المعالیؒ تشریف لائے تو دیکھا کہ دو دو وقت روٹی پک رہی ہے' انہیں محبت تھی فقر و فاقہ سے' تو فرمایا کہ کیا بات ہے' فاقہ نہیں ہوتا' ہمارے پاس تو کچھ تھا نہیں دو وقت کی روٹی کہاں سے آئے گی' تو کہا کہ آپ کے شیخ آئے تھے' گھر میں فاقہ تھا' تو انہوں نے خود ایک روپے کا غلہ منگایا اور تعویذ لکھ کر ڈالا' اس کی برکت ہے کہا اچھا تم بڑی گستاخ ہو' میرے شیخ کے تعویذ کو غلہ میں ڈال دیا ہے' نکال کر لاؤ' میں اسے اپنی قبر میں رکھوں' اسے لے کر پگڑی میں باندھ لیا اور وہ غلہ اسی دن ختم ہو گیا' اب پھر فقر و فاقہ

شروع ہوگیا تو کہیں شریعت کا حکم تھا‘ ہفتہ ہفتہ فاقے کرنے کا؟ مگر قانون بنانے والے کا منشاء محسوس کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ فقر وفاقہ کی زندگی بسر ہو تا کہ درجات بلند ہوں‘ روحانیت ترقی کرے۔

قانون ساز کے منشاء کو پا کر عمل کرنا

نبی کریم کی سیرت طیبہ میں آتا ہے کہ دو دو مہینے گذرتے تھے کہ بیت نبوت میں دھواں نہیں اٹھتا تھا‘ کھانے کو ایک ٹکڑا کھجور اور پانی (اسودین) پر گذر ہوتی تھی تو قرآن کریم میں تو یہ حکم موجود نہیں تھا کہ آپ دو مہینے بالکل فقر وفاقہ سے رہیں‘ مگر قانون سے بالاتر ہوکر قانون بھیجنے والے کا منشا آپ کے قلب پر روشن تھا کہ انبیاء کی پاکیزہ زندگی کا یہی تقاضا ہے کہ وہ کھانے پینے اور لذات کی طرف ادنیٰ بھی توجہ نہ دیں وہ توجہ کریں تو حق تعالیٰ کی ذات کی طرف علم وعرفان کی طرف تو یہ قانون ساز کی منشاء کو پا کر عمل کرنا‘ اسے معرفت کی یا عرفانی زندگی کہتے ہیں۔

حیوانی اور عرفانی زندگی میں فرق

مگر اسی عرفانی زندگی کا مادہ بھی وہی ہے‘ جو حیوانی زندگی کا تھا وہی کھانا پینا رہنا سہنا وہی سب کچھ اب منشاء خداوندی حاکم بن گئی تو حیوانی زندگی میں طبیعت حاکم ہوتی ہے‘ جو ایک جاہل بادشاہ ہے‘ جس کے تحت آدمی جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے‘ انسانی زندگی آتی ہے تو عقل حاکم ہوجاتی ہے‘ اور عقل میں شعور ہوتا ہے‘ تو ذرا سوچ سمجھ کے کھاتا ہے‘ ایمانی زندگی آتی ہے تو وحی کی رہنمائی ہوتی ہے‘ تو عفت اور پاکدامنی پیدا ہوجاتی ہے اور عرفانی زندگی جب آجاتی ہے‘ تو منشاء الٰہی حکومت کرتی ہے انسان کے اوپر اس وقت انسان کی زندگی نہایت بلند وبالا ہوتی ہے جیسا کہ انبیاء اولیاء کاملین اور علماء ربانین کی زندگی جس کے اندر دنیا ساری موجود ہے مگر حظ نفس کا کوئی گذر نہیں‘ نفسانیت کا کوئی

شائبہ نہیں للّٰہیت کے جذبات کام کرتے ہیں‘ عداوت اور دوستی سب کچھ اللہ کے لئے ہوتی ہے‘ نفسانی جذبات سے کچھ نہیں ہوتا، حدیث میں ہے من احبَّ للّٰہ وابغض للّٰہ واعطیٰ للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الإیمان (ابو داؤد:٤٦٨١) ”جس نے محبت کی تو اللہ کے لئے عداوت باندھی تو اللہ کے لئے‘ کسی کو دیا تو اللہ کے لئے، ہاتھ روکا تو اللہ کے لئے تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کردیا“ صحابہؓ نے محض منشاء خداوندی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے گھر بار لٹا دیا‘ ساری چیزیں وقف کیں وہ قانون شریعت سے آگے ہوکر‘ ورنہ حق تو صدقات واجبہ ادا کرنے سے بھی ادا ہوجاتا تو گویا عرفانی زندگی بسر کرنے والا گویا اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے‘ اسے دیکھتا ہے اسے عرفانی زندگی بھی کہیں گے احسانی بھی أن تعبد اللّٰہ كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك (بخاری:٥٠) ”اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا یہ اللہ کو دیکھ رہا ہے‘ اس مقام تک نہ پہنچ سکو تو کم از کم یہ کہ اللہ تو دیکھ رہا ہے“ یہ ہے اکمل زندگی۔

وحدانی زندگی

اور جب اتنا قریب ہوجائے کہ گویا تمام اعمال محبوب کو دیکھ کر کر رہا ہے تو اب یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف دیکھنے پر قناعت کرے‘ بلکہ چاہتا ہے کہ نہ صرف دیکھوں بلکہ معانقہ کروں گلے لگوں، تو ایک وقت یہ بھی آتا ہے کہ اس معرفت واحسان کے بعد جی چاہتا ہے کہ مصافحہ کروں‘ مل لوں‘ حق تعالیٰ سے‘ اور فرمایا گیا حدیث میں وما یزال عبدی یتقرب إلیّ بالنوافل حتیٰ أحبّه فإذا أحببته كنت سمعه‘ الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التي یبطش بها (بخاری:٦٥٠٢) ”بندہ نوافل پڑھتے پڑھتے مجھ سے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے‘ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں‘ ظاہری اعضاء اس کے ہوتے ہیں قوتیں میری کام کرتی ہیں‘ یہ گویا وہ مقام ہے کہ گویا اپنے نفس کو مٹا کر ختم کردیا اور

سامنے کردیا اللہ تعالیٰ کے اور حق تعالیٰ کی ذات اور تجلیات کے اندر غرق ہوگیا ومایزال عبدی یتقرب إلیّ بالنوافل حتیٰ أحبّه فإذا أحببته كنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التي یبطش بها(بخاری:۲ ۶۵۰) جس کو یوں کہنا چاہیے جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ......

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگرے

تو میری جان بن گیا کہ سرایت کئے ہے تو میرے اندر تو میں بن گیا اور میں تو' وحدت پیدا ہوگئی تا کہ کہنے والا یہ نہ کہے کہ میں کوئی اور ہوں اور تو کوئی اور' اس زندگی کو ہم کہیں گے' وحدانی زندگی کہ وحدت پیدا ہوگئی اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ خدا میں غرق ہو کر اس کا جز بن گیا اللہ تعالیٰ جزئیت سے پاک ہے بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنے نفسانی شہوات کو ختم کر کے جذبات پیدا کر دیئے مناسبت مع اللہ کے کہ جو وہ کرتا ہے میں بھی کروں گا، وہ چاہے گا میں بھی چاہوں گا کسی بزرگ سے پوچھا تھا کسی نے کہ کیا حال ہے؟ تو کہا کیا حال اس شخص کا ہو سکتا ہے کہ جس کی مرضی پر دونوں جہان کے کارخانے چلتے ہوں تو پوچھنے والے نے کہا اچھا آپ اس درجہ کے ہیں کہا ہاں الحمد للہ میں تو اس مقام پر ہوں، کہا آخر کس طرح کہا اس طرح کہ دونوں جہاں کے کارخانے چلتے ہیں اللہ کی مرضی پر اور میں نے اپنی مرضی کو فنا کر دیا ہے اللہ کی مرضی میں جو وہ چاہتا ہے وہ میں چاہتا ہوں، اگر کوئی پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہوں کہ الحمد للہ یہی بہتر تھا، اگر کوئی مرتا ہے تو الحمد للہ یہی مناسب تھا، میں کون ہوں اللہ کے خلاف رائے دینے والا کہ وہ تو مارے میں کہوں یہ زندہ رہے تو سارا عالم میری مرضی پر چلنے لگا۔

فنا فی اللہ شخصیات

شاہ دولہؒ انبالہ ضلع کے ایک بزرگ گذرے ہیں، سائیں توکل شاہ کے سلسلہ میں تھے گاؤں میں بارش جو ہوتی جمنا کے کنارے گاؤں تھا، جمنا چڑھ گئی، طوفان آیا، ایک دیوار تھی جس کی وجہ سے پانی کچھ رکا ہوا تھا اگر وہ دیوار نہ ہوتی تو سارا گاؤں غرق ہو جاتا لوگ بیچارے پریشان ہو کر شاہ دولہ کی خدمت میں آئے کہ حضرت! اللہ کے واسطے دعا کریں، طوفان سے گاؤں غرق ہو رہا ہے فرمایا اچھا طوفان آگیا چلو، پھاوڑا لیکر چلے، مجمع گاؤں والوں کا ساتھ تھا، تو جو دیوار تھی شاہ دولہ نے وہ دیوار ڈھانا شروع کر دیا، اب تو لوگ چلانے لگے کہ حضرت سارا گاؤں غرق ہو گیا فرمایا! جدھر مولیٰ ادھر شاہ دولہ کیا میں خدا کا مقابلہ کرنے آسکتا ہوں؟ تو یہ مقام جب نصیب ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کی رضا میں فنا کر دے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ بس جو اللہ چاہتا ہے وہی تم بھی چاہو اس کے خلاف چاہ نہیں سکتے جس کو وہ مرضی اور پسندیدہ قرار دیں ہم بھی اسے پسندیدہ قرار دیں تو کہا جائے گا کہ یہ شخص فنائیت کے مقام پر پہنچ گیا فانی فی اللہ ہو گیا، یہ نہیں کہ ایک جزء بن گیا یہ تو جزئیت اور بعضیت آ گئی اللہ کی ذات اس سے پاک ہے، فنائیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کے تقاضوں کو ختم کر دے، خدا کی مشیت میں اپنے آپ کو غرق کر دے کہ جو ان کا منشاء وہ میرا منشاء جدھر مولیٰ ادھر شاہ دولہ اس کو ہم کہیں گے وحدانی زندگی اور یہاں بھی وہی مادہ ہے زندگی کا وہی کھانا پینا، چلنا پھرنا، اوڑھنا پہننا، لیکن وہ اس درجہ پر آگیا کہ قانون سے بالاتر ہو کر محض منشاء کی پابندی میں غرق اور اسکی مرضی کے اندر فانی ہو جاتا ہے۔

نبی ﷺ خدائی قوتوں کا آلہ کار

اسی موقع پر فرمایا گیا ہے نبی کریم ﷺ کیلئے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

رَمٰی غزوہ بدر کے اندر آپ نے کنکریاں پھینک کر ماریں ،تو جس کے دماغ پر کنکر پڑی
وہ دماغ تو کیا پورے بدن کو قلب وجگر کو پھاڑ کر رکھ دیتی اور سارے بدن سے پار ہو کر
گزرتی تو کنکر میں اتنی طاقت تو نہیں ہوتی لیکن نبی ﷺ کے اندر جذبات حق موجود ہیں ،
انکی طاقت سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے نبی آلہ کار ہوتا ہے اور خدائی قوتیں ان کے اندر کارفر
ہوتی ہیں اسی کو فرمایا قرآن میں وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وہ تو اللہ میاں
مار رہا تھا اور جیسے فرمایا گیا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ”ہمارا
پیغمبر ہوائے نفس سے نہیں بولتا وحی سے بولتا ہے“ تو وحی تو کلام خداوندی ہے تو مطلب یہ ہے
کہ زبان تمہاری ، کلام ہمارا ہوتا ہے ،تمہارا ذاتی کلام بھی تمہارا نہیں زبان تمہاری ہے
روشنی ہماری ہے اور چراغ تمہارا ہے جس سے گھر روشن ہو جاتا ہے اور جیسے کہ دوسری
جگہ فرمایا گیا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ”اے نبی! جو تمہارے ہاتھ پر بیعت
کر رہے ہیں وہ تمہارے ہاتھ پر نہیں اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں“ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ
”اللہ کا ہاتھ سب ہاتھوں کے اوپر ہے“ تو اس میں وحدت بیان کی گئی ہے ، نبی کے ہاتھ کو اپنا
ہاتھ کہا ، نبی کے کلام کو اپنا کلام کہا نبی کی منشاء کو اپنا منشا یہ جب پیدا ہوتا ہے کہ وحدانی
زندگی آجائے۔

زندگی کی پانچ اقسام

تو میں نے پانچ زندگیاں آپ کے سامنے پیش کیں ،ایک حیوانی زندگی ،ایک
انسانی ، ایک ایمانی ، ایک عرفانی اور ایک وحدانی مگر ان پانچ زندگیوں میں جو دو ابتدائی
زندگیاں ہیں وہ مبادی اور سبب کے درجے میں ہیں اور آخر کی زندگی ثمرہ کے درجے
میں ہے اور بیچ کی زندگی جس کو میں نے ایمانی زندگی کہا کہ وہ اصل مقصود ہے ، زندگی
بنانے کیلئے حیوانی بھی ضروری ہے مگر یہ زندگی اصل مقصود نہیں ،مقصود ان ساری زندگیوں

سے یہ ہے کہ یہ سارے کام رضائے خداوندی کے لئے ہوں اور یہ جو احسانی زندگی ہے
کہ منشاء کو پالیا اور وحدانی زندگی یعنی فانی ہونا یہ ثمرات کے درجے ہیں اور نتیجہ ہے تو بیچ
کی زندگی کے لئے دو نتیجے ہیں اور دو سبب ہیں مقصود اصل بیچ کی زندگی یعنی ایمانی زندگی
ہے ، جس کا نام شریعت اور اتباع شریعت ہے اور قانون شریعت کی پابندی ہو نہیں سکتی
جب تک کہ حیوانی اور انسانی زندگیاں ہم میں نہ ہوں اس واسطے اصل مقصود ایمانی زندگی
رہ گئی کہ میرا مرنا جینا اللہ رب العزت کیلئے ہو اس کے قانون کے تحت ہی ہو اس کو قرآن
نے حیات طیبہ قرار دیا ہے کہ جو شخص ایمان اور عمل صالح اختیار کریگا مرد ہو یا عورت
اسے ہم پاکیزہ زندگی عطا کریں گے یہ کیا ہوگی جذبہ پیدا ہوگا ، اکل حلال کا حرام خوری
سے بچے گا جتنا اس سے بچے گا حق تلفی سے بچے گا جتنا حق تلفی سے بچے گا امن کا ذریعہ
بنے گا ،محبوب القلوب بنے گا مبغوض نہ ہوگا اگر ایک شہر میں سب کے سب حرام چیزوں
کو چھوڑ کر خالص اپنے حق پر آجائے غیر کی حق تلفی نہ کرے تو باہمی محبت اور حسن سلوک
پیدا ہوگا اور شریعت اسلام کے اتباع ہی میں در حقیقت امن ہے ، جتنا اس سے ہٹو گے
برائی پیدا ہوگی کیونکہ حق تلفیوں سے نفرت اور برائی پیدا ہوتی ہے ۔

اصل چیز اتباع انبیاءؑ ہے

تو اصل بنیادی چیز جس سے کسی مملکت میں امن وسکون پیدا ہو وہ اتباع ہے
انبیاء کا پیروی ہے ان کی لائی ہوئی زندگی کی ، اتباع ہے انکی سنتوں کا تو اس طرح حلال
کی عادت پیدا ہوگی پھر عبادت میں لذت پیدا ہوگی محبت خداوندی کا ذائقہ انسان میں
آجائے گا اور اس میں سرشار ہو کر دنیا ومافیہا کی دولتیں ہیچ نظر آئیں گی جب باطن کی
دولتیں انسان کو میسر آجائیں تو سب دولتیں ہیچ بن جاتی ہیں ۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی دنیا سے بے نیازی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے تین تین ہزار مہمان ہوتے تھے ایک ایک دن میں بڑے بڑے ہال بھر جاتے تھے تو سنجر کے بادشاہ نے یہ پوچھا کہ شیخ کے ہاں مہمانداری زیادہ ہے معلوم نہیں کس طرح خرچ کرتے ہوں گے ،اب اس نے اپنے اوپر قیاس کیا حالانکہ وہ اللہ پر بھروسہ کر چکے تھے پریشانی کی کیا ضرورت تھی تو ایک صوبہ پورا جس کا نام نیمروز تھا شیخ کے نام وقف کیا شیخ کی مملکت قرار دے کر پیپل کے پتے پر لکھ دیا کہ پورا صوبہ نیمروز کا میں آپ کے نام کرتا ہوں جسکی سالانہ لاکھوں روپے آمدنی ہوتی ہے شیخ نے اس کا جواب فارسی کے دو شعر میں لکھا ......

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
در دل بود اگر ہوسے ملک سنجرے

سنجر کے بادشاہ کا جو چتر ہے اسی طرح میرا منہ سیاہ اور میں بد بخت بن جاؤں اگر اس میں ذرا بھی ہوس آجائے تو میں اپنے کو سیاہ بخت بن جاؤں گا، مجھے تمہارے صوبے کی ضرورت نہیں کیوں؟ آگے اس کی وجہ بیان کی ......

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

جس دن سے مجھے نیم شب کا ملک ہاتھ آیا ہے یعنی آدھی رات کی عبادت اور نفلوں کی وہ لذت اور جو حق تعالیٰ کے جلال و جمال کے مشاہدے ہوتے ہیں تو نیمروز کے ملک کی جو کے برابر بھی وقعت نہیں رہی ،تو اہل اللہ ساری دنیا پر لات مار دیتے ہیں تو اہل اللہ کو یہ لذتیں ملتی ہیں وہ ان وقتی لذتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

ضبط و ترتیب: مولانا سمیع الحق صاحب

(الحق ج ۶ ش ۸۔۱۰، ۱۹۷۱ء مئی ، جون ، جولائی)

دین اور شعائر دین کا احترام

دین کا تحفظ ادب کے بغیر ناممکن ھے

یہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ ، کی ایک نادر اور بیش قیمت تقریر ہے جس کا آغاز ابتداء مجلسی گفتگو کی صورت میں ہوا تھا مگر طبیعت کے انشراح اور مضامین کی آمد کی وجہ سے آگے چل کر اس گفتگو نے ایک حکیمانہ تقریر کی شکل اختیار کر لی تقریر اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس میں شعائر دین ،علم ،علماء اور اہل اللہ کی نسبتوں کی عظمت اور اختلاف رائے کی حدود اور فرق مراتب کو ہر حال میں ملحوظ رکھنے پر زور دیا گیا ہے اس وقت علماء حق کی ایک جماعت میں جو بیان بازی اور طنز و تشنیع کا سلسلہ شروع ہے حضرت قاری صاحب کی یہ تقریر ایسے حضرات کیلئے ایک دعوت فکر ہے اور منبر حقانیہ سے اس کا تعلق اس لئے ہے کہ ٹیپ کہیں سے حاصل کر کے من وعن اسے ضبط و مرتب کرنا اور پھر حقانیہ کے ترجمان ''الحق'' میں اسے پہلی بار شائع کرنا ایک خادم حقانیہ ناچیز سمیع الحق کے ذریعہ ہوا (سمیع الحق)

دین میں بنیادی چیز ادب ہے

دین کیلئے ادب ایک بنیادی چیز ہے ،جس حد تک ادب اور تادب بڑھتا جائے گا اسی حد تک دین انسان کا قوی ہوتا جائے گا اور جس قدر بے ادبی یا گستاخی جرأت و

جسارت اور بیبا کی بڑھتی جائے گی ، انسان دین سے ہٹتا جائے گا ، خواہ علم ہو یا عمل ان میں شریعت نے آداب کی رعایت رکھی ہے، مثلاً قرآن کریم میں ارشادفرمایا گیا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ''اے ایمان والو! نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھ کر بلند آواز سے گفتگو مت کرو اپنی آوازوں کو پست کرو اور ایسی آواز نہ ہو کہ نبی ﷺ کی آواز سے بڑھ جائے ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے نہ اس پر اجر مرتب ہوگا اور نہ ثواب'' حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ خلقی طور پر بلند اور جهوری الصوت تھے، آواز ہی اسطرح بلند تھی کہ آہستہ بولتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ زور سے بول رہے ہیں لیکن آیت اترنے کے بعد اتنا آہستہ بولنے لگے کہ بعض دفعہ کان لگا کر سننا پڑتا اور فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں میری آواز بلند ہو جائے اور میرے اعمال حبط نہ ہو جائیں اس سے مسئلہ نکل آیا کہ ادب سب سے بڑی چیز ہے حقیقتاً تو ادب حق تعالیٰ شانہٗ کا ہے، عظمت والی ذات اللہ ہی کی ہے، اس واسطے اس کی بارگاہ میں ادب اور تواضع چاہئے۔

قرآن کریم کا ادب

پھر جس جس کو اللہ سے نسبت ہوتی جائے گی ، اس کا ادب قائم ہوتا جائے گا ، مثلاً قرآن کریم کا ادب قائم کیا گیا کہ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اگر حالت جنابت تک نجاست پہنچ گئی تو تلاوت بھی ناجائز ہوگئی ، گویا زبان بھی پاک نہ رہی ، تو یہ قرآن کا ادب سکھلایا گیا کہ اس کلام کی نسبت ہے اللہ کی طرف جس کا نام ہے کلام اللہ ، اللہ کا ادب ضروری ہے تو اللہ کے کلام کا ادب بھی ضروری ٹھہرا ، حالانکہ قرآن کریم جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ کلام اللہ نہیں ہے یہ تو کاغذوں کا مجموعہ ہے ، جو حروف ونقوش لکھے ہیں یہ تو علامات ہیں کلام کی ، کلام وہ ہے جس کا تکلّم کیا جائے ، پھر وہ حروف اور نقوش جن

کاغذات میں درج ہیں انہیں بھی بے وضو ہاتھ لگانے سے منع کیا گیا ، وہ کاغذات جس جلد میں سی لئے جائیں وہ بھی واجب التعظیم بن جاتی ہے ، تو حقیقت میں یہ کلام کا ادب بتلایا گیا ، لیکن جو جو چیزیں اس کی طرف منسوب ہوتی گئیں ، ان کا ادب بھی واجب ہوتا چلا گیا ، اور کلام کی وجہ سے نقوش اور نقوش کی وجہ سے کاغذ اور جلد درجہ بدرجہ سب کی تعظیم ضروری ٹھہرتی گئی اگر ادنیٰ درجہ بھی گستاخی بھی ان میں سے کسی چیز کی کی جائے تو اعمال کے ضبط وحبط ہونے کا اندیشہ ہے ، اس لئے کہ بے ادبی کے ساتھ دین قائم رہ نہیں سکتا۔

بیت اللہ کا ادب

اسی طرح جب اللہ کا ادب واجب ہے تو بیت اللہ کا ادب بھی واجب ہو گیا ''اللہ کا گھر'' یہ نسبت جب آ گئی تو ادب لازم ٹھہرا ، حالانکہ حق تعالیٰ حیز ، جسم اور مکان سے بری ہے ، لیکن نسبت جب آئی کہ تجلیات ربانی کا مرکز ہے تو اس گھر کا ادب ضروری ہو گیا۔

مسجد حرام کا ادب

جب بیت اللہ کا ادب واجب ہوا تو جس مسجد حرام میں بیت اللہ واقع ہے وہ مسجد بھی واجب التعظیم ہو گئی اور اس درجہ بابرکت بن گئی کہ اگر ایک نماز یہاں پڑھی جائے تو ایک لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے یہ برکت اس نسبت کی ہے۔

مکہ مکرمہ اور عرب کا ادب

مسجد حرام جس محل میں واقع ہے وہ ہے مکہ مکرمہ ، تو مکہ مکرمہ بھی واجب التعظیم بن گیا اور اس کا ادب ضروری ہو گیا اور مکہ واقع ہے حجاز میں ، تو حجاز اور سارے عرب کا ادب واجب ہو گیا حدیث میں فرمایا حبّ العرب إیمان وبغضهم نفاق (المستدرك:۶۹۹۸) عرب سے محبت کرنا ایمان اور بغض رکھنا نفاق کی علامت

ہے تو درجہ بدرجہ سارے آداب واجب ہوتے چلے گئے ، اگر بے ادبی اور گستاخی کسی ایک میں بھی آگئی تو دین کا باقی رہنا مشکل ہوگا۔

اکابر کا ادب

اس لئے تادّب اور توقیر و تعظیم لازم قرار دی گئی حدیث میں فرمایا گیا من لم یرحم صغیرنا و یؤقر کبیرنا فلیس منا ”جو شخص ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کھاتا اور ہمارے بڑوں کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا“ اکابر کی ادب و توقیر واجب قرار دی گئی اور دھمکی دی گئی کہ اگر اسے نہ انجام دو گے تو ہماری جماعت میں شمار نہیں ہوگا ، اور یہ توقیر و ادب عمر کی بڑائی کی وجہ سے ہے اگر کوئی علم رکھتا ہے تو علم کی وجہ سے ادب ہوگا علم کے ساتھ زہد و قناعت کے جذبات اور اخلاق رکھتا ہے تو اس کا ادب واجب ہوگا ، لیکن اگر کوئی بھی کمال نہ ہو صرف عمر کی بڑائی ہو تو اس وجہ سے بھی اس کا ادب ضروری ہوگا حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی بوڑھے کی تعظیم اس کے بوڑھا ہونے کی وجہ سے کرے تو وہ اس سے پہلے نہیں مرے گا کہ حق تعالیٰ اس کے لئے چھوٹے پیدا کر دیں گے جو اسکی تعظیم کریں گے حدیث میں ہے کہ جو سفید ڈاڑھی والا ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے حیا آتی ہے کہ اسے خالی واپس کر دوں تو یہ اسکی سفید ڈاڑھی کا وقار ہے عند اللہ جو محض عمر کی بڑائی کی وجہ اسے حاصل ہو گیا ہے ، اگر اس بڑائی کے تحت اور بڑائیاں بھی جمع ہو جائیں علم ، اخلاق ، تو ادب بھی بڑھتا جائیگا۔

امامت کیلئے کوئی بھی خصوصیت تقدم ضروری

لیکن اگر کوئی ہنر نہ ہو تو خلقی کمال پر بھی ادب کی تلقین کی گئی ہے مثلاً حدیث میں ارشاد ہے یؤمُّ القوم أقرؤهم لِكتاب الله وأقدمهم قرأةً امامت کرنے کا حق اس کا ہے جو سب سے صحیح قرآن پڑھے ، سب سے زیادہ قرآن کا عالم ہو فـــــان

كانوا فى القرأة سواء فأعلمهم بالسنةِ جو (الحامع الصحيح للسنن والمسانيد) سنت کا علم زیادہ رکھتا ہو اسے بڑھایا جائے اگر سنت کے علم میں بھی سب برابر ہیں تو مسائل صلوٰۃ سے جو زیادہ واقف ہو اسے آگے بڑھاؤ اگر اس میں بھی سب برابر ہوں ، تو فرمایا کہ جو خوبصورت ہو اسے آگے بڑھاؤ اگر سارے کے سارے حسین و جمیل جمع ہوں تو فرمایا جس کا نسب اونچا ہو تو کوئی خصوصیت تقدم کی چاہئے کہ مقتدیوں کو عار لاحق نہ ہو اگر بڑے بڑے اہل کمال جمع ہیں اور کسی جاہل کو امامت کیلئے بڑھایا انہیں عار لاحق ہوگا کہ کیسے بڑھا دیا ، اگر سب حسین و جمیل ہوں ، اور کسی اندھے بہرے کو بڑھا دیا تو انہیں حقارت پیدا ہوگی کہ یہ کہاں سے آگے بڑھ گیا۔

غیر اختیاری کمالات کا ادب

تو جب اور کمالات میں سب برابر ہوں تو پھر خوبصورتی کو آگے رکھا گیا ، حالانکہ یہ کوئی اختیاری کمال نہیں ، خدا کی بنائی ہوئی چیز ہے لیکن غیر اختیاری چیز بھی بعض اوقات خصوصیت کا باعث بن جاتی ہے تقدم و تقدیم کے لئے آداب کی ضرورت ہے ، اور ان آداب میں بعض دفعہ تکوینی چیزیں بھی داخل ہو جاتی ہیں باوجود یہ کہ عمر یا حُسن تو اللہ کی دی ہوئی چیز ہے مگر اس کے باوجود فرمایا کہ اس کا ادب کرو ، تو حاصل یہ نکلا کہ ہر بڑائی مستحق ہے تعظیم کی خواہ وہ تکوینی بڑائی ہو یا تشریعی ، اختیاری بڑائی ہو یا غیر اختیاری اگر توقیر نہ کی گئی تو فرمایا کہ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ ممکن ہے تمہارے اعمال اور دین پر اثر پڑ جائے۔

نسبتوں کی توقیر

یہاں تک کہ نسبتوں تک کا ادب سکھلایا گیا ، یہ جو اللہ والوں کے ہاں نسبتوں کی توقیر کی جاتی ہے کہ شیخ کی عظمت کرتے ہیں ، تو شیخ کی اولاد اور وطن کا بھی نسبت کی وجہ سے

ادب کرتے ہیں حدیث میں فرمایا فاطمة بضعة منی من آذاها فقد آذانی (سنن کبری')
"فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جس نے اسے ستایا اس نے مجھے ستایا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس
نے فاطمہ کی توقیر کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی توقیر کی تو یہ توقیر شرفِ صحابیت کی
وجہ سے نہیں سکھلائی گئی یہ تو اور صحابہؓ میں بھی ہے بلکہ نبی کریم کی اولاد ہونے کی جو
نسبت ہے اسی کا ادب سکھلایا گیا، اس لئے فرمایا کہ فاطمہؓ میری جگر گوشہ ہے یہ نہیں
فرمایا کہ میرے صحابہؓ میں داخل ہے، صحابیت کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی جمع ہو گئیں جو
اولادِ رسول ہونا ہے کہ یہ جزء ہے رسول کا، تو جب رسول کا ادب ہوگا قلب میں تو اولاد
رسول کا بھی ہوگا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور لحاظ ادب کے واقعات

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم
دیو بند کے متعلق کہ ان کی عادات میں ادب کا لحاظ بے حد ہوتا، قلب کے اندر ہر بڑائی
کا، تو میں نے سنا کہ سادات کا کوئی نابالغ بچہ بھی آجاتا تو سرہانہ چھوڑ کر پائنتی کی طرف
بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ دنیا مخدوم زادوں کی عزت کرتی ہے یہ تو سارے عالم کے مخدوم
زادے ہیں، سارے عالم پر ان کی تعظیم واجب ہے، حالانکہ بچہ نابالغ ہے مگر فرماتے یہ
مخدوم زادہ ہے، کہ اولادِ رسول ﷺ ہے ایک دفعہ حضرت نانوتویؒ مراد آباد تشریف لے
گئے اور جانا آگے تھا، مراد آباد ہی ٹھہرے اور پروگرام میں حضرت نے صرف ایک دن
رکھا تھا، آگے جانا تھا، لوگوں نے اصرار کیا مگر انکار فرمایا، تو علماء کا طبقہ جمع ہو کر آ گیا ٹھہر
جائیں، انکار کر دیا کہ نہیں ٹھہروں گا پھر بعض امراء جمع ہو کر آ گئے تو امراء سے کہا کہ جب
علماء کی نہ سنی تو آپ کی کیسے مانوں، تو مراد آباد کے لوگوں کے دل میں ٹھن گئی کہ کسی نہ
کسی طرح ٹھہراؤ، تو ایک نے مشورہ دیا کہ ایک ہی صورت ہے ان کو ٹھہرانے کی، فلاں

دفتر میں ایک کلرک ہے ایک لڑکا چودہ، پندرہ سال کا، اسے بلالاؤ، وہ ٹھہرا سکے گا، جب
وہ آیا تو حضرت نے ادب سے اپنی مسند چھوڑ دی، کھڑے ہو گئے اور بہت جھک کر
مصافحہ کیا اور اپنی جگہ پر اسے بٹھا دیا، خود مؤدب ہو کر سامنے بیٹھ گئے اس نے کہا
حضرت جی چاہتا ہے کہ کچھ ٹھہر جائیں فرمایا بہت اچھا ٹھہر گئے اور اتنے ٹھہرے کہ ایک
ہفتہ تک ٹھہر گئے، لوگوں نے سوچا کہ حضرت اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک وہ
لڑکا نہ کہے گا، تب آ کر اس نے اجازت دی وہ بات کیا تھی؟ بات یہ تھی حضرت کے شیخ
تھے حاجی امداد اللہ اور حاجی امداد اللہ کے شیخ تھے میاں جی نور محمد جھنجھانوی اور یہ لڑکا میاں
جی مرحوم کا نواسہ لگتا تھا تو شیخ کی نسبت میں اتنا ادب تھا کہ ان کے حکم کی وجہ سے وہیں
رک گئے، کسی کا حکم نہ مانا، یہ نسبت کا ادب تھا، شیخ کے بھی نہیں شیخ الشیخ کے نواسے تھے،
اور یہ ادب تب ہوتا ہے کہ جب اصل شیخ کا ادب دل میں ہو حتیٰ کہ وطن کی نسبت کی وجہ
سے شیخ کے وطن کے ساتھ شریف لگاتے ہیں، دیو بند شریف، نانوتہ شریف، مکہ شریف،
تو وہ شریف کا لفظ تعظیم کی وجہ سے لگاتے تھے تو نسبت کا ادب اور عظمت یہ کوئی غیر شرعی
چیز نہیں ہے۔

شاہ ابو سعیدؒ کا واقعہ

اہل اللہ نے نسبتوں کی اس درجہ ادب کی ہے کہ شیخ کی اولاد اگر جاہل اور کندہ
ناتراش بھی ہوتی تو پھر بھی حد درجہ ادب کیا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہٗ جو
مشائخ چشتیہ میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں، ان کے پوتے ہیں شاہ ابو سعید صاحب
سلسلہ چشتیہ کے مشائخ میں سے ہیں تو ابتدائی زمانہ شاہ ابو سعید کا بہت ہی آزادی کا تھا نہ
نماز نہ روزہ نہ پابندی، لباس کے شوقین ہر وقت مکلّف کپڑے بس اسی میں لگے رہتے، نہ
علم سیکھنے کی طرف توجہ تھی، نہ اعمال کی اصلاح کی طرف، جوانی کا زمانہ رنگ رلیوں میں

پڑے رہتے، وہ ایک دن گنگوہ میں جارہے تھے کسی گلی میں کہ بھنگن نے ٹوکرہ کباڑ کا کہیں پھینکا اور سارا گرد ان کے کپڑوں کو لگ گیا، تو غضبناک ہو گئے اور کہا کہ حرام زادی بے حیا تجھے شرم نہیں آتی، یہ بھنگن تھی بوڑھی اور اس نے زمانہ پایا تھا حضرت شیخ عبدالقدوس کا تو اس نے تان کر کہا کہ کس برتے پر اکڑتا ہے، دادا کی میراث کمائی تھی جو آج اتنے فخر سے بولتا ہے؟ بس وہ دن تھا، اسی وقت واپس ہوئے اور گھر میں آکر والدہ سے کہا کہ اب میں گنگوہ اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک کہ دادا کی میراث نہ سنبھال لوں اور پوچھا کہ اس وقت حضرت شیخ کے خلفاء میں سے کون کون سے لوگ ہیں۔

شیخ نظام الدین بلخیؒ کی شاہ ابوسعیدؒ کی ریاضت اور مجاہدوں سے دل کی اصلاح

معلوم ہوا کہ اجلہ خلفاء میں سے شیخ نظام الدین بلخیؒ ہیں، انہوں نے خلافت لیکر بلخ کا سفر کیا تو بتلایا گیا کہ بلخ میں بڑی خانقاہ ہے لاکھوں کی اصلاح اور افادہ ہو رہا ہے، تو اطلاع دی شیخ نظام الدین کو کہ میں آرہا ہوں، شیخ کو صاحبزادے کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو جو پہنچنے کا دن تھا، اور اس زمانہ میں موٹر کاریں تو نہ تھیں، مہینہ دو مہینہ قطع مسافت کے بعد کہیں جا کر پہنچے شیخ کو اطلاع ہوئی تو اگرچہ صاحبزادہ جاہل ہیں، نہ علم، نہ ہنر اور شیخ وقت کے ہزاروں متوسل، ہزاروں مرید اور ہزاروں کو فائدہ علم اور دین کا پہنچ رہا ہے مگر اسی نسبت کے ادب کی وجہ سے کئی میل آگے جا کر استقبال کیا، اور جب شیخ نکلے تو تمام بلخ، امراء بلخ حتیٰ کہ شاہ بلخ بھی ساتھ نکلے، دور سے دیکھا کہ صاحبزادے گھوڑے پر آرہے ہیں تو حضرت نظام الدین آگے بڑھے اور قدموں پر ہاتھ رکھا صاحبزادہ گھوڑے سے اترنے لگے تو فرمایا نہیں آپ نہ اتریں اوپر رہیں، اب اس شان سے صاحبزادہ چلے آرہے ہیں کہ گھوڑے پر سوار ہیں اور قدموں پر ہاتھ رکھا ہے شیخ نے، اور جب شیخ نے ہاتھ رکھا تو دوسری رکاب پر خود شاہ بلخ نے ہاتھ رکھا، اس

شان سے بلخ آئے، مہمانداری بڑی اعلیٰ پیمانے پر ہوئی، تمام علماء و مشائخ اور امراء نے دعوتیں دیں صاحبزادہ کے احترام میں، جب تین دن گذر گئے اور شیخ کا یہ عالم یہ دو زانو بیٹھے ہیں، صاحبزادہ کو مسند پر بٹھا رکھا ہے، پھر پوچھا صاحبزادے! اتنا لمبا چوڑا سفر کیسے کیا، کہاں ہندوستان اور کہاں بلخ، کیا ضرورت پیش آئی، صاحبزادہ نے کہا کہ دادا کی میراث لینے آیا ہوں جو آپ لیکر آئے ہیں اور یہ ہے وہ نسبت اور تعلق مع اللہ کی میراث، فرمایا اچھا یہ غرض ہے، کہا جی ہاں، تو فرمایا کہ وہاں جوتیوں میں بیٹھ جاؤ اور خود جا کر مسند پر بیٹھ گئے، اب نہ وہ ادب ہے نہ وہ تعظیم اور بیعت کر کے تزکیۂ نفس کیلئے کچھ اعمال بتلائے، خدمت یہ سپرد کی کہ مسجد میں بیٹھ کر استنجا کے لئے ڈھیلے تڑوائیں، تا کہ نمازی آئیں تو تکلیف نہ ہو، سال بھر اسی حالت میں گزر گیا کہ کوئی پرسان حال نہیں یا تو شاہ بلخ رکاب تھامے آئے تھے یا آج صاحبزادے کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

جب ایک برس گزر گیا تو شیخ نے امتحان لینا چاہا کہ کس حد تک نفس کی اصلاح ہوئی، کبر و غرور رفع ہوا یا نہیں تواضع اور للّٰہیت پیدا ہوئی یا نہیں نفسانیت ختم ہوگئی یا نہیں تو بھنگن کو حکم دیا کہ کوڑا کباڑ کا ٹوکرہ لا کر صاحبزادے کے قریب ڈالدے تا کہ تھوڑا سا گرد صاحبزادے کے اوپر پڑ جائے اور جو کہے وہ ہم سے آکر کہدے، بھنگن نے جا کر ٹوکرا زور سے ڈالدیا تو سارا گرد صاحبزادے پر پڑا تو اس نے آنکھیں لال پیلی کر کے کہا کہ ”بے حیا نہ ہوا گنگوہ کہ تجھے بتلاتا“ اس نے آکر شیخ سے عرض کیا کہ ابھی وراثت نہیں ملی، ابھی نفسانیت کافی موجود ہے اگلے دن پھر حکم ہوا کہ استنجے کے ڈھیلے توڑنا تو خیر ہے ہی، مگر نمازی نماز پڑھ کر نکلے تو جوتے سامنے رکھو، اسکی حفاظت بھی کرتے رہو، اب اس خدمت پر لگ گئے جب ایک برس گذر گیا، تو بھنگن کو پھر حکم دیا کہ قریب میں نہیں بلکہ جا کر صاحبزادہ کے اوپر سارا کوڑا کرکٹ ڈالدو، اس نے جا کر سارا ٹوکرہ

ڈالدیا تو صاحبزادہ نے کہا ارے بی! کیوں اس کباڑ کو تو نے مجھ پر ڈال دیا یہ تو مجھ سے بھی زیادہ افضل ہے تو نے اس کباڑ کو بھی عیب لگایا، میں تو ایسی ناپاک ہستی ہوں کہ یہ کباڑ بھی میرے اوپر گرنے سے ناپاک ہوگیا، میرے اندر تو کوئی خوبی نہیں۔

بھنگن نے جا کر شیخ سے یہ سب کچھ عرض کیا، تو فرمایا کہ اب مل چکی ہے وراثت دادا کی، اس کے بعد اگلے دن شیخ نے حکم دیا کہ ہم شکار کیلئے جائیں گے ہمارے ساتھ چلو، شیخ سوار ہوا گھوڑے پر اور حکم دیا کہ تم رکاب تھام کر چلو اور جب وہ آئے تھے تو شیخ نے رکاب تھامی تھی، اور اب یہ حالت ہے کہ گرتے پڑتے شیخ کے ساتھ دوڑتے جارہے ہیں، لہولہان ہوگئے، پیروں میں زخم آیا اور خون نکل آیا مگر کیا مجال کہ یہ الگ ہو جائے رکاب سے، یہ ہوسکتا ہے کہ شیخ حکم دے اور اطاعت نہ کی جائے، اسی شان سے سارا دن بسر ہوا، شام کو واپس پہنچے تو صاحبزادہ کو حکم دیا کہ غسل کرو، صاحبزادہ نے غسل کیا کپڑے وغیرہ بدلوائے اس کے بعد مجمع کیا اور بھرے مجمع میں صاحبزادے کو کھڑا کر کے جوتا ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ غلام حاضر ہے، سر حاضر ہے، یہ جوتا ہے، میں اسطرح خانہ زاد غلام ہوں، دادا کی میراث مل نہیں سکتی تھی، اگر یہ محنت اور یہ ریاضت نہ ہوتی، نفس کا کبر رفع نہ ہوتا، اب تمہیں دادا کی میراث مبارک ہو، خلافت دی اور پگڑی باندھی سر کے اوپر تو وہ گویا بے ادبی نہیں تھی بلکہ مجاہدہ تھا کہ اس کے بغیر نفس کی اصلاح نہیں ہو سکتی تھی تو ریاضات اور مجاہدے اس لئے تو ہوتے ہیں کہ ادب کا مضمون قلب میں پیدا ہو جائے تو اللہ اور اس کے نیک بندوں کا بھی ادب کرو، ہر بڑی چیز کا ادب کرو جس میں کوئی بھی بڑائی اور خوبی ہو فرمایا من لم یرحم صغیرنا و یؤقر کبیرنا فلیس منا جو ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرے۔

مولانا نانوتویؒ اور اہل اللہ کا ادب

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا میں نے واقعہ سنا اپنے بزرگوں سے کہ کلیر

شریف جب بھی حاضر ہوتے تو وہ تو خیر عرس وغیرہ سے یہ حضرات بچتے تھے کہ بدعات ہیں لیکن بہرحال اہل اللہ کی قبروں پر جاتے تھے، استفادہ بھی کرتے تھے، کلیر شریف حاضر ہوتے تو کلیر شریف رڑکی سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر ہے، نہر کے کنارے کنارے راستہ جاتا ہے تو چلتے وقت جوتے نکال دیتے تھے، ننگے پیر، چھ میل کا راستہ طے کرتے یہ محض ادب اور ادب کا غلبہ حال تھا، آپ اگر پوچھیں کہ کیا شرعاً ایسا ضروری تھا؟ تو شرعاً تو ضروری نہیں ہے، کسی جگہ یہ حکم نہیں کہ جاؤ تو ننگے پیر جایا کرو، لیکن جب ادب غلبہ حال کے درجہ میں آتا ہے تو وہ وہ محتملات سامنے آتے ہیں، ادب و تأدب کے ظواہر شریعت میں نشان بھی نہیں ہوتا، مگر قلب شہادت دیتا ہے کہ یہ بھی ادب ہے اور اس پر عمل ضروری ہے تو وہ قانونی عمل نہیں ہوتا وہ اخلاقی عمل ہوتا ہے، قانون کی رو سے اسے واجب یا مستحب نہیں کہا جا سکتا، لیکن قلب اور محبت کے قانون کے لحاظ سے وہ واجب ہوتا ہے۔

غلاف خانہ کعبہ کے رنگ کا احترام

حضرت حاجی امداد اللہؒ جب ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عمر بھر سیاہ جوتا نہیں پہنا سرخ یا زرد رنگ کا پہنا کرتے، فرمایا کہ سیاہ رنگ کا ممنوع نہیں مگر بیت اللہ کا غلاف سیاہ ہے تو پاؤں میں اس رنگ کا جوتا کیسے پہنوں؟ اس ادب کی وجہ سے سیاہ رنگ کا جوتا پہننا چھوڑ دیا، پگڑی تو باندھتے سیاہ رنگ کی کہ یہ تو ادب کا مقام ہے، مگر قدموں میں نہیں۔

ادب میں محتملات کا بھی لحاظ ہوتا ہے

اب اگر آپ یوں کہیں کہ صاحب! کسی روایت کسی حدیث میں تو نہیں آیا حدیث میں تو ادب کا حکم آیا ہے، لیکن ادب جب رچ کر غلبہ حال کے درجہ میں آجاتا ہے تو بعید سے بعید چیز بھی ادب کے درجہ میں آتی ہو، انسان اس کا لحاظ رکھتا ہے اور عمل کرتا

ہے جیسے فقہاء نے لکھا ہے کہ بعض چیزیں بڑی متحملاتی ہیں لیکن آداب شرعیہ کے لحاظ سے
وہ ضروری قرار پا جاتی ہے الغرض اس طرح سے یہ آداب سکھائے گئے کہ اس کے بغیر
دین کا تحفظ نہیں ہوسکتا اگر ذرا سی بھی دل میں ان چیزوں کے لئے تمسخر و استہزاء کا مادہ
موجود ہے تو دین اس کا صحیح و سالم نہیں ہوسکتا اس واسطے ضروری ہے کہ قلب کے اندر
سنجیدگی اور وقار ہو اور احترام ہو آیات اور روایات کا اور ان شخصیتوں کا جن سے آیات و
روایات اور دین کا تعلق ہے جن کا ادب و احترام ضروری ہے اور جس کے بغیر دین محفوظ
نہیں رہ سکتا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا مقام ابراہیم کے گرے ہوئے برج کے ٹکڑے کا غایت درجہ ادب

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حرم مکہ میں سیلاب آیا
اور حرم شریف میں پانی بھر گیا، تو مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ
السلام نے تعمیر کی تھی بیت اللہ کی، وہ اب بھی محفوظ ہے اور اس پر نشان بھی ہے ابراہیم
علیہ السلام کے قدم مبارک کا، اس کے لئے ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہے اس کے اندر
وہ مقام محفوظ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى جو طواف
کرتے ہیں تو مقام ابراہیم کو بیچ میں لینا مسنون ہے، الغرض سیلاب جو آیا تو مقام
ابراہیم پر بنی ہوئی عمارت کا برج گر پڑا اور وہ آگیا مقام ابراہیم کے اوپر تو اس کا ایک
کنارہ ٹوٹ گیا اور وہ کنارہ اسی وقت شریف مکہ کے خزانے میں پہنچا دیا گیا وہ چیز مقدس
تھی، تو شریف مکہ علماء و مشائخ کو وقتاً فوقتاً اس پتھر کی زیارت کراتے تھے تو خدا جانے کیا
صورت پیش آئی کہ اس کے دو تین ٹکڑے ہو گئے اس میں سے ایک چھوٹا ٹکڑا شریف مکہ
نے ہدیہ کے طور پر بعض مشائخ کو دیا اور وہ کسی نہ کسی طرح منتقل ہو کر حضرت مولانا
گنگوہی کے پاس پہنچ گیا، تو مولانا کی عادت یہ تھی کہ اس مقام ابراہیم کے ٹکڑے کو نکال

کر پانی میں ڈالتے اور پانی تقسیم کیا جاتا تمام اہل مجلس میں، اس ٹکڑے میں سے کچھ
ریزے گر گئے تو حضرت نے فوراً ریزوں کو جمع کر کے آنکھوں کے سرمہ میں شامل کرلیا
جب آنکھوں میں سرمہ لگاتے تو وہ حل کیا ہوا پتھر بھی آنکھوں میں جاتا، تو یہ ادب کی بات
تھی طبی اصول پر دیکھا جائے تو آنکھوں کے اندر مٹی یا پتھر کا ریزہ ڈالنا بینائی کے لئے
نقصان دہ ہے، مگر اس چیز کی پرواہ نہ تھی بزرگوں کو، بینائی کیا چیز ہے اس شرف کے
مقابلہ میں جو مقام ابراہیم کے مجاورت اور قرب سے نصیب ہوتا ہے، تو بہر حال دین کی
بنیاد ادب و توقیر اور تعظیم کے اوپر ہے، اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم، بیت اللہ، کتاب اللہ کی
تعظیم، اہل اللہ کی تعظیم، غرض جو بھی اللہ کی طرف منسوب ہو جائیں انکی عظمت و توقیر کرنا
یہ دین کی بنیاد ہے۔

اختلاف رائے میں بھی ادب کے حدود

مشائخ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی شیخ سے بیعت ہو اور فرض کیجئے کہ اسکی
سنت کے خلاف کوئی بات دیکھی اور ارادہ کیا کہ کسی متبع سنت شیخ سے بیعت ہو جائے تو
مشائخ بالا جماع لکھتے ہیں کہ بیعت ترک کر دینی چاہئے اس شیخ سے جس سے سنت کے
خلاف اعمال ظاہر ہوتے ہیں، لیکن بے ادبی کا کلمہ کبھی نہیں کہنا چاہئے، گستاخی کا کلمہ کبھی
نہ کہے اس کے حق میں جائز نہیں کہ اسکی بے ادبی کرتا پھرے، ورنہ معنویت اور روحانیت
کو نقصان پہنچے گا یہ وہی ہے بنیاد احترام کی تو کسی عالم سے فرض کیجئے کہ آپ کسی مسئلہ میں
مختلف ہو جائیں، یا دوسرا عالم آپ سے مختلف ہو جائے تو مسئلہ میں اختلاف کرنا تو جائز
ہے جب اپنے کو دیانتاً علی الحق سمجھے لیکن بے ادبی اور تمسخر کرنا کسی حالت میں جائز
نہیں ہے، کیونکہ بے ادبی اور تمسخر کرنا دین کا نقصان ہے اور اختلاف کرنا حجت سے یہ
عین دین ہے تو دین جائز ہے خلاف دین جائز نہیں۔ اختلاف رائے کا حق حاصل ہے حتیٰ

که اگر ذاتی رائے اور مشورہ ہو تو انبیاء علیہم السلام سے آدمی رائے میں بھی مختلف ہو سکتا ہے احکام اور اوامر کا جہاں تک تعلق ہے اختلاف اور رائے زنی جائز نہیں ، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ "کسی مومن اور مومنہ کیلئے جائز نہیں ہے کہ جب حکم آجائے اللہ اور رسول کا تو پھر اس کے ماننے سے چوں و چرا کی جائے" تو جہاں تک احکام دین کا تعلق ہے ، رسول تبلیغ فرمادیں تو تامل بھی جائز نہیں چہ جائے کہ قبول نہ کرے لیکن اگر رسول یہ فرمائے کہ میری ذاتی رائے یہ ہے تو اگر آدمی نہ مانے تو اس پر کوئی الزام و ملامت نہیں ۔

حضرت بریرةؓ اور مغیثؓ کا واقعہ

حدیث میں واقعہ بیان ہوا ہے حضرت بریرہؓ کا یہ باندی تھیں حضرت عائشہؓ کی ، ان کا نکاح کر دیا گیا حضرت مغیث سے یہ بھی صحابی ہیں تو بریرہؓ خوبصورت تھیں اور مغیث بدصورت ، حضرت مغیث تو سو جان سے عاشق تھے بریرہؓ کے اور بریرہؓ کی نفرت تھی ، اس دوران میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عائشہؓ نے بریرہ کو آزاد کر دیا اور مسئلہ شرعی یہ ہے کہ باندی اور منکوحہ اگر آزاد ہو جائے تو نکاح کا باقی رکھنا نہ رکھنا اس کے اختیار میں ہو جاتا ہے اگر وہ چاہے کہ فلاں شخص غلام ہے تو جائز ہے کہ نکاح فسخ کر دے اب حضرت مغیث پریشان ، وہ تو سو جان سے عاشق اور بریرہ کی طبیعت کو مناسبت نہیں اور بات آگئی حضرت بریرہ کے ہاتھ تو لکھا ہے کہ حضرت مغیث مدینہ کی گلیوں میں پھر رہے ہیں ، رو رہے ہیں آنسو ڈاڑھی پر گر رہے ہیں اور ہر ایک کے پاس جاتے ہیں کہ تم سفارش کرو کہ نکاح کو بریرہ فسخ نہ کرے آخر میں پہنچے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اور کہا کہ یا رسول اللہ! آپ فرمائیں بریرہ کو کہ وہ نکاح نہ توڑے حضور ﷺ تشریف لائے اور بریرہ سے فرمایا کہ اے بریرة! نکاح کو فسخ مت کرو مغیث کا برا حال ہے اسے محبت اور تعلق ہے ، مگر بریرہ تھی

بہت دانشمند فرمایا یا رسول اللہ ! یہ حکم شرعی ہے یا حضور ﷺ کی ذاتی رائے ہے فرمایا نہیں مشورہ ہے حکم شرعی نہیں ، فرمایا میں تو نہیں مانتی تو فرمایا تجھے ماننے نہ ماننے کا حق ہے اس سے اندازہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ذاتی رائے سے بھی اختلاف کا حق ہے ، یعنی کوئی ملامت اس میں نہیں ، نہ انبیا کا نہ شریعت کا یہ الگ چیز ہے کہ ادب کی وجہ سے ہم حضور ﷺ کے منشا کو بھی سو حکموں سے زیادہ سمجھیں گے بریرہ نے پہلے پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ! یہ حکم خداوندی ہے یا حضور ﷺ کی ذاتی رائے جب معلوم ہوا تو فرمایا میں تو نہیں مانتی تو ذرا بھر حضور ﷺ کے اوپر گرانی نہیں ہوئی ، لیکن رائے کے نہ ماننے کی وجہ سے کیا یہ جائز تھا کہ بریرہ معاذ اللہ ادنیٰ درجہ کی بے ادبی کرے شان رسالت میں اگر ذرا بھی بے ادبی ہوتی تو دین ختم ہو جاتا ادب اور عظمت کو اسطرح برقرار رکھا ، لیکن شریعت نے جو حق دیا اسکو استعمال کیا کہ میں تو نہیں مانتی یا رسول اللہ ﷺ ! یہ تو میرا خانگی معاملہ ہے اور اگر حکم شرعی ہے تو سر جھکا ہوا ہے ۔

اختلاف رائے کی گنجائش مگر بے ادبی کی نہیں

اس سے اندازہ ہوا کہ اختلاف رائے اگر اہل اللہ اور علماء میں ہو جائے تو مضائقہ نہیں ، لیکن بے ادبی یا تذلیل کسی حالت میں جائز نہ ہوگی اس لئے کہ وہ بہر حال عالم دین ہے جس سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں مگر اس کا مقام و منصب بطور نائب رسول کے ہے اسکی عظمت واجب ہوگی ہم امام ابو حنیفہؒ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں ، امام شافعیؒ پچاسوں مسئلوں میں ان سے اختلاف کرتے ہیں مگر ادنیٰ درجہ کی بے ادبی قلب میں امام شافعیؒ کی نہیں آتی ، اور جیسا کہ امام ابو حنیفہ واجب التعظیم ہیں ویسے ہی امام شافعیؒ دونوں آفتاب و ماہتاب ہیں ، دونوں سے نور اور برکت حاصل ہو رہی ہے کسی طرح جائز نہیں کہ ادنیٰ درجہ کی گستاخی دل میں آجائے ۔

گستاخی جہالت کی علامت ہے

گستاخی و استہزاء کرنا جہالت کی بھی علامت ہے، موسیٰ علیہ السلام نے جب نصیحت کی قوم کو اور فرمایا کہ فلاں مقتول زندہ ہو جائے گا اگر گائے کو ذبح کر کے اس کا گوشت میت سے ملا دیا جائے تو بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا '' آپ کیا مذاق کرتے ہیں؟'' اس بات میں کیا تعلق ہے کہ گوشت کو مردہ سے ملا دیا جائے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ''میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں شامل ہو جاؤں'' یعنی دل لگی، تمسخر جاہلوں کا کام ہے، عالموں کو مناسب نہیں کہ تمسخر کرے اس لئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے تو ایک ہے رائے کا اختلاف، ایک ہے کسی عالم کے مسلک کا اختلاف اور ایک ہے بے ادبی، تو بے ادبی کسی حالت میں جائز نہیں۔

مولانا تھانویؒ کی مولانا احمد رضا خانؒ کا احترام

میں نے مولانا تھانوی کو دیکھا مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم سے بہت سی چیزوں میں اختلاف ہے قیام، عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں اختلاف رہا مگر جب مجلس میں ذکر آیا تو فرماتے مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم ایک دفعہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے کہیں بغیر مولانا کے احمد رضا کہہ دیا تو حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ عالم تو ہے اگر چہ اختلاف رائے ہے تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو، کس طرح جائز ہے؟ تو رائے کا اختلاف اور چیز ہے اور اس عالم کی عزت کرنا اور چیز ہے، تو بہر حال وہ حجت سے اختلاف کرنا الگ چیز ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو خطا سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے مگر ان کی توہین اور بے ادبی کرنے کا کیا مطلب؟ تو مولانا تھانوی نے مولانا نہ کہنے پر برا مانا حالانکہ مولانا تھانویؒ کے مقابل جو مولانا تھے وہ انتہائی گستاخی کیا کرتے تھے مگر مولانا اہل علم میں سے تھے وہ تو نام بھی کسی کا آیا تو ادب ضروری سمجھتے چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔

کفر کا فتویٰ لگانے والے کیساتھ مولانا محمد قاسمؒ کا سلوک

میں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا واقعہ سنا کہ دہلی کا قیام تھا، حضرت کے خدام میں سے چند مخصوص تلامذہ ساتھ تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، دوسرے شاگرد مولانا احمد حسنؒ امروہی حاجی امیر شاہ خان صاحب مرحوم، یہ بھی وہاں موجود تھے، تو مولانا احمد حسن صاحب نے اپنے ہجولیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ ''بھئی! لال کنویں کی مسجد کے جو امام ہیں ان کی قرأت بہت اچھی ہے کل صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھ لیں، تو شیخ الہند نے غصے میں آکر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی بے غیرت، وہ تو ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور بڑا سخت لہجہ اختیار کیا یہ جملے حضرت نانوتوی کے کان میں پہنچے تو اگلے دن حضرت نانوتوی ان سب شاگردوں کو لیکر اسی مسجد میں پہنچے صبح کی نماز پڑھنے کی خاطر، اس امام کے پیچھے جا کر نماز پڑھی، سلام پھیرا تو چونکہ یہ اجنبی تھے، نمازیوں نے دیکھا کہ ہیں تو علماء صورت، تو پوچھا کون ہیں؟ کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ تو مولانا محمد قاسم ہیں اور وہ ان کے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور یہ مولانا احمد حسن محدث امروہی ان کے تلمیذ ہیں امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں تو رات دن انہیں کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کیلئے میرے پیچھے آگئے تو امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا کہ حضرت میں آپ کی تکفیر کرتا تھا اور میں آج شرمندہ ہوں آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی حالانکہ میں آپ کو کافر کہتا رہا، حضرت نے فرمایا کوئی بات نہیں میرے دل میں آپ کے اس جذبہ کی قدر ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے کیوں! اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہنچی کہ میں توہین رسول کرتا ہوں رسول ﷺ کی تو آپ کی غیرت ایمانی کا یہی تقاضا تھا ہاں البتہ شکایت اسکی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہئے تھی، مگر بہر حال تکفیر کی بنیاد ہے توہین

رسول اور توہین رسول جو مسلمان کرے گا تکفیر واجب ہوگی ، دائرہ اسلام سے خارج ہو گا تو فرمایا کہ میرے دل میں قدر ہے آپ کی غیرت ایمانی کی ہاں شکایت اس لئے ہے کہ ایک تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط ، تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں خود اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجہ میں بھی نبی کی توہین کرے ، اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد ان محمد رسول الله اب وہ امام بیچارہ قدموں میں گر پڑا ، پوچھا جاتا ہے تو بات صرف یہ تھی کی ان حضرات کے دلوں میں تواضع باللہ اور ادب مع اللہ اس درجہ رچا ہوا تھا کہ نفسانیت کا شائبہ نہ رہا تھا استہزا اور تمسخر کو بجائے خو د ہے بے قدری بھی ، اپنے معاندوں کی نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح محل پر اتار کر یہ کہتے تھے کہ یہ جو ہمیں کافر کہتے ہیں ، یہ ان کی قوت ایمانی کی دلیل ہے البتہ یہ تحقیق کر لینی چاہئے کہ واقعہ میں ہم توہین رسول کرتے ہیں ہم معاذ اللہ دشمنان رسول ہیں یا دوستان رسول ہیں ، اس کی تحقیق ان کو واجب تھی ، بلا تحقیق حکم نہیں لگانا چاہئے تو میرا عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور تادّب بنیاد ہیں دین کا جس کو عارف رومی نے کہا ہے کہ ......

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل ربّ

حق تعالیٰ شانہٗ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں جو گستاخ اور بے ادب ہے۔

علمی فیض سے محرومی

بہت سے ایسے فضلاء ہماری نگاہوں میں ہیں جنھوں نے دارالعلوم دیو بند میں تعلیم پائی اچھے ذی استعداد تھے مگر اساتذہ سے معاملہ بے ادبی کا تھا وہاں سے فارغ

ہونے کے بعد علم کی خدمت سے محروم رہے ، کوئی دکانداری کر رہا ہے ، کوئی گاڑی چلا رہا ہے ۔ یہ نصیب نہیں ہوا کہ محدث یا مفسر بن کر بیٹھے اور ایسے بھی ہماری نگاہوں میں ہیں کہ استعداد اور علمی قوت بہت محدود تھی لیکن تادّب اور خدمت اتنی تھی کہ رات دن اساتذہ کی خدمت میں ادب کے ساتھ لگے رہتے اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ اتنی خدمت کر رہے ہیں کہ بڑے بڑے ذی استعداد فضلاء اتنی نہیں کر رہے ہے تو مقبولیت ان کے اندر پیدا ہوگئی ادب کی وجہ سے۔

مولانا محمد قاسمؒ کے تادب کا دوسرا واقعہ

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ایک رسالہ خود لکھا اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کو جو ان کے مرید ہیں دیا کہ اسکی نقل کر کے لاؤ اس کے اندر ایک جگہ املاء کی غلطی تھی ، عین کی بجائے ہمزہ لکھا ہوا تھا تو حضرت مولانا نے از خود صحیح نہیں لکھا بلکہ وہ جگہ چھوڑ دی اور حضرت سے آ کر کہا کہ یہ لفظ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا ہے ، تو اشتباہ کا راستہ اختیار کیا تلقین کا راستہ اختیار نہیں کیا کہ شیخ کو جا کر یوں کہیں کہ آپ نے غلط لکھا یہ جرأت نہ تھی کہ یوں کہیں کہ یہ غلطی ہوگئی تو گویا صورتاً بھی بے ادبی نہ کر سکے حقیقتاً بے ادبی کیا کرتے ۔

آداب شریعت سے غفلت برتنے کا نتیجہ

بہر حال دین کا دارومدار تادّبات اور آداب پر ہے یہ شریعت کا مستقل باب ہے جہاں احکام ہیں وہاں اس کے ساتھ کچھ آداب ہیں ، تو ادبیات پر اگر آدمی قادر نہ ہو تو وہ اصل احکام سے بھی کورا اور محروم رہ جاتا ہے ۔ اس لئے آداب کی ضرورت ہے ، حضرت شاہ عبدالعزیز نے غالباً ایک حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ پوری طرح یاد نہیں نقل کئے دیتا ہوں ، تفسیر فتح العزیز میں ہے من تھاون فی الآداب حرم من السنّة

ومن تهاون بالسنّة حرم من الواجبات ومن تهاون بالواجبات حرم من الفرائض ومن تهاون بالفرائض حرم من المعرفة ''جس نے آداب پر عمل کرنے میں سستی دکھلائی وہ سنت سے محروم ہو گیا جس نے سنت پر عمل سے سستی کی وہ واجبات سے محروم ہو جائے گا اور جس نے واجبات پر عمل سے سستی دکھلائی وہ فرائض پر عمل سے محروم ہو جائے گا اور جس نے فرائض کی ادائیگی میں سستی کی وہ اللہ کی پہچان سے محروم ہو گیا'' حق تعالیٰ ہمیں آداب اور تادّبات کی پوری پوری رعایت کرنے کی توفیق دے آمین

ضبط وتحریر: سمیع الحق

الحق ج ۵، ش ۲، شعبان رمضان ۱۳۸۹ھ، نومبر ۱۹۶۹ء

مقامات عبدیت والوہیت

بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث پر دارالحدیث حقانیہ میں حکیمانہ ارشادات

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم حقانیہ میں اپنی تشریف آوری کے موقع پر طلباء و اساتذہ دارالعلوم کی خواہش پر بروز اتوار ۲۰/رجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۳/اکتوبر ۱۹۶۸ء دارالحدیث ہال میں بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث پر نہایت حکیمانہ اور عالمانہ درس دیا دارالحدیث اور اس کے باہر برآمدے اہل علم وفضل سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے ہال پر ایک عجیب نورانی فضا چھائی ہوئی تھی علوم و معارف قاسمیہ کا یہ فیضان نماز عصر تک جاری رہا یہ تقریب ایک گونہ دارالعلوم کی طرف سے استقبالیہ تقریب بھی تھی، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی طرف سے دارالعلوم کے مدرس مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہٗ نے عربی زبان میں ایک فصیح و بلیغ سپاسنامہ بھی پیش کیا حضرت حکیم الاسلام مظہر انوار قاسمیہ، کی تقریر کے تمہیدی کلمات اپنے اندر اکابرین دیوبند کی تواضع، عجز، انکساری اور بے نفسی کا پہلو لئے ہوئے ہیں حضرت قدس سرہ' کا درس اس وقت ٹیپ ریکارڈ سے محفوظ کرلیا گیا تھا اور اب اسے من وعن شامل خطبات کیا جارہا ہے (سمیع الحق)

حدثنا الحمیدی (الی قوله) سمعت عمر بن الخطابؓ علی المنبر قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول إنما الأعمال بالنيات و إنما لكل امرئ مانوى فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه (بخاری: ۱)

حدثني أحمد بن إشكاب (الی قوله) عن أبي هريرةؓ قال قال النبي ﷺ كلمتان حبيبتان إلى الرحمان خفيفتان على اللسان ثقيلتان في الميزان سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم (بخاری: ۷۵۶۳)

بزرگانِ محترم! یہ مجلس کسی وعظ یا تلقین کی، یا کوئی اجتماع عام نہیں ہے بلکہ مجلس درس ہے اور اس لئے میں نے صحیح بخاری کی دو حدیثیں تلاوت کی ہیں ایک بالکل ابتدائی اور ایک بالکل انتہائی ابتداء اور انتہا کے بیچ میں ہوتا ہے وسط کا حصہ تو اس اعتبار سے تقریباً پوری بخاری میں نے آپ کے سامنے تلاوت کر دی معناً و حکماً

مولانا عبدالحق کو اساتذہ کے طبقہ میں سمجھتا ہوں: سپاسنامہ دستاویز نجات ہے

سپاس نامہ میرے لئے دستاویز ہے، دنیا و آخرت کی نجات ہے اس لئے کہ پیش کرنے والے، جن کا نام مبارک لیا گیا، حضرت مولانا عبدالحق مدظلہٗ ہیں میں انہیں اپنے اساتذہ کے طبقے کا سمجھتا ہوں اسلئے ان کا سپاسنامہ در حقیقت شفقت نامہ ہے سپاسنامہ تو کسی چھوٹے کی طرف سے ہوتا ہے بڑوں کی طرف سے محض شفقت اور حوصلہ افزائی اور اظہار برکت کے لئے ہوتا ہے حدیث میں فرمایا گیا کہ أنتم شهداءُ الله في الأرض (بخاری) تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو اگر سرکاری گواہ کسی برے کی نسبت بھی شہادت دے دے کہ وہ اچھا ہے تو وہ عنداللہ اچھا ہی ہو جاتا ہے اسلئے ان حضرات کی شہادت اور ان کی کریم النفسی یا حوصلہ افزائی میں اسے سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ کی زبان ہے، اہل اللہ کی زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے وہ انشاء اللہ من اللہ ہے اور میں کتنا بھی نالائق سہی لیکن جب ایسے پاکیزہ لوگ گواہی دیں گے تو خوبی کی تو اللہ کے ہاں کیا بڑی بات ہے کہ اللہ کسی نالائق کو لائق بنا دے کسی برے کو اچھا بنا دے لیکن درس کے مناسب حال نہیں تھا سپاسنامہ، اسکے علاوہ میں یہاں دارالعلوم حقانیہ حاضر ہوا، تو میں اسے اپنا گھر سمجھتا ہوں، اور میں یوں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند میں بیٹھا ہوا ہوں، میں تو خود آپ کے گھر کا ایک جز ہوں تو اپنے گھر میں کسی کو سپاسنامہ تھوڑا ہی دیا جاتا ہے، یہ تو غیر کو دیا جاتا ہے۔

ہماری برادری منتشر مگر اصل اور مرکز دیو بند ہے

برادری منتشر ہے مختلف جگہوں میں، لیکن افراد کے انتشار سے خاندان منتشر نہیں ہوتا، علمی خاندان ہمارا بھی ایک ہی ہے، اجزاء اس کے منتشر ہیں، کچھ دیو بند کچھ پاکستان میں کچھ برما میں کچھ افریقہ میں وہ سارے افلاذ کبد ہیں جو مختلف جگہوں میں پھیلے ہوئے ہیں اصل ہم سب کی ایک ہی ہے، جسکو دارالعلوم دیو بند کہا جاتا ہے، اس واسطے جیسے آپ اسکی شاخیں ہیں میں بھی اس کی ایک شاخ ہوں تو میں اپنی برادری میں آیا، اور بھائیوں میں سپاسنامہ عزت افزائی تو الگ چیز ہے، مگر ایک رسمی سی بات ہے لیکن چونکہ اہل الحق پیش کر رہے ہیں، اس لئے اسے رسم بھی نہیں سمجھتا میں سمجھتا ہوں یہی حقیقت ہے اور جو کچھ ارشاد فرمایا گیا یہ اعماقِ قلب سے ارشاد فرمایا یہ زبان اور قلم نے حرکت نہیں کی بلکہ دل کی حرکت ہے اور دل سے جب ایک چھوٹے اور نالائق کو اچھا کہا گیا تو انشاء اللہ وہ عنداللہ اچھا بن جائے گا۔

تو میں نے اس وقت بجائے کسی تقریر کے جو جلسے کا موضوع ہوتا ہے صحیح بخاری کی دو حدیثیں تلاوت کیں، اور اسی سلسلے میں چند کلمات طالبعلموں کے سامنے گزارش کروں گا میرے مخاطب یہ حضرات اساتذہ نہیں ہیں یہ تو خود میرے استادوں کے طبقے میں ہیں میری بات چیت طلبہ سے ہے جو برادری کے بھائی ہیں علم میں بیشک آپ مجھ سے افضل ہیں تازہ علم ہے اور مجھے تو پڑھے ہوئے بھی ہوگئے چالیس برس، بھول بھال بھی گیا کہ کیا پڑھا تھا، انتظامی سلسلے کے جھگڑوں میں پھنس کر وہ نوعیت بھی نہیں رہی تو اس واسطے ایک بھائی تو ہوں، مگر ایک جاہل قسم کا بھائی ہوں آپ بحمد اللہ علماء ہیں، علم تازہ ہے تاہم چونکہ آپ نے اس جگہ بٹھلا دیا، اس واسطے اسی کے مناسب حال یہ روایتیں میں نے تلاوت کیں۔

امام بخاریؒ اور انکی کتاب کی عظمت

امام بخاریؒ کی جلالت شان اور جلالت قدر اس سے کون مسلمان ناواقف ہے اور اہل علم میں کون ہے جو ناواقف ہو اور ان کی تصنیف یا تالیف صحیح بخاری اسکی عظمت وجلالت پوری امت پر واضح ہے امت نے اجماعی طور پر تلقی بالقبول کی ہے، اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کی شہادت دی ہے اس لئے مؤلف بھی جلیل القدر، کتاب بھی جلیل القدر اور کتاب کا جو موضوع ہے وہ ہے حدیث یعنی کلام النبی کریم ﷺ و افعالہ واقوالہ و تقریراتہ اس لئے موضوع بھی مبارک، مصنف بھی مبارک، تصنیف بھی مبارک حق تعالیٰ ہم سب کو بھی مبارک بنا دے کہ جب ان کے سلسلے سے ہم سامنے آرہے ہیں امام بخاریؒ کی یہ صنعت تمام محدثین میں امتیازی طور پر معروف ہے نسائیؒ کو کہتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نقشِ قدم اختیار کیا امام بخاریؒ کا مگر بہر حال اصل اصل ہے اور فرع فرع ہے صنیع بخاری کی، یہ بہت اونچی چیز ہے اور تراجم البخاری یہ تو فی الحقیقت فقہ کا ایک مستقل باب ہے فقہ البخاری فی تراجمہ تو امام بخاریؒ محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی، اور اجتہاد کے رتبے کو پہنچے ہوئے ہیں اس لئے میں نے تبرکاً پہلی حدیث بھی تلاوت کی اور آخر کی بھی تلاوت کی۔

عمل اور اس کے درجات

دونوں روایتوں کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں، نہ وقت ہے، نہ اب اتنی طاقت ہے لیکن اتنی بات بالا جمال میں عرض کئے دیتا ہوں کہ آدمی کے لئے عملی دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں، ایک عمل اور ایک اس کا ثمرہ اور پھر عمل کے درجے میں بھی دو چیزیں ہیں ایک مصدر عمل اور ایک مظہر عمل مصدر عمل وہ چیز ہے جس سے عمل شرعی صادر ہوتا ہے، ظہور پذیر ہوتا ہے اور مظہر عمل وہ ہیئت کذائی ہے عمل کی جس میں رہ

کر ہم اور آپ عمل انجام دیتے ہیں تو مصدر عمل درحقیقت نیت ہے انسان کی کہ جس سے عمل سرزد ہوتا ہے اور عمل کی قبولیت، نامقبولیت اسی نیت پر موقوف ہے اچھے سے اچھا عمل ہو لیکن نیت خراب ہو وہ برا بن جاتا ہے اور برے سے برا عمل ہو، لیکن وہ نیت کی صحت سے انجام پائے تو آدمی کبھی موردِ ملامت نہیں ہوتا وہ عمل بھی مقبول ہوجاتا ہے اس لئے سب سے بڑی چیز نیت ہے کہ جس سے عمل کا صدور ہو اور ایسے پاک عمل کا ثمرہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں جو میزانِ عمل ہے وہ بھاری پڑ جائے نیک اعمال ہی سے وزن پیدا ہوگا میزان میں برے اعمال کا وزن نہیں ہے بلکہ بروں کو تولنے کی بھی ضرورت نہیں، جب اچھے اور برے جمع ہوں گے تو تبھی ضرورت پڑے گی تولنے کی تاکہ توازن قائم ہوجائے تو کفار کے اعمال تولنے کی حاجت نہیں وہ تو کفر میں مبتلا ہیں ہر عمل ان کا ناپاک ہے مصدر کی وجہ سے تو عمل اس دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں، ایک مصدر عمل اور ایک ثمرہ عمل تو امام ہمامؒ نے ابتدا میں حدیث نقل کی نیت کی کہ **إنما الأعمال بالنيات و إنما لكل امرئ ما نوى فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه** (بخاری: ۱)

نیت عنداللہ عمل کی مقبولیت کی بنیاد

تو نیت گویا بنیاد ہے، عمل کا ظہور درحقیقت اسی نیت سے ہوتا ہے قبولیت بھی اسی نیت پر موقوف ہے یہ الگ چیز ہے کہ بعض اعمال بلا نیت کے صحیح ہو جائیں، اور معتبر مان لے شریعت لیکن اجر وثواب آخرت کا بغیر نیت کے مرتب نہیں ہوگا وضو اگر آپ بلا نیت کے بھی کریں تو مفتاح صلوۃ تو بن جائے گی، لیکن اجر مرتب نہیں ہوگا جب تک کہ نیت نہ ہو وضو کے اندر تو عنداللہ قبولیت کا معیار درحقیقت نیت پر ہے صحت کا معیار فتویٰ ہے اس میں بعض اعمال بغیر نیت کے صحیح بھی نہیں ہوتے بعض صحیح ہوجاتے ہیں گو ان پر اجر مرتب نہ ہو۔

ہمارے اعمال میں نیت کا حصہ

بہر حال قدر مشترک کے طور پر نیت بنیادی چیز ہے حدیث میں فرمایا گیا کہ نیة المرء خیر من عمله نیت آدمی کی اس کے عمل سے بہتر ہے بعض احادیث میں فرمایا گیا کہ یوم محشر میں بعض لوگ حاضر ہوں گے، حق تعالیٰ فرمائیں گے ملائکہ سے کہ لکھ دو انہوں نے عمر بھر تہجد پڑھی ہے، عرض کریں گے ملائکہ کہ انہوں نے ایک دن بھی تہجد نہیں پڑھی فرمایا روزانہ سوتے وقت نیت کرتے تھے کہ آج ہم پڑھیں گے، مگر آنکھ نہیں کھلتی تھی لہذا لکھ دو کہ ساری عمر انہوں نے تہجد پڑھی تو نیت انسان کی بنیاد ہے عمل کی، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے، کہ آدمی پہلے عمل دل سے کرتا ہے، پھر ہاتھ پاؤں سے، اور وہی دل کا عمل بنیاد ہے، جس سے ہاتھ پیر کا عمل ظاہر ہوتا ہے تو قلب سے عمل کرنے کی صورت نیت ہے، اور قالب سے عمل کرنے کی ہیئت کذائیہ ہے، جو شریعت نے ارشاد فرمائی تو پہلے ہر عمل قلب سے ہوتا ہے اور پھر قالب سے انجام پاتا ہے، اور وہ قالبی عمل منطبق ہوتا ہے، اس باطنی عمل پر رخ ہیں دو عمل ہے در حقیقت ایک باطنی رخ اس کا نیت ہے اور ظاہری رخ اسکی وہ ہیئت عمل ہے تو امام ہمام نے سب سے پہلی حدیث ایسی بنیادی نقل کی، کہ کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ جس میں نیت کا دخل نہ ہو، اور اس کے اجر و ثواب کا تعلق نیت سے نہ ہو ترتیب یوں ہوگئی کہ پہلے نیت درست کرادی، اس کے آگے ابواب ایمان، ابواب علم، پھر ابوب زکوٰۃ اور دیگر ابواب بیان کئے ان سب کا مصدر نیت ہی بتلا دیا تو حکماً وہ سارے ابواب اس کے نیچے آ گئے۔

اعمال پر اجر کا ترتّب

اخیر میں چیز تھی عنداللہ قبولیت اور اجر کا ترتّب تو حدیث نقل کی کلمتان حبیبتان إلی الرحمان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللّٰہ

وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم (بخاری: ۷۵۶۳) دو کلمے ہیں جو زبان پر نہایت ہلکے، ان کے ادا کرنے میں نہ وقت لگتا ہے، نہ دشواری ایک کلمہ سبحان اللّٰہ وبحمدہ اور دوسرا کلمہ سبحان اللّٰہ العظیم ہلکے ہلکے دو کلمے جو ادائیگی میں نہایت ہلکے، زبان پر نہایت لطیف، لیکن ثقیل ہیں بلحاظِ اجر کے میزان عمل کے اندر جو وزن ان کا ہوگا، وہ دوسرے اعمال کا نہیں ہوگا کیوں ہیں یہ وزنی؟

مقامات الوہیت

بناء وزن کی در حقیقت یہ ہے ان کے ثقیل ہونے کی کہ اس حدیث میں مقامات الوہیت کا بیان ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اتنے عظیم ہیں کہ کائنات کی کوئی چیز مخلوق کے لگ بھگ بھی نہیں ہوسکتی، تو انتہائی بات یہ ہے کہ مقامات الوہیت کو ان دو کلموں کے ذریعہ بیان فرمایا گویا یوں کہنا چاہئے کہ حق تعالیٰ اجزا سے پاک ہے، وہ نہ بسیط ہے، نہ مرکب ہر چیز سے وراء الوراء لیکن مقامات حق تعالیٰ شانہ الوہیت کے وہ ظاہر بات ہے کہ لامحدود ہیں حد کمال انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے۔

مقام تنزیہ

حق تعالیٰ کے مقامات میں سب سے پہلی چیز ہے، تنزیہ یعنی ہر عیب سے پاک، ہر برائی سے بری، ہر کمال کا سرچشمہ تو حق تعالیٰ کا تنزیہ اور اسکی پاکی بیان کرنا یہ ظاہر ہے کہ مقامات الوہیت میں سے ایک مقام ہے خدا کہتے ہی اسی ذات کو ہیں جو ہر برائی سے پاک ہو الخیر کله منك والیك والشّر لیس الیك ہر خیر کا سرچشمہ وہ ہے اسی سے خیر چلتی ہے ہر شر سے بری و بالا ہے ذات بھی پاک ہے شر سے اور باہر کی شر بھی وہاں نہیں پہنچ سکتی تو وہ ہر حیثیت سے وراء الوراء ہے تو پہلا مقام الوہیت کا یہ ہے کہ وہ خدا ذات برتر کہ پاک ہو ہر عیب سے ظاہری، باطنی، خفی، جلی، کوئی شائبہ عیب کا نقص کا وہاں

تک نہیں جا سکتا اسی کو کہا جاتا ہے تنزیہ اور تنزیہ کے لئے شریعت نے جو کلمہ رکھا ہے، وہ ہے کلمہ تسبیح کا یعنی سبحان اللہ، کہ اللہ پاک ہے ہر عیب سے تو پہلی چیز مقام الوہیت میں تنزیہ ہے اور سبحان اللہ کہنا یہ گویا اشارہ ہے کہ ہم پاکی بیان کر رہے ہیں حق تعالیٰ کی ظاہر بات ہے جب ایک ذات بابرکات وہ ہے جو ہر عیب سے پاک اور بری ہے اب آگے رہ جاتی ہیں خوبیاں، تو جہاں بھی جو خوبی ہے، وہ اسی کی ذات کی آئے گی اگر علم آپ دیکھیں گے تو اصل علم حق تعالیٰ کا ہے اس کا پرتو پڑتا ہے، تو دوسرے عالم کہلانے لگتے ہیں، قدرت در حقیقت اس کی ہے اس کا پرتو پڑا تو ملائکہ قادر کہلانے لگے، کہ پل بھر میں آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان پر علم ان کا حقیقی، اصلی اور ذاتی ہے، اس کا پرتو ہم آپ بھی عالم کہلانے لگے اور مظہر علم انسان کو بنا دیا حق تعالیٰ نے رفیع المرتبہ اور رفعت اور عظمت ان کی شان ہے اس کا کوئی پرتو آسمانوں پر پڑا تو رفعت والے ہو گئے تمام اونچے بن گئے اور برتری ان کی ثابت ہو گئی تو سرچشمہ کمالات کا اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے اور ظاہر بات ہے کہ حمد وثنا کمال پر ہی کی جاتی ہے نقص اور عیب پر کوئی کسی کی حمد وثنا نہیں کرتا تو حمد وثنا کے معنی یہ ہیں کہ جمیل اختیاری پر حمد کیا جاتا ہے۔

مقام تحمید

ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ تمام کمالات کا سرچشمہ ہے ساری برکتوں کا مصدر ہے اس لئے تعریفیں بھی اسی کے لئے ہوں گی، حمد وثنا بھی اسی کے لئے ہو گی جسکی بھی ثنا کی جائیگی وہ در حقیقت انجام کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ثنا ہو گی کیونکہ اسی کا کمال تھا جو ظاہر ہوا کسی دوسرے میں، تو حمد وثنا کے اظہار کا طریقہ در حقیقت تحمید ہے، اور اس کیلئے الحمد للہ کا کلمہ رکھا گیا تا سبحان اللہ کا کلمہ ہے تنزیہ بیان کرنے کے لئے دوسرا مقام ہے تنویہ کا عظمت بیان کرنے کا اس لئے تحمید رکھی گئی ہے، اور کلمہ رکھا گیا تو الحمد للہ اس

واسطے قرآن کریم میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا گیا مختلف عنوانوں سے سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ تو تسبیح اور تحمید، حمد اور تسبیح کرنا جگہ جگہ اس کا ذکر کیا گیا، تو سبحان اللہ کا کلمہ مقام تنزیہ کو ظاہر کرتا ہے، اور الحمد للہ کا کلمہ تنویہ کو ظاہر کرتا ہے اب ظاہر بات ہے جو ذات اقدس ہر عیب سے بری اور ہر کمال کا سرچشمہ ہو تو عظمت اور بڑائی بھی اس کیلئے ہو گی یہ کیسے ممکن ہے کہ عظمتوں کا سرچشمہ تو وہ ہو اور بڑھائی کسی اور کی ہو جائے، عظمت اور کبریاء کسی اور کیلئے ہو جو در حقیقت مصدر ہے کمال کا وہی مستحق ہے حمد و عظمت کا، کہ کبریاء وعظمت اسی کی بیان کی جائے اسلئے اسلام نے عنوان رکھا تکبیر کا اور صیغہ رکھا اس کیلئے اللہ اکبر کا، تا کہ اللہ کی عظمت بیان کی جائے کہ اکبر من کل شئی ہر چیز سے وہ بڑا ہے اور نہ صرف اضافتاً بڑا ہے بلکہ حقیقتاً بڑا ہے کہ بڑائی ہے وہی اس کے لئے، جسمیں کوئی بڑائی آئی ہے، اس کے نامزد ہو گیا کوئی تو اس میں بڑائی آ گئی اس کے نام سے کٹ گیا، اس میں بڑائی ختم ہو گئی، تو بڑائی اور عظمت و کبریاء در حقیقت اسی کیلئے ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے، فرمایا گیا الكبرياء ردائي والعظمة إزاري فمن نازعني منهما شيئاً قصمته (الأسماء والصفات للبيهقي:۲۷۹) تکبر میری چادر ہے بزرگی میری لنگی ہے جو بھی اس میں کھینچا تانی کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا اسکو نیچا دکھلاؤں گا تو یہ برداشت نہیں کہ کبریاء وعظمت میں کوئی شریک ہو وہ وحدہٗ لا شريك له کیلئے ہے تو له الكبرياء في السموات والارض اس کیلئے بڑائی وعظمت ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں ذرا سا ایک طالب العلمانہ شبہ پیدا ہو گا، یا ہوا ہو گا اور وہ یہ ہے کہ حدیث میں حکم ہے تخلقوا باخلاق اللہ اللہ کے اخلاق سے متخلق بنو وہ کریم ہے تو تم بھی کریم بنو وہ رحیم ہے تو تم بھی رحیم القلب بنو وہ حافظ، وہ حفیظ ہے تو تم بھی اپنوں کی

نگہداشت کرو وہ معطی حقیقی ہے تو تم بھی فقیروں کے ہاتھ پر رکھو اور اختیار کرو تو اللہ
تعالیٰ کے کمالات سے متکمل بھی بنو، اور اس کے اخلاق سے متخلق بھی بنو تو شبہ یہ ہوتا ہے
کہ متکبر بھی تو اسکی شان ہے، اس میں بھی تخلق ہونا چاہیئے، ہر شخص متکبر بنے، ورنہ کریم
النفس بننے سے بھی روکا جائے رحیم ہونے سے بھی روکا جائے اسمیں بھی شرک ہوگا۔ تو
پھر ہم اگر تکبر کریں تو ملامت کیوں کی جاتی ہے تخلقوا باخلاق اللہ اللہ کے اخلاق سے
متخلق بنا تو عین کمال ہے تو اس کا جواب یہ ہے، کہ تکبر کرنا معاذ اللہ بری بات نہیں ہے،
نہ کبر بری چیز ہے وہ تو صفتِ خداوندی ہے تکبر کرنا برا نہیں ہے، مگر جھوٹ بولنا بری بات
ہے جو اللہ کے سوا کہے گا میں بڑا ہوں جھوٹا ہوگا، جھوٹ بولے گا تو جھوٹ بولنے سے
روکا گیا اب ایک ہی ذات کیلئے تکبر سزاوار ہے تو اللہ ہی فرما سکتا ہے انا الکبیر انا
المتعال لی الکبریاء لی العظمۃ بڑائیاں میرے لئے اور عظمت میرے لئے اس کے
سواء جو دعویٰ کرے گا لی الکبریاء العظمۃ کا وہ جھوٹا ہوگا، تو جھوٹ بولنا بری بات ہے
تکبر کرنا بری بات نہیں ہے مگر جو متکبر بنے گا، جھوٹ بولے گا، اس واسطے روک دیا
گیا، پھر یہ کہ کبریاء وعظمت درحقیقت صفات ذات میں سے ہے صفات افعال میں اگر
ہم تخلق کریں تو وہ الگ بات ہے لیکن صفات ذات خالقیت میں کوئی کرنے لگے
تخلق تکبر یہ ایسا ہے جیسے ذات کی برابری کوئی چاہتا ہو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی
اس واسطے روکا گیا کہ تکبر نہ کیا جائے اسکی اجازت نہیں دی جائے گی تکبر کرنے والا ہمیشہ
محروم ہوتا ہے کیونکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے، کسی کو تکبر کی اجازت نہیں ہے۔

توحید

توجو ذات پاک ہو تمام عیوب سے تنزیہ اسی کیلئے ہے، جو ذات سر چشمہ ہو
ساری خوبیوں کا تنویہ اسی کے لئے ہے جو ذات ساری خوبیوں کی مالک ہو عظمت و کبریاء
اس کے لئے ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب ذات وہ مان لی کہ ہر عیب سے بری اور

ہر کمال سے متصف وموصوف اور ذاتی طور پر ہر بڑائی اور عظمت اس میں تو پھر یکتا بھی تو
وہی ہوگا، جب ایسی ذات کوئی دوسری نہیں ہے تو اس ذات کو یکتا کہا جائیگا جسکا کوئی
شریک نہیں، برابر نہیں کوئی ند نہیں، کوئی ضد نہیں، کوئی اس کے لگ بھگ نہیں، تن تنہا
ایک ہی ذات برکات ہے جو ایک بھی ہے اور یکتا بھی نہ اسکی ذات جیسی ذات، نہ اس
کے افعال جیسے افعال، نہ اسکی شیون جیسے شیون تو ہر چیز کے اندر وہ یکتا ہے اسی کا نام
ہے شریعت کی اصطلاح میں توحید، توحید کے معنی محض ایک ہونے کے نہیں، ایک تو اپنی
اپنی ذات میں ہم اور آپ سبھی ہیں توحید کے معنی یکتا کے ہیں کہ کوئی مثل نہیں، کوئی نظیر
نہیں لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۔

توحید کی بنائیں تین ہیں

تو درحقیقت توحید کی بنائیں تین ہیں ایک تنزیہ مطلق، ایک تنویہ مطلق، ایک
تعظیم مطلق عظمت بھی اسکی اور پاکی بھی اسکی اور مصدر کمالات ہونا بھی اسی کا تو جو ذات
پاک بھی ہے، جو ذات خوبیوں کا مصدر بھی ہے، جو عظمت والی بھی ہے تو معبودیت بھی
اسی کی ہوگی یکتا اسی کو کہا جائے گا پھر عبادت بھی اسی کی ہوگی، دوسرے کی نہیں ہوسکتی،
یہی معنی ہیں توحید کے کہ توحید ذات کے لحاظ سے بھی ہو کہ صفات کے لحاظ سے بھی اور
افعال کے لحاظ سے بھی ہو کہ اس کا کوئی شریک نہ ہو، شیون بھی اسکی بے مثل اور بے نظیر
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ تو مقامات الوہیت چار نکل آئے ایک تنزیہ جو ادا ہوتی ہے سبحان اللہ
سے ایک تنویہ جو ادا ہوتی ہے الحمد للہ سے ایک کبریاء عظمت جو ادا ہوتی ہے العلی العظیم
سے اور ان تینوں کے مجموعے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ یکتا ہو تو یہ توحید نکلی اس کے لئے، تو
مقامات الوہیت اس حدیث پاک میں بیان فرمائے، وبحمد اللہ سے الحمد للہ سبحان اللہ سے
تسبیح اور سبحان اللہ العظیم میں عظمت اور کبریاء بیان کی گئی ہے اور ان تینوں کا تقاضا یہ
ہے کہ وہ یکتا ہو تو توحید بطور ثمرہ کے ان پر مرتب ہو جاتی ہے، جیسا کہ پہلی حدیث جو

امام بخاریؒ نے روایت فرمائی نیت کے بارہ میں وہ مقامات عبدیت ہیں عبد کا کام یہ ہے کہ نیت سے بھی رجوع کرے اسکی طرف اور عمل سے بھی رجوع کرے قلب سے متوجہ ہوگا وہ نیت ہو جائے گا قالب سے متوجہ ہوگا وہ عمل ہو جائے گا۔

تصحیح نیت

تو درحقیقت اس حدیث میں بیان کئے گئے مقاماتِ عبدیت بندے کا کام یہ ہے کہ نیت صحیح ہو نکاح کرے تو نیت صحیح ہو ہجرت کرے تو اسکی بھی نیت صحیح ہو دولت کمائے تو بھی نیت صحیح اور نیت صحیح کے معنی حسبةً لله کے ہیں یعنی ہر چیز لرضاء اللہ اور لوجہ اللہ ہو، اور یہ کام بندے کا ہے حق تعالیٰ (معاذ اللہ) نیت کے پابند نہیں، وہاں نیت کا کیا دخل وہ تو بری ہیں ہر چیز سے نیت تو درحقیقت عبادت ہے اور وہ عبادت سے بری ہے وہ تو معبود ہے۔

صحیح بخاری کے آغاز میں مقامات عبدیت اور اختتام میں مقامات الوہیت

اس واسطے إنما الأعمال بالنيات میں تو مقاماتِ عبدیت بیان کئے اور اخیر حدیث میں مقامات الوہیت اور بیچ میں ہیں ابواب علم کے، عمل کے، اور اعتقاد کے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال اور ان اعتقادات میں نیت صحیح کرو تا کہ قرب پیدا ہو اور جب قرب پیدا ہوگا تو ثمرات مرتب ہوں گے، کہ میزان عمل بھر جائے گی تمہاری تو اور صنیع امام بخاریؒ کی وہ تو ہیں حد کمال تک لیکن یہ صنعت اوّل اور آخر کی یہ بھی حد کمال کی ہے کہ بندے کو بندگی سمجھائی اور اخیر میں الوہیت کے مقامات کی طرف اشارہ کیا اور بیچ کے اندر آ گئے تمام ابواب، اس میں عبادات بھی ہیں، معاملات بھی ہیں معاشرت بھی ہے، سیاسیات بھی ہیں انتظامیات بھی ہیں سارے ابواب دین کے آ جاتے ہیں بخاری کے اندر اور اوّل و آخر کو نیت اور

میزان عمل سے گھیر دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دو کنارے صحیح رہیں تو عبادت بھی قبول، معاشرت بھی قبول سب ذریعہ بن جائیں گے رضائے خداوندی کے، اس واسطے میں نے اوّل کی حدیث بھی تلاوت کر دی اور آخر کی حدیث بھی اور اول بآخر نسبتے دارد ان دونوں میں باہم ایک نسبت ہے اور وہ نسبت یہی ہے کہ بندہ ابتداء سے چلے اور انتہا کے مقام پر پہنچ جائے اور امت میں علم و عمل و عبادت سب کو لیتا ہوا چلے اور انجام کار پہنچ جائے میزانِ عمل تک یہ آپ کے اعمال ہی درحقیقت تو لے جائیں گے۔

اعمال میں وزن آتا ہے نیت سے

اور اعمال میں وزن ہوگا نیت سے اگر نیت صحیح ہے اخلاص صحیح ہے تو وہ عمل وزنی ہوگا اگر عیاذاً باللہ نیت صحیح نہیں تو کتنا ہی بڑا عمل ہوگا نا قبول ہوگا تو اللہ کے ہاں صورت نہیں دیکھی جائے گی کہ ڈھیل ڈھول کتنا ہے، پھیلاؤ کتنا ہے، بڑا کتنا ہے بلکہ وہاں وزن دیکھا جائے گا کہ اندر کتنا اخلاص ہے، کتنا حسنِ نیت ہے، کتنا صدق ہے ان اللّٰه تبارك وتعالىٰ لاينظر إلى صوركم ولا إلى اموالكم (اقوالكم) ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتیں دیکھتا ہے، نہ تمہارے اعمال کی صورتیں دیکھتا ہے تمہارے اندر بھی دیکھتا ہے، کہ دلوں میں کیا ہے اور عمل میں بھی دیکھتا ہے بعض دفعہ چھوٹا سا عمل ہوتا ہے اور کمال اخلاص سے آدمی انجام دیتا ہے وہی ذریعہ نجات کا ذریعہ بنتا چلا جاتا ہے اور بعض دفعہ عمل بہت بڑا ہوتا ہے صورت کے لحاظ سے مگر نیت ٹھکانے نہیں ہے، وہی ذریعہ بن جاتا ہے حبط اعمال کا اسی طرح ایک عمل چھوٹا ہوتا ہے نیک لیکن معلوم نہیں کہ کس کمال خلوص سے ادا کیا گیا کہ وہی ذریعہ بن جاتا ہے مغفرت کا۔

عمل صالح کے حرص کی ایک عجیب مثال

امام ابو داؤدؒ محدث جلیل ہیں، کتاب پڑھائی جاتی ہے ان کی نصاب میں، ابوداؤد شریف ان کے تراجم میں لکھا ہے کہ کسی دریا کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور تقریباً پچاس سو قدم کے فیصلہ پر جہاز کھڑا ہوا تھا، اور امام ابو داؤدؒ کنارے پر تھے، جہاز میں کسی شخص کو آئی چھینک، اس نے بہت زور سے کہا الحمد للّٰہ، ان کے کان میں آواز پڑی تو مسئلہ آپ بھی جانتے ہیں کہ چھینک لینے والا الحمد للّٰہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمك اللّٰہ کہنا اخلاقی فرض ہے مگر اس کے لئے مجلس شرط ہے یہ نہیں کہ کوئی بازار میں چھینک مار کر الحمد للّٰہ کہے تو آپ سفر کر کے جائیں یرحمك اللّٰہ کہنے کیلئے امام ابوداؤدؒ پر واجب نہیں تھا کہ وہ یرحمك اللّٰہ کہتے وہ کنارے پر تھے اور جہاز آدھے فرلانگ کے فاصلہ پر دور مگر یہ حضرات عمل کے بارے میں حریص ہوتے ہیں چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتے جیسے دنیا دار پیسے پیسے کے لئے حریص ہوتے ہیں کہ ہزار ہو جائیں تو کہیں کہ دس ہزار ہو جائیں دس ہزار ہو جائیں تو کہیں کہ ایک لاکھ کے مالک ہو جائیں اگر جنگل بھر کے بھی ان کو سونے کا دیں تو لأبتغی ثالثاً وہ ضرور دوسرا جنگل مانگیں گے، حرص کی وجہ سے ان اہل اللہ کو حرص ہوتی ہے عمل صالح کی کہ جتنا کما لے گویا ساری جنت کو سمیٹ لینا چاہتے ہیں اپنے لئے مگر اس کے معنی بخل کے نہیں، یہ چاہتے ہیں کہ ساری جنت پر قبضہ کریں اور اپنے ساتھ جو وابستہ ہیں ساتھ لے جائیں معاذ اللہ خودغرضی لاحق نہیں کہ تنہا چلے جائیں بلکہ سب متعلقین کو اپنے ساتھ پہنچائیں گے بہر حال چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تو کان میں پڑا الحمد للّٰہ، تو تین روپیہ میں کشتی کرایہ پر لی اس میں بیٹھ گئے کہ جہاز کو پہنچ جائیں وہاں جا کے یرحمك اللّٰہ کہا تو لکھتے ہیں اہل تراجم کہ غیب سے ایک آواز کان میں پڑی، بولنے والا نظر نہیں آتا تھا کہ اے ابو

داؤد! آج تین درہم میں تم نے جنت خرید لی اب امام ابو داؤد نے کتنے تہجد پڑھے ہوں گے کتنی حدیثیں روایت کی ہوں گی کتنے جہاد کئے ہوں گے کتنے اعمال صالحہ کئے ہوں گے اور جنت کی خریداری میں لکھ رہا ہے تین درہم تو معلوم ہوتا ہے کہ کامل اخلاص سے وہ عمل کیا وہ اتنا وزنی بن گیا کہ وہ ہی ذریعہ بن گیا نجات کا۔

اخلاص کی قوت

تو اصل میں عمل کو مقبول بنا دینے والی چیز وہ ہوتی ہے اخلاص کی قوت عمل بمنزلہ ایک ڈھانچے کے ہے اور روح اس کے اندر نیت ہے اگر یہ روح نہ ہو تو عمل کا ڈھانچہ لاش کی مانند ہے اور لاش کا انجام ہے پھٹنا، پھولنا، سڑنا، گلنا اسی طرح عمل اس کیلئے روح ہے اخلاص، وہ آخرت تک پہنچے گا اور مضبوط ہو کر پہنچے گا، اس پر ثمرات مرتب ہوں گے تو امام ابو داؤدؒ نے تین درہم میں جنت کما لی اسی طرح جو بھی حدیث آپ پڑھ لیں تو اسکو کم درجے کا نہ سمجھیں ایک حدیث پڑھنے کی بھی اگر توفیق ہو جائے تو دنیا و مافیہا ہمارے ہاتھ آ گئی جنت میں تو ایک کوڑے کے برابر ایک جوتے کے تسمے کے برابر بھی جگہ مل جائے تو سعادت ہے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

قرآن وحدیث جنت کے درجات ہیں

تو وہ جنت یہ قرآن و حدیث تو ہے بلکہ بعض روایات میں تو فرمایا گیا کہ قرآن مجید کی جتنی آیتیں ہیں اتنے ہی درجات ہیں جنت میں اور بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں خود درجات ہیں جنت کے وہاں جا کر متمثل ہوں گی نعیم مقیم کی صورت میں۔

تمثل اعمال کی عجیب مثال

یہاں ان کی شکل عمل کی ہے وہاں جا کر ان کی شکل بن جائیگی نعمت کی تو چیز

ایک ہی ہے دار دنیا میں ان کا لباس ہے عمل کا اور دار آخرت میں ان کا لباس ثمرہ اور جزاء کا۔ تو یہی بعینہ وہاں جا کر باغ و بہار کی صورت اختیار کریں گے وہ ہمارے بچپن میں ایک کھلونا آیا کرتا تھا یورپ سے، ایک پیکٹ ہوتا اس میں بارہ ٹکیاں ہوتیں اور دو آنے میں ملا کرتا تھا وہ ٹکیہ لے کر بچے بیٹھ جاتے تھے اور پانی ڈال لیتے تھے ایک کٹورے میں پھر تو ایک ٹکیہ اس کٹورے میں ڈال لیتے منٹ بھر کے بعد ٹکیہ پھٹتی تو کسی سے پھول نکل آتا کسی میں سے انجن کسی میں ریل کا ڈبہ نکل آتا بچے خوش ہوتے کہ گولی کا انجن بن گیا گولی کا پھول بن گیا گویا کاریگر نے ایسی ساخت سے اس گولی کو بنایا تھا کہ جب وہ کھلے تو کسی نہ کسی صورت میں نمایاں ہو جائیں گویا کاریگر نے ایسی ساخت سے ان گولیوں کو بنایا تھا کہ جب وہ کھولیں تو پھول کی صورت میں نمایاں ہو جائیں۔

آیات نعمت کی شکل میں ظاہر ہونے کی ایک اور مثال

آتش بازی آپ نے دیکھی ہوگی کہ آتش بازی میں ایک چکر ہوتا ہے بانس کا اس کے سر پر مسالہ اور بارود وغیرہ لگا دیتے ہیں لیکن جب اس کو آگ دیکر کھولتے ہیں تو کسی میں سے آگ کا بنا ہوا گھوڑا اور کسی میں سے سوار نکل آتا ہے وہ دوڑ رہا ہے فضا کے اندر یہ کاریگر کی صناعی ہوتی ہے کہ ایسے انداز سے وہ مسالہ لپیٹتا ہے کہ جب وہ کھلے تو گھوڑے کی شکل بن جائے تو ان گولیوں میں بھی صنعت ہے اور یہ ہے بندوں کی صنعت تو اللہ نے ان آیات کو ایسی صورت سے ترتیب دیا ہے کہ جب وہ کھلے گی تو باغ و بہار بن جائے گی یہاں ان کی شکل آیت کی ہے وہاں ان کی شکل نعیم مقیم کی بن جائے گی۔

دوسری مثال

چیز ایک ہی ہے دار بدلنے سے وطن بدلنے سے ہیئت اسکی بدل جاتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی انجینئر جب کوئی کوٹھی بنا تا ہے، تو سب سے پہلے کوٹھی اسکی قلب میں بنتی ہے اتنی کھڑکیاں، دروازے اور رنگ و روغن سب وہ دل میں ذہنی آئینے

میں تصور میں دیکھتا ہے وہی کوٹھی بعینہ بنی بنائی تیار ہے پھر اس کا نقشہ وہ کاغذ پر کھینچتا ہے پینسل یا قلم سے اور وہی کوٹھی کا نقشہ کاغذ پر آجاتا ہے اور پھر اس کے مطابق زمین پر وہ اینٹ سے کوٹھی تیار کرتا ہے تو کوٹھی درحقیقت ایک ہی ہے، جو کاغذ اور زمین پر آئی ذہن کا ظرف لطیف ہے تو اسکی شکل بھی مادی نہیں تھی، کاغذ پر آیا تو اسکی شکل روشنائی اور لکیروں کی بن گئی دنیا کے میدان میں زمین پر آیا تو اسکی شکل اینٹ پتھر کی بن گئی، مگر جو اصل نقشہ ہے وہ بعینہ وہی ہے جو انجینئر کے دل میں تھا لباس بدلتے رہے وطن کے بدلتے رہنے سے شے ایک ہی رہی اسی طرح یہ آیات الٰہیہ اور اعمال صالحہ ہیں، یہاں ان کی شکل عمل کی ہے جب وطن بدل جائیگا، آخرت میں تو ان کی شکل نعیم مقیم کی بن جائے گی۔

اعمال صالحہ آخرت میں سواری بن جائیں گے

تو یہاں یہ عمل جو آپ کر رہے ہیں، یہ عمل بھاری بھی ہے، شاق بھی، مگر صبر وتحمل سے اطاعت کے طور پر انجام دے رہے ہیں تو یہاں یہ عمل آپ کے سر پر سوار ہے بوجھ ہے آپ کے لئے مگر آخرت میں جائے گا تو آپ کا بوجھ اٹھائے گا آخرت میں آپ کے لئے قابلِ حمل ونقل بن جائے گا آپ اس پر سوار ہوں گے۔

آیاتِ الٰہیہ اور اعمال کا آخرت میں متشکل ہونے کی حقیقت

بالکل اسی طرح جیسے آپ سفر کرتے ہیں تو ایک بسترہ چھوٹا سا باندھا ایک بکس لیا بکس سر پر رکھا بستر کو بغل میں دابا بکس بھی آپ کے سر پر سوار ہے اور بستر بھی آپ کے سر پر، تھکتے ہوئے ہانپتے کانپتے ہوئے جارہے ہیں، سرائے میں جب پہنچے تو بسترہ بچھایا اب بستر نیچے ہے اور آپ اوپر اور وہ بکس بن گیا آپ کے لئے تکیہ تو اٹھائے سیر میں آپ کے اوپر بار تھا عمل اور منزل پر پہنچ کر وہ آپ کیلئے بستر بن گیا بعینہٖ وہاں کی مثال ہے یہ اعمال بھاری ہیں صبر وتحمل کرنا پڑتا ہے، مگر وہاں جا کر یہ عمل ہمارے لئے سواری بن

جائے گا حدیث میں فرمایا گیا کہ سمنّوا صخایا کم فإنها علی الصراط مطایا کم تم قربانیوں کو فربہ کیا کرو کہ یہی تمہارے لئے سواریاں بنیں گی پل صراط پر، تو یہاں قربانی گویا ہمارے سر پر سوار ہے، بوجھ ہے، کہ سینکڑوں روپیہ خرچ کرنے کے بعد دل کڑ رہا ہے کہ ایسے محبوب جانور کو ذبح کر دیا، اپنے ہاتھوں سے کاٹ چھانٹ دیا، اور وہاں جا کر ہم اس کے اوپر بار ہو جائیں گے حدیث میں فرمایا گیا کہ السخاء شجرةٌ في الجنة یہ سخاوت جنت کے اندر ایک درخت کی صورت میں نمایاں ہوگا جیسے آپ نے سخاوت کی کسی غریب کی خبر گیری کی، کسی کو چار پیسے دیئے تو وہ آپ کی سخاوت کے زیر سایہ پل رہا ہے، پھل کھا رہا ہے تو آپ نے سایہ کر دیا سخاوت سے اس سے غریب آدمی کو پھل ملا، سایہ بھی اور راحت بھی ملی، یہی عمل وہاں جا کر درخت بنے گا آپ اس کے پھلوں سے فائدہ اٹھائیں گے، سو یہی سخاوت متمثل ہو گئی وہاں جا کر درخت کی صورت میں۔

ہر عمل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوگی

تو ہر ایک عمل کو کوئی نہ کوئی صورت دیں گے حق تعالیٰ قیامت کے دن یہ اعمال متجسد اور متشکل بن جائیں گے اور یہ یوم حشر سے ہی شروع ہو جائیگا حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ عرصات حشر میں، قیامت کے میدان میں ہر آدمی کے سامنے دو چیزیں ہوں گی، ایک جہنم جس سے ہیبت ناک آوازیں آتی ہوں گی اور ایک اس کے اعمال جو قطار باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے ان کو شکلیں دے دی جائیں گی عمل کے مناسب، گویا پوری دنیا مجسم کر کے سامنے کر دی جائے گی ایک آدمی بیٹھا ہوا دیکھے گا اپنے کو کہ میں فلاں برائی کر رہا ہوں اور سات کوٹھڑیوں کے اندر اور فلاں وقت میں، بعینہٖ وہی ہیئت وہ زمانہ وہ مکان سب وہاں منتقل کیا جائے گا اسے نظر آئے گا کہ میں اس زمانہ اور مکان میں بیٹھا ہوا اس حرکت میں مشغول ہوں تو یہاں کا زمانہ مکان اور ہر عمل اور اسکی ہیئت کذائی بھی وہاں لوٹا دی جائے گی۔

موجودہ سائنس سے ایک مثال ٹیلی ویژن

اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، آج کی سائنس نے تو اسے بالکل آسان کر دیا ہے، وہاں ہندوستان میں دلی میں ایک نمائش ہوئی، مختلف یورپین ممالک نے اپنے اپنے سٹال لگائے اور اپنی اپنی ایجادات دکھلائیں انہوں نے، تو روس کی طرف سے آیا تھا ٹیلی ویژن تو اس میں دیکھنے کے لئے ہم لوگ گئے تو ہم نے کہا کہ کوئی عجب چیز دکھلاؤ اپنے روس کی، اس نے ایک ٹیلی ویژن دکھلایا اور اس نے کچھ مشینوں سے برابر کیا کہ ہمیں یوں نظر آیا کہ چین کا ایک جنگل ہے جس میں عورتیں دھان بو رہی ہیں، تو چینی عورتوں کا طریقہ یہ ہے کہ دھان بوتے بوتے کچھ گیت گاتی جاتی ہیں، دھان لگاتی جاتی ہیں ان کی آواز بھی آرہی ہے چینی زبان میں ان کے گانے کی، یہ دیکھا ہم نے واقعی عجیب چیز تھی ہم یہ دیکھ رہے تھے رات کے وقت اور وہاں ظہر کا وقت تھا گویا بارہ ایک بجے ہوں گے، اس میں وہی وقت نظر آتا تھا ویسی ہی دھوپ پھیلی ہوئی ہے، وہی وقت ہے، تو ٹیلی ویژن والوں کو تو اللہ نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ ایک وقت کو متمثل کر کے دوسرے وقت میں دکھلا دیں عشاء کے وقت میں ظہر کا وقت دکھلا دیں، چین کا جنگل ہندوستان میں دکھلا دیں، حرکت کرنے والیاں ہمیں یہاں نظر پڑیں، آوازیں ان کی سنائی دیں ایک وقت ایک مکان میں دوسرا وقت دوسرا مکان نمایاں کر دیا اللہ نے یہ ایک قدرت انسان کو دی، عقل دیا تو اللہ کی قدرت کیا ایسا نہیں کر سکتی کہ دنیا کے سارے اعمال اور سارے زمانے اور سارے مکان لوٹا کر آخرت میں سب کے سامنے پیش کر دے جو اس کو مان سکتا ہے کیا وجہ ہے کہ وہ اسے نہیں مانے گا۔

سائنسی ایجادات اور عالم غیب

جو یہاں کی ایجاد کو مانتا ہے وہاں کی ایجاد کو بھی مانے گا اور جب کہ یہاں کی

ایجاد بھی انسان کی ذاتی نہیں اللہ نے ہی تو یہ عمل اور عقل دیا جس سے ایسی ایجاد کرتے ہیں تو جس کے دیئے سے ہم اس پر پہنچ گئے تو جو سر چشمہ ہے ان کمالات کا وہ اس سے زیادہ بنا دے تو کونسی تعجب کی بات ہے تو بہر حال یہ آیتیں یہ اعمال یہاں عمل کی صورت میں ہیں وہاں جا کر نعیم مقیم اور باغ و بہار کی صورت بن جائے گی ایک آدمی یہاں معاذ اللہ زنا کرتا ہے، وہ سانپ اور بچھو حالت راہنہ میں لپیٹ رہا ہے اپنے بدن سے، مگر شکل نمایاں نہیں، قیامت کے دن شکل نمایاں ہو جائے گی کہ وہ زنا نہیں تھا بلکہ سانپ اور بچھو تھا، وہ چوری نہیں تھی بلکہ عذاب تھا عذاب الیم جو وہاں لپیٹا تھا شکل یہاں آگے بن گئی تھوڑے عرصہ میں شکل سامنے آئے گی۔

ظہور اعمال کا ایک اور نمونہ

سردیوں میں بعض بچوں کی عادت ہوتی ہے گڑ کھانے کی اور اگر زمینداروں کا گھر ہو تو وہاں گڑ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں اور بچے کھاتے رہتے ہیں، ماں باپ روکتے ہیں کہ بھئی گرمی کرے گا، مگر مٹھاس آتا ہے، مزہ آتا ہے، رکتے نہیں، وہ کھایا انہوں نے اور پانچ مہینے تو خوب کھاتے رہے مگر جب گرمی کا موسم آیا اب وہ پھوٹ پھوٹ کر نکلنا شروع ہوا پھوڑے پھنسیاں نکلیں اور پیپ بہہ رہی ہے، اب والد علاج کراتے کراتے تنگ آ گیا، کہیں مرہم لگا رہا ہے کہیں مصفیات پلا رہا ہے اور کہتا ہے کہ بچے اسی دن کے لئے تو میں روکتا تھا کہ گرمی میں پھوٹ کر نکلے گا، تو یہی گڑ وہاں اس کی شکل مٹھاس کی تھی اور یہاں اسکی شکل ہوگئی پھوڑے کی تھوڑا سا موسم بدل گیا تو آثار ظاہر ہوئے آج جو بد عملی یہاں کی جارہی ہے، وہ یہاں ہے لیکن تھوڑا سا وقفہ گذرنے کے بعد جب موت کو یاد کر کے آدمی پہنچے گا قیامت میں وہی پھوٹ پھوٹ کر بدن سے نکلیں گی عذاب الیم کی صورت میں، جو یہاں لگا تھا وہ وہاں سامنے آجائے گا۔

انسانی نفس اعمال کو نگلتا ہے اور آخرت میں انہیں اگل دیگا

جتنے بھی اعمال ہیں یہ محض سطحی نہیں ہیں بلکہ انسانی نفس ان کو نگلتا ہے اور جزو نفس بناتا ہے نیکی ہو یا بدی جب جزو نفس بن گئیں تو جب نفس اس میدان میں پہنچے گا تو وہی چیزیں جو جو ہر بنا لی تھیں نفس کی وہ نکل گئیں تو اللہ تعالیٰ اندر سے بھی نمایاں کر دیں گے عمل کو اور باہر سے بھی عمل کو مجسم بنا کر حجت تمام کر دیں گے۔

صحیح بخاری کے اول و آخر کی نسبت

تو بہر حال امام بخاریؒ نے ابتداء میں عمل کا پہلا سرا بتلا دیا کہ انما الاعمال بالنیات کہ نیت صحیح کرو، تا کہ عمل صحیح ہو، گویا انما الاعمال بالنیات تو ایک اصولی کلیہ ہے کہ ہر چیز نیت سے معتبر ہو گی، شرعی وجود اور شرعی ثواب نیت سے ہوگا اب اس کلیہ سے ہم نفع کس طرح اٹھائیں تو انتفاع کیلئے دوسرا جملہ رکھا وانما لا مرءٍ مانوی آدمی جو نیت کرے گا اس کو وہی پھل ملے گا محض اصول کے درجے میں بات نہیں رہ جائے گی بلکہ عمل کے میدان میں یا ضرر اٹھائے گا یا نفع تو یہ دوسرا اصول ہے انتفاع کے لحاظ سے وہ اصول ہے عقلی اور کلی کوئی آدمی کرے یا نہ کرے وہ اصول اپنی جگہ ہے، اور جب کرے گا تو انما لا مرء ما نوی اب اس سے منتفع ہونے کا وقت آیا تو یہ اصول در حقیقت عمل ہی ہے، اور پہلا اصول نظری۔

حدیث کی تین چیزیں جزوی مثال عملی اصول اور نظری اصول

اس کے بعد تیسری مثال جزوی دی کہ فمن كانت هجرته إلى الله و رسوله فهجرتهٗ إلى الله ورسوله ومن كانت هجرتهٗ إلى دنيا يصيبها او إلى امرأة يتزوجها فهجرتهٗ إلى ماهاجر إليه تو ایک جزوی مثال، ایک عملی اصول ایک نظری

اصول یہ تینوں اس حدیث میں جمع کر دیئے گئے ، اور مجموعہ سے یہ بات نکلی کہ عمل بغیر نیت کے ہوتا نہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، حتیٰ کہ دنیا میں بھی اگر کوئی مجرم ہو تو بعض اوقات گورنمنٹ کا قانون بھی کہتا ہے اور وکیل بھی کہتا ہے کہ حالات کا تقاضا ہے کہ اسکی نیت بری نہیں تھی باقی عمل سرزد ہو گیا تو وہاں تو مدار ہی نیت پر ہے اللہ کی حکومت میں تو اصل باطن ہی کو دیکھا جاتا ہے تو اس حدیث میں تین چیزیں بیان فرما دیں ، اور مبداء بیان کر دیا عمل کا اور دوسری حدیث میں کلمات ارشاد فرما دیئے آخیر میں کہ وہ ثمرے سے تعلق رکھتی ہیں ،سوال یہ ہے؟

نیت اور عمل کا نتیجہ وزن میزان

کہ آخر نتیجہ کیا نکلے گا تو اس ظاہر فرما دیا کہ **ثقلیتان فی المیزان خفیفتان علی اللسان** یہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر ہلکے اور میزان عمل پر بھاری ہیں ، میں ہنسی میں اسکی ایک مثال دیا کرتا ہوں کبھی آپ نے یہ پاپڑ تو کھائے ہوں گے باریک باریک بنتے ہیں کبھی موم کے کبھی ویسے تو میں کہا کرتا ہوں **خفیفتان علی اللسان** زبان پر ہلکے مگر معدے میں گئے تو بھاری ہو جاتے ہیں ، گڑ بڑ پیدا کر دیتے ہیں ، یہ مادی غذاؤں میں اس کا مصداق ہے تو اللہ کے ہاں اعمال شریعت میں یہ دو پاک کلمات وہ ہیں کہ زبان پر ہلکے ، ادائیگی میں کوئی دشواری نہیں اور نہ ان میں وقت لگے اور میزان کو دیکھو تو وہ پر ہو جاتی ہے اجر و ثواب سے ، تو امام بخاریؒ نے اپنی صنعت سے مبداء بھی بیان کر دیا اور منتہیٰ بھی ، مصدر بھی اور مظہر بھی اس واسطے میں نے یہ دو روایتیں پڑھیں کیونکہ یہ مجلس وعظ اور تقریر کی نہ تھی ، درس کی تھی تو ان دو حدیثوں کا کچھ ترجمہ پیش کر دیا اور اصل جو علوم ہیں اور کمالات ہیں وہ تو ہمارے مولانا ہی بیان فرماویں گے آپ کے سامنے' اور علماء ہی کا حق ہے بیان کا ، میں نے تو چند باتیں طالبعلمانہ عرض کر دیں کہ تعمیل حکم کے بغیر چارہ نہ تھا۔

دعا

اب امید ہے آپ حضرات میرے لئے بھی دعا فرماویں گے ، اپنے لئے بھی اور حضرت مولانا عبدالحق مدظلہٗ کیلئے بھی دعا فرماویں گے کہ جن کی وجہ سے یہ ساری بہار قائم ہے اور یہ باغ و بہار آپکے سامنے ہے اور دارالعلوم دیو بند کو بھی دعا فرماویں گے کہ اس کو اللہ نے ہمارے لئے ایک مادرِ علمی بنا دیا ہے ، وہاں سے یہ سب گل کھل رہے ہیں اور یہ پھل پھول نکل کر سامنے آ رہے ہیں اور حق تعالیٰ ہم سب کا انجام بخیر فرماوے ۔

وصلی اللّٰہ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہ وأصحبہٖ اجمعین

ضبط وترتیب: مولانا سمیع الحق صاحب

ج:۴،ش۲، شعبان ۱۳۸۸ھ، نومبر ۱۹۶۸ء

فلسفہ نماز و تبلیغ

خیر الامم امت محمدیہ کی ذمہ داریاں

یہ خطاب اگر چہ مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں ۲۸ اگست ۱۹۸۰ء میں کیا گیا تھا مگر اس کے مرتب و ناشر دارالعلوم حقانیہ کے مدرس حضرت شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ ہیں جو اس وقت طالب علمی کے دور سے گذر رہے تھے اس مناسبت سے اس کا تعلق منبر حقانیہ سے بنتا ہے اور اسے شامل خطبات کیا گیا ہے (س)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

آغاز سخن

حضرات کرام ! یہ آیت کریمہ جو کہ میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی یہ آیت کریمہ عملی مقصد کیلئے بیان فرمائی گئی ہے میں اس آیت کی مختصر طور پر تشریح اور تفسیر کرنے کی کوشش کروں گا یہ آیت کریمہ اگر چہ صورتی نمونے سے مختصر جیسی نظر آرہی

ہے لیکن معنی اور مفہوم کے اعتبار سے آسمان اور زمین سے بھی بڑھ کر بڑی ہے میں اس آیت کی تشریح سے قبل قبل چند مثالیں پیش کرتا ہوں اور اس سے پہلے ایک اہم حقیقت عرض کرنا چاہتا ہوں تا کہ آیت کریمہ کا مطلب اچھا سمجھا جائے۔

انسان کی حقیقت جامعہ

معزز بزرگو! حقیقت مہمہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو حقیقت جامعہ عطا فرمائی ہے جسکی وجہ سے انسان کو جامع الکمالات کہا جاتا ہے کیا تم نے غور و خوض کے آنکھوں سے مطالعہ نہیں کیا ہے جو چیز کائنات میں پائی جاتی ہے وہ انسان میں بھی پائی جاتی ہو جو نمونے پہاڑوں ، جنگلوں ، زمینوں ، درختوں اور ملائکوں میں پائے جاتے ہیں وہی نمونوں کا مظہر انسان بھی ہے غرض کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کا نمونہ انسان کے وجود میں عیاں نہ ہو میں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ مثلاً زمین ہے جو کہ مٹی سے بھری ہوئی ہے اسی طرح انسان کو بھی دیکھو کہ اس میں زمین جیسی مٹی بھی ہے جیسا کہ انسان اپنے بدن کو مَلنا شروع کرے تو اسکے بدن سے میل کی بتیاں شروع ہو جاتی ہیں جو کہ مٹی کی طرح ہوتی ہیں تو انسان میں خاک کا نمونہ بھی پایا جاتا ہے۔

انسان میں جنگل کا نظام

اور زمین میں کہیں گھنے جنگلیں ہوتی ہیں اور کبھی بالکل صاف پتھریلی میدانوں ہوتی ہیں تو انسان میں جنگلیں رواں ہیں کہیں جنگل کے جنگل ہوتے ہیں جیسا کہ سر ہے اور بغلوں کو دیکھو اور کہیں بالکل بال اور رواں نہیں ہوتا جیسا کہ ہاتھوں کے باطن پر تپٹر زمین کی طرح کچھ سبزہ اور گھاس اور درخت نہیں اگتے تو انسان میں نباتات کا سلسلہ بھی جاری ہے جمادات کا سلسلہ بھی جاری ہے سر میں کبھی بیماری اور جوئیں پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ زمین میں جانور اور کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں ہاتھ کے کیڑے جدا

قسم کے اور معدے کے کیڑے جدا قسم کے بعد، غرض انسان کے ہر ایک جز کے کیڑے اور بیماری جدا قسم کی ہوتی ہے جیسا کہ زمین میں ہر ایک قسم کے مخلوقات اور حشرات الارض ہوتے ہیں ملکوں کا اختلاف ہونے کی وجہ سے جانوروں کی شکل بھی مختلف ہوتی ہے تو اسی طرح انسان کے بدن میں بھی جداگانہ اور مختلف قسم کے جراثیم اور کیڑے ہوتے ہیں جیسے کہ ڈاکٹروں نے یہ بات صاف کہی ہے کہ انسان مجموعہ ہے جراثیم کا انسان میں خوردبین کے ساتھ چھوٹے چھوٹے جراثیم نظر آتے ہیں جیسا کہ پانی وغیرہ میں جراثیم ہوتے ہیں لیکن جراثیوں میں اختلاف وفرق ہے جیسا کہ ایک صوبے اور ایک علاقے کے دوسرے صوبے اور دوسرے علاقے کے حیوانات میں اختلاف ہوتا ہو تو جو اشیاء زمین میں پائے جاتے ہیں وہ تمام کے تمام انسان میں پائے جاتے ہیں اور پہاڑوں کا سلسلہ بھی انسان میں موجود ہو جیسا کہ ہڈیوں کے مطالعہ سے نمودار اور ظاہر ہوتا ہے بعض ہڈیاں سیدھی ہوتی ہیں اور بعض ٹیڑے جیسا کہ پہاڑوں میں بعض پہاڑ سیدھے ہوتے ہیں اور بعض میں کجی محسوس ہوتی ہے تو انسان کے بدن میں پہاڑوں کا سلسلہ بھی موجود ہے۔

انسان کے بدن میں دریاؤں کا نمونہ

ہر زمین میں پانی کی نہریں اور دریائیں چشمے اور کنوئیں موجود ہیں اسی طرح انسان میں بھی نہروں اور دریاؤں کی طرح رگیں ہیں بعض رگیں خون سے پر ہیں اور بعض پانی سے پر ہیں پیشاب کا کنواں انسان میں موجود ہے غرض انسان میں بھی نہریں اور خونی تادے زمین جیسے رکھے گئے ہیں اسی طرح انسان میں بھی بعض جگہوں میں کڑوا پانی ہوتا ہے اور کہیں میٹھا پانی ہوتا ہے جیسا کہ پتا میں کڑوا پانی موجود ہے جو کہ زہر قاتل کہلایا جاتا ہو اور جیسا کہ زبان کے اندر میٹھا پانی موجود ہے اگر انسان اس زبان پر میٹھا

پانی جاری کرے تو تمام جہان اسکے پاؤں میں خدمت کریں گے اور اگر کڑوا پانی استعمال کرنا شروع کرے تو تمام جہان کے باشندے اس سے نفرت پذیر ہو جاویں گے تو جیسا کہ کڑوے پانی سے انسان نفرت کرتا ہے میٹھا پانی پسند کرتا ہے تو اسی طرح خود ہی انسان میں کڑوا اور میٹھا پانی موجود ہے بلکہ انسان کے اندر نمکین پانی بھی موجود ہے جبکہ انسان کے منہ پر کسی ابتلاء غم کی وجہ سے آنسو آ جائیں تو قوت ذائقہ کے مطابق نمکینی ہی نظر آتی ہیں انسان میں پاک چشمے میں بھی ہیں جیسا کہ آنسو وغیرہ اور پلید چشمے بھی ہیں جیسا کہ پیشاب وغیرہ جس طرح زمین میں چشمے اس طرح انسان میں چشمے جب برسات کا موسم شروع ہونے لگتا ہے تو انسان سے بھی پسینوں کی بوندیاں ٹپکتی نظر آتی ہیں اور جیسا کہ زمین سے گرم پانی بھی نکلتا ہے اور ٹھنڈا پانی بھی نکلتا ہے اسی طرح انسان کے بدن سے بھی گرم اور سرد پانی خارج ہوتا ہے۔

انسان کے بدن میں تمام کائنات اور جمادات کے نمونے

غرض یہ کہ انسان کے بدن اور وجود میں تمام کائنات اور جمادات کے نمونے پائے جاتے ہیں جیسا کہ کائنات میں کہیں ہوا بند ہو جاتی ہے تو فساد پیدا ہوتا ہے جیسا کہ حکماء اور فلاسفہ نے اس بات کی تفصیل اپنی مقام میں کی ہے تو اسی طرح اگر انسان کی بدن میں ایک گونٹ ہی پیدا ہو جائے تو انسان مضطر اور ڈاکٹروں اور حکیموں کے در پر دوڑنے لگتا ہے انسان میں ہوائی امراض بھی ہیں مائی امراض بھی ہیں ناری بھی ہیں خاکی بھی ہیں جمادات اور نباتات کے کرشمے بھی انسان میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ فلک اونچا ہے اسی طرح انسان میں بھی سر اور گردن فلک جیسے اونچی ہیں جیسا کہ آسمان میں سورج اور چاند ہے اسی طرح انسان میں بھی آنکھیں سورج اور چاند جیسے ہیں اگر سورج یا چاند پر تھوڑی سی تاریکی یا کسوف خسوف طاری ہو جائے تو تمام عالم میں ظلمت کے

شرارے برپا ہونگے تو اسی طرح اگر انسان میں بھی ایک آنکھ یا دونوں آنکھیں بند اور نابینا ہو جائیں تو اسکو حق بصارت حاصل نہیں ہوتی آسمان اور زمین پہاڑ اور جنگل حیوانات اور نباتات تمام کے تمام انسان کے وجود میں موجود ہیں تو اسی وجہ سے انسان کی حقیقت جامع الکمالات و الصفات اور جامع الانواع ٹھہری یہ چند مثالیں اور یہ لمبی چوڑی تقریر جو ہیں آپکے سامنے بیان کی ہے یہ صرف اس مقصد کیلئے کی گئی کہ انسان میں مخلوقات کے تمام کرشمے، نظارے اور نمونے نمودار ہیں ۔

انسان میں خالق کائنات کے نمونے

اب میں دوسری شق بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ انسان میں خالق اور لاشریک مالک الملک کے نمونے بھی پائے جاتے ہیں اگر غور کے آنکھوں سے نظر فرماویں تو خالق کے نمونے انسان میں بہت پائے جاتے ہیں مثال کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عالم میں زندگی کا برتاؤ روح کے ذریعہ سے ہے تمام مخلوقات روح سے زندہ ہیں جزو اصلی انسان میں روح ہے دوسرے لفظوں میں یہ کہ انسان روح سے عبارت ہے اگر انسان سے روح نکل جائے تو وہ انسان نہیں رہتا بلکہ وہ مٹی جیسا ایک بت اور ڈھیر ہے اسے انسان نہیں کہتے اور نہ انسانوں کا اطلاق اس پر ہوسکتا ہے وہ تو جمادات ہو گیا تو انسان کے حیات کی دارومدار صرف روح ہی پر ہے پھر جو تمام مخلوقات کا روح اعظم ہے اسکے وجود سے کیوں عالم میں حیات نہ ہو اگر ہم بالفرض ولاً اعتبار روح کے متعلق یقین کریں کہ ہم میں روح موجود نہیں کیونکہ ہمیں نظر نہیں آتا تو......

ع ایں خیال است ومحال است وجنوں

کیونکہ پھر ہم اپنے آپ کو اور تمام مخلوقات کو مردہ سمجھیں گے کیونکہ بغیر روح کے ممات طاری ہوتا ہے جیسا کہ نادان اور نہ جاننے والے بھی اس امر کا اقرار کرتے

ہیں تو وہی اللہ تعالیٰ جو خالق الأرض والسموات اور فالق الأصباح ہے اسکے وجود کا دلیل انسان میں پایا گیا کیونکہ جیسا انسان میں روح موجود ہے جسکی وجہ سے زندہ اور انسان ہے اور معلوم نہیں ہے کہ کہاں ہے اور کہاں نہیں تو اسی طرح وہ روح اعظم جو کہ مالک الملک اور خالق الخلق ہے موجود ہے اور مشیر نہیں تو خداوند لایزال نے انسان کے سمجھانے کیلئے انسان کے وجود میں ایسی بین اور واضح و پختہ دلیل پیدا کی ہے کہ اگر انسان گہرے اور ٹھنڈے دل سے غور کی آنکھوں کے ساتھ مطالعہ فرمائے تو بالبداہت اور بالضرورت یہ تسلیم کریگا کہ واقعی میرے پیدا کرنے کیلئے ایک ذات باصفات ہے کہ جس نے مجھ کو اور تمام کائنات کو عدم کے پردے سے نکالتے ہی وجود کا لباس پہنایا ہے۔

روح کی تمام جوارح کے ساتھ تعلق کا جداگانہ طرز

جیسا کہ روح کا تعلق تمام جوارح کیساتھ جداگانہ طرز کا ہے پاؤں کیساتھ چلنے کا تعلق ہے اور منہ سے بولنے کا تعلق ہے آنکھوں سے دیکھنے کا اور دماغ وعقل سے سوچنے کا تو اسی طرح اس روح اعظم کا تعلق اپنے مخلوقات کے اندر متفاوت درجوں اور مرتبوں کیساتھ ہے بیت اللہ کیساتھ ایک قسم کا تعلق اور مسجد نبوی ﷺ کیساتھ دوسرے قسم کا تعلق اور تمام مسجدوں کیساتھ علیحدہ قسم کا تعلق جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ بیت اللہ میں ایک نماز لاکھ نمازوں کا ثواب واجر رکھتا ہے جب بیت اللہ برباد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو تمام دنیا اور عالم الٹ پلٹ جائیگا بہرحال مراتب متفاوت اور مختلف ہو گئے تو انسان کے بدن میں روح تو مانا گیا اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ کتنے روح ہیں ایک ہے یا دو ہیں یا زیادہ ہیں بات تو صاف اور بے غبار ہے کیونکہ اگر انسان میں دو روح یا زیادہ مان لیا جائے تو ایک روح چلنا چاہے گا اور دوسرا سونا چاہے گا ایک نماز ادا کرنا چاہے گا اور دوسرا سینما اور تھیٹر میں جانا چاہے گا تو روحوں کی آپس میں نزاع ولڑائی آجائے گی

جسکی وجہ سے انکولڑائی لڑائی کرنے سے فرصت نہ ملے گی کہ انسان کی بدن کی تربیت اور اصلاح کرے تو انسان اس جھگڑے کے ماتحت بے تربیت اور جاہل بڑھتا جائیگا بلکہ لڑائی سے تو انسان کے بدن کو پھٹ دینگے۔

روح اعظم اور نظام اعظم

تو اسی طرح نظام عالم میں ایک ہی روح اعظم ہے جسکا شریک و ہمتا مماثل اور ہمسر سرمد سے ابد تک کوئی نہیں اور نہ ہوسکتا ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ پس اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل آپ کے وجود میں پائی جاتی ہے اگر چہ اللہ کی وحدانیت پر بہت سے دلائل عقلیہ ونقلیہ موجود ہیں لیکن یہ دلیل تمام دلیلوں سے بڑھ کر آفتاب آمد دلیل آفتاب ہے......

أتزعم إنك جرم صغير
وفيك أنطوى العالم الأكبر

جب انسان کے بدن میں ایک ہی روح کو قرار دیا گیا تو میں اب یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ روح انسان کے بدن میں کہاں ہے کون سے مقام میں ہے بلکہ روح تو ہر جگہ موجود ہے روح کا انحصار کرنا کہ یہاں ہے اور یہاں نہیں عقل سے بعید اور خلاف واقع ہے کیونکہ اگر ہاتھ میں روح ہو اور پاؤں میں نہ ہو تو چلنا کس طریقے سے ہوگا یا اگر معاملہ بالعکس ہو تو کھانا اور کام وغیرہ کس طرح ہوگا جب روح کا انحصار اور احتباس ایک ہی مقام اور عضو میں نہیں تو روح اعظم اور روح الا رواح کیوں ہر جگہ اور ہر موضع میں موجود نہ ہو اسکا وجود عرش پر بھی ہے، فرش بھی ہے، آسمان میں بھی ہے، زمین میں بھی ہے، اندر بھی ہے، باہر بھی ہے، اول بھی ہے، آخر بھی ہے، دانا بھی ہے، بنیا بھی ہے، سمیع بھی ہے، علیم بھی ہے، رحمٰن بھی ہے، رحیم بھی ہے، ہر جگہ اور ہر کونہ اور ہر طرف

وجہت میں موجود ہے مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ (المجادلہ:۷) غرض یہ کہ دنیا میں کوئی ذرہ نہیں کہ وہاں وہ نہ ہو ہر جگہ میں ہے علیم بذات الصدور ہے دلوں کی کھٹک کو بھی سنتا ہے دلوں کی خفیہ بھیدوں اور اسراروں پر عالم ہے ظاہر بھی دیکھتا ہے باطن بھی دیکھتا ہے خشکی میں بھی ہے اور سمندروں میں بھی ہے حق تعالیٰ وتقدس کا احاطہ تمام مخلوقات پر ایسا جیسا کہ انسان کے روح کا احاطہ تمام بدن پر ہے تو اپنے وجود سے اور بدن سے اتنی دلیلیں نکل گئیں کہ اللہ موجود بھی ہے واحد اور یکتا بھی ہے ہر جگہ میں بھی ہے حق تعالیٰ اشارہ سے منزہ اور مبری ہے کہ یہاں ہے وہاں نہیں جیسا کہ روح کو اشارہ نہیں کیا جاسکتا اور جیسا کہ روح کا رنگ معلوم نہیں ہوسکتا کہ کالا ہے یا سفید ہے سرخ ہے یا نیلا ہے اسی طرح روح اعظم کا رنگ بے چونی اور بے چگونی کے سوا اور کچھ بیان نہیں کیا جا سکتا اسکا اشاروں سے کیا تعلق ہے نہ سبز ہے نہ سرخ بلکہ ان سب عیوبات سے بالاتر اور منزہ ہے اسکی ذات باصفات پر نہ کیف راست آتی ہے نہ کم راست آتا ہے ضد سے بھی بری ند سے بھی بری نہ مثال ہے اسکے لئے نہ مثیل، روح کا تعلق دماغ سے زیادہ ہے اگر لاٹھی سے کسی کو سر پر مارا جائے تو مشکل سے زندہ رہتا ہے اور پاؤں کے ساتھ تعلق اس سے کم ہے اگر پاؤں پر مارا جائے تو بہت کم ہوتا ہے کہ مرجائے اسی طرح روح الا رواح کا تعلق بھی مخلوقات کیساتھ متفاوت ہے تو انسان جامع الکمالات ہوا انسان میں مخلوقاتی صفات بھی پائے جاتے ہیں اور خالقی صفاتوں کا بھی مظہر ہے سماع، علم، رویت وغیرہ سب اوصاف خداوندی ہیں انسان میں بطور عکس کے پائے جاتے ہیں فرشتوں کے نمونے بھی انسان میں پائے جاتے ہیں لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ جب کہ انسان حکم خداوندی اور فرمان الٰہی کے منقاد اور مطیع ہو جائے تو وہ ملائکہ سے بھی بڑھ کر بالاتر

ہے ملائکہ منشاء خداوندی کے تعمیل کرتے ہیں یعنی خداوند کریم کے فرمان سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق کام کرتے ہیں جیسا کہ ہمارا دل یہ حکم نہیں کرتا یہ کام کریں بلکہ تخیل جیسا پیدا ہوتا ہے تو آدمی آنکھوں کو کھولتا ہے یا چلتا ہے بیٹھتا ہے یہ سب چیزیں قلب کے ارادے کے مطابق کئے جاتے ہیں۔

انسان میں مختلف نمونے اور اوصاف اور مختلف فرائض

محترم بزرگو! جب انسان میں دو قسم کے نمونے اور اوصاف پائے گئے تو اسپر دو ہی قسم کے فرائض عائد ہوتے ہیں ایک عبادت اور دوسری تبلیغ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عبادات! یعنی مخلوقاتی عمل مخلوق کا فرض ہے کہ خالق کے سامنے جھکے اور اپنی احتیاجی اور ذلت وفقر کا اظہار کرے کہ مجھ جیسے ناچیز کو خداوند رحیم نے وجود جیسی نعمت عطا فرمائی ہے عبادت صرف نماز ہی ہے کیونکہ نماز ہی میں اپنی ذلت اور فقر کا ثبوت دینا مقصد ہوتا ہے کہ اللہ کے سامنے سر سجود ہو کر تضرع اور عاجزی کے ساتھ ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھتے ہوئے خالق کی بڑھائی اور کبریائی کا اقرار اطمینان قلب اور خلوص دل سے کرتا ہے روزہ ،زکوٰۃ ،صدقہ وغیرہ درحقیقت عبادت نہیں کیونکہ عبادت کا معنی غایت تذلل ہے اور روزہ اور زکوٰۃ میں یہ معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ روزہ عبارت ہے نہ کھانے اور نہ پینے سے نہ کھانا اور نہ پینا تو عبادت کے متضاد ہیں کیونکہ اس میں تو اللہ تعالیٰ کیساتھ ہی مساوات اور برابری لازم آتی ہے کیونکہ صرف اللہ ہی نہیں کھاتا اور نہیں پیتا لیکن اس جہت سے کہ اللہ تعالیٰ کا امتحان اور آزمائش ہے تو اس حکم کا ماننا عبادت کے معنی میں ہے اور إعطاء للغیر تو اللہ ہی کا خاصہ ہے واللّٰہ یعطیٰ لی اخراھا تو اسکے کرنے میں بھی ذات ایزدی کیساتھ مساوات لازم آتا ہے لیکن حکم کے اطاعت کی وجہ سے عبادت کے معنی میں ہیں اور اسی طرح سچ کہنا بھی عبادت نہیں کیونکہ اس میں بھی

مساوات لازم آتا ہے اسلئے کہ سچ کہنا تو اللہ ہی کا خاصہ ہے وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا لیکن حکم کے تعمیل کی وجہ سے عبادت قرار دیا ہے تو نماز تمام چیزوں سے بڑھ کر اصلی عبادت ہے کیونکہ نماز میں نہایت تذلل ہوتا ہے نماز میں ناک اور پیشانی کو زمین پر رگڑا جاتا ہے اور ناک و پیشانی انسان کے بدن کے معظم اور مشرف اجزاء ہیں جیسا کہ عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ فلاں کی ناک کٹ گئی جس وقت ملامت اور شرمندہ ہو جاتا ہے اور فلاں کے پیشانی پر دبہ لگ گیا جب نماز میں اپنی ذلت کا اظہار ہے تو اپنی ذلت کے اظہار سے غیر کی عزت ثابت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر نماز فرض کی ہے جیسا کہ آیا ہے أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ہر چیز نماز پڑھتی ہے ہر چیز کی نماز اسکے شان کے مطابق ہوتی ہے درختوں کی نماز قیام کی حالت میں ہے رکوع اور سجدہ اور قعدہ نہیں چوپائے کی نماز رکوع کی شکل میں ہے پہاڑوں کی نمازیں قعدہ کی حالت میں ہیں سانپ وغیرہ کی نماز سجدے کی شکل میں ہے اوندھے پڑھے ہوتے ہیں ملائکوں کی نماز صف بندی اور تہلیل اور تسبیح کی صورت میں ہے حدیث میں آیا ہے کہ ملائکہ عرش کے سامنے کھڑے ہیں ان کی نماز میں صف بندی ہے تو مسلمان کی نماز میں تمام مخلوق کی نمازیں موجود ہیں جیسا کہ ملائکوں کے نماز میں صف بندی ہوتی ہے اسی طرح ہمارے نماز میں بھی صف بندی ہوتی ہے اور جس طرح درختوں کے عبادت میں قیام ہوتا ہے اسی طرح ہماری نمازوں میں بھی قیام ہے اور جس طرح پہاڑوں کے نماز میں قعدہ ہے اسی طرح ہماری نمازوں میں بھی قعدہ ہے جیسا کہ چاند اور سورج گردش کی صورت میں عبادت کرتے ہیں اسی طرح ہمارے نمازوں میں بھی ایک رکعت سے دوسری رکعت کو گردش ہوتی ہے کیونکہ ہمارے ہر ایک نماز میں گردش

موجود ہے اس لئے کہ دو رکعتوں سے کم نماز موجود نہیں اسی طرح اسلامی عبادت اور نماز میں غیر اقوام کی عبادتیں پائی جاتی ہیں کیونکہ بعض قوموں کی عبادت صرف قیام ہوتا ہے اور بعض صرف سجدہ کرتے ہیں ۔

نماز جامع العبادات

پس مسلمان کی نماز بھی جامع العبادات عبادت ہے بلکہ اسلام کی ساری کی ساری عبادتیں نماز میں پائی جاتی ہیں دیکھو روزہ بھی نماز میں پایا جاتا ہے کیونکہ روزہ میں نہ کھانا اور نہ پینا اور فضولیات سے باز رہنا ہوتا ہے اسی طرح نماز میں بھی نہ کھانا اور نہ پینا ہوتا ہے حج بیت اللہ بھی نماز میں موجود ہے کیونکہ حج میں طواف کیا جاتا ہے اسی طرح نماز میں بھی طواف اور گردش کیا جاتا ہے جیسا کہ اب بیان کر چکا حج میں حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھوں کو اونچا کرنا پڑتا ہے اسی طرح نماز میں بھی ہاتھ اونچے کرتے ہیں جہاد بھی نماز میں موجود ہے کیونکہ مجاہدین اور غازی لوگ دشمنان دین کے سامنے صف بندی کے ساتھ پیش آتے ہیں جہاد میں بھی امام کا ہونا ضرور نماز میں بھی ضرور جیسا کہ نماز میں دائیں طرف زیادہ رحمت ہوتی ہے اسی طرح جہاد میں بھی دائیں طرف زیادہ رحمت ہوتی ہے جیسا کہ نماز میں نعرہ اللہ اکبر لگایا جاتا ہے اسی طرح جہاد میں بھی نعرے لگائے جاتے ہیں جیسا کہ نماز میں فرجت ہونا منع ہے اسی طرح جہاد میں بھی فرجت کا ہونا منع ہے إياكم وفرجت الشيطن اے مسلمانو! خبردار کہ کہیں صف بندی میں شگاف نہ پڑ جائے و تراسی تم اپنے آپ کو دشمن کیلئے ڈھال بنا دو ۔

نماز تمام مخلوقات کی عبادات کو محیط ہے

پس نماز جامع العبادات عبادت ہے دوسرے لفظوں میں ایک بڑا اسلام اور ایک چھوٹا ہے چھوٹا اسلام نماز ہی ہے اور بڑا اسلام تمام ارکانوں سے عبارت ہے اگر نماز

درست ہے تو سب عبادتیں درست الصلوة عماد الدين فمن أقامها فقد أقام الدين ومن هدمها فقد هدم الدين . فرق المسلم والكافر الصلوة . من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر اگر چہ اسکے ترک میں کفر حقیقی نہیں ہے یعنی اس پر کافر کا اطلاق نہیں ہوسکتا لیکن کفر کے گڑھے اور کنارے پر کھڑا ہو جاتا ہے عنقریب کہ اس کنارے سے گر پڑے چونکہ نماز تمام مخلوقات کی عبادتوں کی مشتمل اور حاوی ہے تو اس کا ترک کرنا بڑا ظلم اور باعث عذاب ہے یہ تو مخلوقاتی فریضہ تھا جو انسان پر عائد ہوتا ہے ۔

خالقی فریضہ

اب دوسرا فریضہ جو خالقی فریضہ کہلایا جاتا ہے بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو درست کرتے ہوئے اپنے بھائیوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے لوگوں کو گمراہی اور ضلالت کے ظلمات سے نکالنے کی کوشش کرے اور اس کا ذریعہ اور وسیلہ تبلیغ ہی ہے تبلیغ کے ساتھ غیروں کو راہ راست پر لایا جاتا ہے اسلامی حق ہر مسلم پر یہ ہے بلکہ دوسرے معنوں میں مسلمان کا حق دوسرے مسلمان پر یہ ہے کہ حق تعالٰی کے احکام امر و نہی لوگوں کو شہر بہ شہر، کوچہ بہ کوچہ، خانہ بہ خانہ، شخص بہ شخص پھیلانے کی کوشش کرے جو لوگ جاہلیت کے سمندر میں غرقاب ہیں ان کو پیار اور نرمی سے صراط مستقیم بتلائے جیسا کہ پیغمبروں نے جاہلوں اور مشرکوں کو نرمی کے ساتھ سمجھاتے تھے اور ان کے دلوں کو کفر اور شرک کی میل سے صاف اور مانج کر کے مسلمان کرا دیتے اب پیغمبروں کی تبلیغ ان کے ورثاء کے طرف عائد ہے جن کو علماء حق کہتے ہیں ان سب کا یہ فریضہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں جب کہ انسان اپنی عبادت جو کہ مخلوقیت کا فریضہ (Duty) ہے بسر وچشم ادا کرے اور تبلیغ کو جو کہ خالقیت کا فریضہ ہے کرے تو سب مخلوق میں برگزیدہ اور بہتر ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

خوف الٰہی کا خاتمہ اور موجودہ مسلمان

محترم بزرگو! ابھی تو مسلمانوں میں بالکل اسلام کی نشانیاں باقی نہ رہیں برائیوں کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں باوجود اتنی برائیوں کے ان کے قلوب میں خوف الٰہی نہیں آتا صحابہ کرام کے وقت میں بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ایمان کی علامت اور نشانی کیا ہے؟ فرمایا اذا اسرتك حسنتك ایمان کی نشانی یہ ہے جب تجھے خوشی میں ڈالدے نیکی کرنی تیری موجودہ زمانے میں ہم نمازیں بھی ادا کرتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں اور زکوۃ بھی دیتے ہیں باوجود اسکے ہمارے دلوں میں کسی قسم کی مسرت اور خوشی پیدا نہیں ہوتی اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ ہمارے دلوں میں خلوص کی ایک رتی بھی نہیں ہے جب آدمی برائی کو برائی نہ سمجھے اور بھلائی کو نیکی نہ سمجھے وہ اسلام کے دائرہ سے مستثنیٰ ہے حدیث میں آیا ہے عن ابن عباسؓ قال جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال إني أحدث نفسي بشيء ولأن أكون حممة أحب إليّ من أن أتكلم به فقال الله اكبر الحمد لله الذي رد أمره إلىٰ الوسوسة (شرح مشكل الآثار: ١٦٤٠) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میرے دل میں ایسے وسوسے پیدا ہوتے ہیں جسکے کہنے کی بجائے اسکو ترجیح دیتا ہوں کہ میں کوئلہ بن کر جل جاؤں تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہی ایمان کی نشانی ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض صحابہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں یہ وسوسہ پیش آتا ہے کہ ہر ایک موجودہ کے لئے موجد اور صانع کا ہونا ضروری اور واجبات میں سے ہے تو ہمارے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا موجد العیاذ باللہ کون ہے؟ تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ آیا تم اس وسوسے کو برا سمجھتے ہو یا اچھا انہوں نے فرمایا کہ ہم برا سمجھتے ہیں تو فرمایا نبی کریم نے کہ یہی ایمان کی نشانی اور علامت ہے۔

صحابہ کرامؓ کے وسوسے ان کے ایمان کی علامت

میرے مسلم بھائیو! صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں جب صرف ایسی ہی وسوسے پیدا ہو جاتے تھے تو غمناک اور پریشان ہو جاتے تھے اور موجودہ زمانے میں مسلم قوم اپنے گناہوں پر غمناک ہونے کے بجائے فخر اور تکبر کرتی ہے حضرت حنظلہؓ کو ایک دن راستے میں جاتے جاتے یہ خیال آیا کہ میں جب رسول کریم ﷺ کے پاس ہوتا ہوں تو مجھ میں جوش اسلامی اور مذہبی نظر آتی ہے اور جب ان کے ذات گرامی سے علیحدہ ہو جاتا ہوں تو وہ جوش مجھ میں باقی نہیں رہتا شاید کہ منافقوں میں سے ہوں اچانک اس کو اسی حالت میں ایک صحابی پیش آگیا حضرت حنظلہؓ نے تمام قصہ اس کے سامنے بیان فرمایا اس نے کہا کہ یہی حالت تو میری بھی ہے یہ دونوں صحابی رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمام واقعہ بیان فرمایا رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ صحیح ایمان ہے جیسا کہ سمندر میں ہوا اور آندھی آجائے تو سمندر میں جوش اور طوفان آجاتا ہے اور اگر ہوا نہ ہو تو سیدھا اور ہموار بہتا ہے لیکن پانی دونوں ہاتھوں میں ایک اندازے پر ہوتا ہے تو اسی طرح ایمان بھی وہی ہوتا ہے لیکن جوش اور بے جوشی میں فرق آتا ہے پس ہمیں چاہیے کہ ہم تبلیغ کریں اور اپنے آپ کو وسوسوں سے بچانے کی کوشش کریں کیونکہ امر بالمعروف دو قسم کا ہے ایک ظاہری جیسا کہ نماز روزے کا اعلان کرنا اور ایک باطنی تبلیغ ہے جیسا کہ اپنے دلوں کو برے وسوسوں سے بچائیں اور انکو برا سمجھیں۔

تقویٰ کی دو اقسام ظاہری اور باطنی

بزرگو! تقویٰ دو قسم پر حاوی ہے ایک ظاہری اور دوسری باطنی تقویٰ ظاہری تو نماز روزہ حج وغیرہ اور اچھے افعال کرنا اور اوامر کو بجا لانا اور نواہی سے روکنا اور تقویٰ باطنی یہ ہے کہ ایک چیز فی نفسہ حلال ہو لیکن اس میں تخلیل فاسد آجائے تو اس کا کرنا بھی

خلاف تقویٰ ہے بلکہ گناہ ہے جیسا کہ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ ایک سرخ شربت گلاس میں پڑا ہو اور پینے والا یہ خیال کرے کہ میں شراب پیتا ہوں تو یہ پینا اسوقت اس خیال کے ماتحت ناجائز اور خلاف تقوی ہے ایک شخص اپنی بیوی کیساتھ جماع کرے لیکن وہ اس جماع کی حالت میں دوسری عورت (غیر منکوحہ) کا تصور کرے تو اس وقت یہ جماع ناجائز بلکہ زنا درج ہوتی ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ قلب بھی صاف اور قالب بھی مسلمان کو پیدا کرنے سے غرض اور مقصد صالح اور مصلح بنا ہے کہ خود بھی صالح ہو اور غیروں کو بھی صالح بنائے کامل بھی ہو مکمل بھی ہو اپنی اصلاح تو نماز وغیرہ سے آتی ہے اور غیروں کی اصلاح تبلیغ سے ہوتی ہے۔

تبلیغ انبیاء کرام کے نہج اور طریقے پر

محترم بزرگو! تبلیغ کرنے کا بھی ایک رنگ اور طریقہ ہوتا ہے جیسا کہ انبیاء کرام وہ جو طریقہ اختیار کرتے تھے وہ طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو نرمی اور دلچسپی کے ساتھ لوگوں کی گالیوں اور برے کہنے سے جواب دینے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کو اپنی اخلاق ڈھال سے تابع اور فرمانبردار کرے وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا جیسا کہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دن شاہ عبدالقادر دہلویؒ وضو کرتے تھے تو اس کے سامنے ایک نوجوان اور اوپر پٹھان بھی تھا وضو کرتا تھا تو اس جوان کے پاؤں خشک رہ گئے تو عبدالقادرؒ نے دل میں سوچا کہ اگر میں اس پٹھان سے ایسا کہوں کہ اے پٹھان! تیرے پاؤں خشک رہ گئے ہیں تو اس حدیث کا مصداق بن گیا ہو ویل للأعقاب یعنی افسوس اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایڑیوں کو خشک رکھتے ہیں تو یہ پٹھان مجھے تکلیف پہنچا دے گا تو چاہیے کہ میں اسکے ساتھ حکمت عملی اور تربیت خلقی سے کام کروں تو شاہ عبدالقادر نے اس نوجوان کو ایسا کہا کہ اے نوجوان! میں بڈھا اور بوڑھا ہوں میری نظر

کمزور ہے مہربانی فرما میرے پاؤں کو دیکھ کہیں خشک تو نہیں رہے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ویل للأعقاب جب جوان نے یہ وعید سنا تو جلدی کیساتھ اپنے پاؤں دیکھے تو وہ خشک تھے تو کہا رحمة الله عليك يا شيخ لقد اعينت لي الخطاء بالموعظة الحسنة اے شیخ! خدا تجھ پر رحمت کی بارش برسائے تو مجھ کو اچھی وعظ و نصیحت سے غلطی بتائی تو محترم بزرگو! شاہ عبدالقادر نے اس جگہ میں کس متانت اور اطمینان اور سنجیدگی سے کام لیا پس ہمیں انکی طرح تبلیغ اور وعظ کرنی چاہیے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور طریقہ وعظ و تبلیغ

اسی طرح مجھے ایک دوسرا قصہ یاد آ گیا کہ حاجی امداد اللہ صاحب معاون دارالعلوم دیوبند کے متعلق مشہور ہے کہ ان کا ایک مرید جو کہ پٹھان تھا جلال آباد میں رہتا تھا کہ وہ بالکل نماز سے باغی تھی تو لوگوں نے حضرت امداد اللہ صاحب سے شکایت کی یہ مرید (جلال آبادی) بالکل نماز کے راستے پر نہیں چلتا تو حضرت امداد اللہؒ نے اپنے مرید کو بلایا اور موعظہ حسنہ کے طور پر ان کو تربیت دینے لگے تو انہوں نے اس مرید کو فرمایا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا تو اس نے عرض کیا کہ میں اگر نماز پڑھوں تو وضو کرنا پڑیگا کیونکہ بغیر وضو کے تو نماز ہو نہیں سکتا اور پہلے زمانے میں یہ رواج اور دستور تھا کہ لوگ اپنی داڑھیوں میں موتی اور یاقوت زمرد رکھتے تھے اور اس پٹھان کی داڑھی ہی نہ تھی بلکہ امرد اور کوسج تھا تو اس نے مصنوعی داڑھی بنائی تھی تا کہ لوگوں کے ساتھ برابر ہو کیونکہ پہلے زمانے میں لوگ داڑھی رکھنے میں برابری کرتے تھے جیسا کہ آجکل لوگ داڑھیاں منڈوانے میں برابری اور مساوات اختیار کرتے ہیں تو اس جوان نے جواب میں عرض کیا کہ اگر میں وضو کروں تو میرا سارا حسن ضائع ہوتا ہے تو حاجی امداد اللہؒ نے فرمایا کہ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ نماز پڑھو تو پھر مرید نے کہا کہ بے وضو نماز پڑھوں تو پھر شیخ

نے فرمایا میں تو تمہیں نماز کا کہتا ہوں تو اس مرید نے دس دن تک بے وضو نماز پڑھی دس دن کے بعد ایک خیال پیدا ہو گیا کہ میں اتنی مشقت اور تکلیف کرتا ہوں اور اس پر کچھ فائدہ مرتب نہیں ہوتا بلکہ باعث عذاب ہے کیونکہ لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور ''نماز قبول نہیں کی جاتی جب تک کہ وضو نہ ہو'' تو مرید نے دل میں سوچا کہ کیا کروں اگر نماز نہ پڑھوں تو وعدہ خلافی آتی ہے اور مرید پٹھان بھی تھا پٹھانوں کی تو ایک بات ہوتی ہے تو دل میں قصد کیا کہ ایک وضو پر پانچ نمازیں پڑھوں گا مرید نے ایسا معاملہ شروع کیا تو اس سے یہ بیمار ہوا کیونکہ ایک دن میں ایک وضوء پیشاب وغیرہ نہ کرنا باعث مرض ہے پھر دن میں وضو کرتا تھا اس سے بھی بیماری زائل نہ ہوئی پھر ایک نماز کے لئے وضو کرتا رہا جو کہ اس دن کے بعد حسن و سنگار کو چھوڑ کر سیدھا مسلمان بن گیا یہ صرف خداوند کریم کا فضل اور حاجی امداد اللہ کے کام کے موعظہ حسنہ کا ثمرہ اور نتیجہ تھا۔

طریقہ تبلیغ اور طریقہ تربیت

محترم بزرگو! ایک ہے تعلیم اور ایک ہے طریقہ تربیت یہ دونوں جدا جدا ہیں مبلغ اور واعظ کو چاہیے کہ مخاطب کے مزاج کو دیکھ کر اسکے مطابق تبلیغ اور ہدایت کرے اس کو بلاغت اور فصاحت کہتے ہیں حدیث میں آیا کہ ایک اعرابی اور دیہاتی مسجد میں آ گیا اور پیشاب کرنے لگا تو صحابہ کرام سب غصہ ہوئے قریب تھا کہ اس اعرابی کو مسجد سے نکال لیتے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑو پیشاب سے فارغ ہو جائے کیونکہ اگر تم اسکو اٹھاؤ گے تو بیمار ہو جاویگا اور مسجد بھی زیادہ پلید ہو جائے گی جب اعرابی پیشاب سے فارغ ہو گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہاں آؤ اور فرمایا کہ مسجدیں خرابی اور پیشاب کیلئے نہیں بنائی گئیں تو اعرابی نے عرض کیا کہ یا رسول کریم ﷺ! مجھے یہ سر و چشمہ قبول اور منظور ہے کہ میں کبھی بھی مسجد اور پاک جگہ میں نہ پیشاب کروں گا اور کہا واللہ ماضربنی

ولا قھرنی ولا شتمنی مارأیت احسن من ذلك دیکھو بزرگو! کہ رسول کریم ﷺ نے کس طریقہ سے سمجھایا واقعی کہ بیان مسائل اور چیز ہے اور اصلاح قلب اور چیز ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور طریقہ تبلیغ

مشہور واقعہ ہے کہ مولانا نانوتویؒ کا ایک تھانہ دار مظفر گڑھ میں معتقد اور مرید ہوا تھانہ دار نے ایک دن مولانا قاسم نانوتویؒ کی دعوت کی اور کہا کہ آپ دعوت کیلئے میرے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرماؤ گے مولانا محمد قاسم نے یہ خیال کیا کہ یہ تو تھانہ دار ہے اور اس محکمہ کی روزی اور کمائی مشتبہ ہوتی ہے کیونکہ اس محکمے کے لوگ اکثر رشوت لیا کرتے ہیں اگرچہ یہ محکمہ بہت اچھا محکمہ ہے کیونکہ اس میں رعایا اور پبلک کی خدمت کی جاتی ہے لیکن اگر ان میں یہ رشوت کا سلسلہ نہ ہوتا تو سب سے بڑھ کر یہ محکمہ بہت اچھا ہوتا تو مولانا موصوف نے ان کا دعوت منظور نہ کیا تھانہ دار نے کہا کیوں آپ دعوت قبول نہیں کرتے انہوں نے کہا میں معذور ہوں تھانہ دار نے کہا اگر بیماری وغیرہ کی شکایت ہے تو میں علاج کرا دوں گا انہوں نے کہا نہیں اور کوئی عذر ہے تھانہ دار نے کہا اگر جانیکی تکلیف ہو تو تانگہ یا موٹر وغیرہ کا انتظام کر لوں گا انہوں نے کہا اور کوئی عذر ہے تھانہ دار نے کہا اگر جانے کی تکلیف ہو تو تانگہ یا موٹر وغیرہ کا انتظام کر لوں گا انہوں نے کہا اور کوئی عذر ہے تھانیدار نے کہا یہاں طعام کو بھیج دوں انہوں نے کہا اور کوئی عذر ہے تھانہ دار نے کہا میں خود حاضر خدمت کروں گا انہوں نے کہا اور کوئی عذر تھانہ دار تو پولیس محکمے کا تھا اور اس محکمے والوں کو بہت جلد غصہ طاری ہوتا ہے تو کہا کہ تو بالکل نیک اور بزرگ شخص نہیں کیونکہ نبی کریم نے فرمایا ہے کہ دعوت کو قبول کرو اور تو قبول نہیں کرتا مولانا قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ جو عیوب تو نے بیان کئے ہیں میں اس سے زیادہ عیوب کا مرتکب اور مستحق ہوں جب تھانہ دار نے یہ حالت دیکھی کہ باوجود اسکے کہ میں نے انہیں

کا عزت بگاڑ دیا اور یہ کہتے ہیں کہ میرے عیوب اور بھی بہت سے زیادہ ہیں تب تھانہ دار ہوش میں آیا اور ٹھنڈے دل سے سوچا کہ یہ میری دعوت اسلئے قبول نہیں کرتا کہ ہماری کمائی میں شبہ ہے تو تھانہ دار نے اس دن سے تھانہ داری چھوڑ دی اور کچھ دنوں کے بعد پھر دعوت کی اور کہا کہ مولانا صاحب! اب میری اپنی جائیداد ہے اور اسکی حلال کمائی سے آپکی دعوت کرتا ہوں تو مولانا منظور فرمایا اور ان کو فرمایا کہ تم ملازمت بھی کرو لیکن دیانتداری سے کام لو کیونکہ تھانیداری کرنا دیانتداری کے ساتھ تمام بھلائیوں سے بڑھ کر بہتر ہے کیونکہ محتسب کے درجہ میں تھانیدار ہوتا ہے اسلئے امر بالمعروف کیلئے حکمت عملی اور نرمی کا ہونا ضروری ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ "اے نبی کریم ﷺ! بلاوے لوگوں کو خدا کی راستے کی طرف حکمت اور موعظت اور نصیحت جو کہ اچھی طریقے سے ہوں"

مخاطبین کی تین قسمیں

مطلب اور نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے مطابق وعظ اور تبلیغ کرنی چاہیے کیونکہ لوگ تین قسم کے ہیں ایک وہ طبقہ ہے جو کہ عقل پرست ہیں خلاف عقل کوئی چیز بھی قبول نہیں کرتے تو ان کے ساتھ عقلی دلائل کیساتھ پیش آنا چاہیے اور دوسرا طبقہ وہ ہے کہ بالکل سادہ اور صاف ہوتے ہیں نصیحت کیساتھ ایمان لاتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور تیسرا طبقہ کٹ حجتوں کا ہے ان کے نزدیک کوئی دلیل بھی خواہ عقلی ہو یا نقلی نہیں مانتے اور کج رفتاری کا راستہ اختیار کیا ہوتا ہے ہر ایک طبقہ کے مطابق تبلیغ کرنی چاہیے دیہاتی اور اعرابی کے ساتھ فلسفیانہ اور منطقیانہ بحث نہیں کرنی چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ کا ایک انوکھا واقعہ اور طریقہ تبلیغ

ایک دن رسول کریم ﷺ لوگوں کو تبلیغ دے رہے تھے اسی وقت ایک پہلوان جو

کہ ایک سو نو جوانوں کی طاقت رکھتا تھا اور جب اونٹ سے کھال نکال لیتے تھے اور یہ اس کھال پر بیٹھ جاتا اور سو جوان اس کھال کو کھینچتے تھے تو کھال ذرے ذرے ہو جاتی لیکن یہ پہلوان نہ ہلتا تھا اسکو بھی دعوت اسلام پیش کیا تو اس نے کہا کہ میں تب ایمان لاؤں گا کہ مجھ کو جو کشتی میں شکست دے دے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہت اچھا کشتی کے لئے تیار ہوئے بسم اللہ پڑھکر کشتی شروع کر لی تو رسول کریم ﷺ نے اسکو گرادیا اس نے کہا میری عقل یہ نہیں مانتی کہ میں تجھ جیسے ضعیف سے گر جاؤں کیونکہ مجھ کو سو جوان نہیں گرا سکتے پھر دوبارہ میرے ساتھ کشتی کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہت اچھا پھر رسول کریم ﷺ نے اسکو اونچا کر کے گرادیا اس طریقہ سے تین دفعہ کشتی ہوگئی تو پھر پہلوان نے کہا کہ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں کیونکہ تو نے مجھ کو قوت معنوی کے ساتھ گرا دیا تو دیکھو! رسول کریم ﷺ لوگوں کے مطابق تبلیغ کیا کرتے تھے اسی حالت میں یہ کشتی تبلیغ کے معنی میں تھی ہمیں بھی عادات محمدیہ ﷺ کی اتباع کرنی ضروری ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "تمہارے لئے رسول کریم کی ذات باصفات میں اچھا نمونہ ہے"

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت

محترم بزرگو! میں نے جو آپ صاحبان کی خدمت میں جو آیت کریمہ تلاوت کی تھی اس میں لقمان حکیم اپنے بیٹے کو نصیحت کے طور پر فرماتے ہیں یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ اے میرے پیارے بیٹے! نماز کو معہ مستحبات اور سنن کے قائم کر، قعدہ بھی ٹھیک، سجدہ بھی ٹھیک، قیام بھی ٹھیک، رکوع بھی ٹھیک ایسا نہ ہو کہ نماز سے ورزش بنالیں حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے نماز پڑھی جلدی کیساتھ جس میں رکوع اور سجدہ کا خیال ہی نہ تھا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر نماز پڑھ تیری نماز ادا نہیں ہوئی اس طرح اس نے تین دفعہ نماز پڑھ لی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز پھر پڑھ تیری نماز ادا نہیں ہوئی تو لقمان حکیم بھی

اپنے بیٹے کو تعلیم دے رہے ہیں کہ اے میرے پیارے بیٹے ! نماز عبد اور معبود کے درمیان میں ایک نسبت ہے تو عبد کو چاہیے کہ اسمیں تمام خیالات اور توجہات اللہ کی طرف سے صرف کریں ایسا نہ ہو کہ کھڑا نماز میں ہو اور خیال بیویوں اور بازاروں کے اندر ہو جیسا کہ ہم موجودہ وقت میں نماز پڑھتے ہیں ۔

نماز کو رسمی عبادت سمجھنا

میرے محترم بھائیو! عام طور پر نماز کو آج ایک رسمی عبادت سمجھا جاتا ہے اور فی الحقیقت ہم لوگ جسطرح نماز پڑھتے ہیں اسکی حیثیت ایک اصطلاحی عبادت اور پوجا پاٹ ہی کی سی رہ گئی ہے حالانکہ یہ نماز عبادت الٰہی کا وہ زندہ اور قوی التاثیر طریقہ ہے کہ ایک طرف تو انسان کو وہ قرب الٰہی کے انتہائی مقام تک پہنچادیتا ہے اور دوسری طرف اسکا اقامت خلافت الٰہیہ کے مقصد کے لئے تیار کرتا ہے اور پھر اس کا بار سنبھالنے اور اس نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے قابل بنادیتا ہے ۔

مسلمان بھائیو ! ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کریں جیسا کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ انسان میں جزو مقصودی قلب ہے قلب حق کو قبول کرتا اور باطل کو رد کرتا ہے قلب ملمع سازی کی بات سے مطمئن نہ ہوگا اور تمام اعضاء دل کے ساتھ حق اور باطل کا تعلق نہیں ۔

اقامت الصلوٰۃ اور اداء الصلوٰۃ میں فرق

لقمان اپنے بیٹے کو فرماتے ہیں اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ایسا نہیں فرمایا کہ اداء الصَّلٰوۃَ یا اقراء الصَّلٰوۃَ یا صل الصَّلٰوۃَ یا فعل الصَّلٰوۃَ کیونکہ مراد قیام ہے کہ اپنی نماز کو مع مستحبات اور سنن اور واجبات و فرائض کے قائم کر اور خالق لایزال کے سامنے تذلل اور عاجزی کے ساتھ قائم ہو اور نماز میں صفوں کو قائم اور رسیدھا کرو کہیں ٹیڑھا پن نہ پایا

جائے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے سوّوا صفوفکم اے بیٹے ! تجھ میں دوقسم کے نمونے ہیں ایک نمونہ مخلوقیت کا ہے اسکی وجہ سے عبادت کرو اور دوسرا قسم خالقیت کا ہے اسکی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تجھ پر لازم ہے اگر تجھ کو اس تبلیغ کے سلسلے میں کچھ تکلیف اور ضرر اعداء دین کی طرف سے پہنچ جائے تو اس پر صبر فرما وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ کیونکہ یہ صبر تمام اموروں سے پکا اور پختہ امر ہے ۔

خلاصہ یہ نکلا کہ انسان پر دو باتیں ضرور لازم ہیں ایک صلاح اور دوسری اصلاح دوسرے معنوں میں یوں کہا جائے کہ ایک عبادت اور دوسرا خلافت ہے یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس آیت میں نماز اور امر بالمعروف کے درمیان میں کیا مناسبت اور تعلق ہے جواب یہ ہے کہ انسان جب دوقسموں کا جامع بنا تو ایک نوع کا تقاضہ عبادت ہے اور دوسری نوع کا تقاضہ امر بالمعروف ہے ۔

میرے محترم بزرگو! اس آیت میں اگرچہ بہت سے نکات اور فوائد ہیں لیکن میں اس تھوڑے وقت میں بیان نہیں کرسکتا صرف یہ کہتا ہوں کہ انسان صالح بھی ہے اور مصلح بھی بنے خداوند کریم ہم کو کامل بھی بنائے اور مکمل بھی بنائے ۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وما علینا الا البلاغ

مسلک دیو بند کا تحفظ اور علماء دیو بند کی اجتماعی ذمہ داریاں

دارالعلوم دیو بند کی عظمت جامعیت اور ھمہ گیری

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں فضلاء دیو بند کے ایک بڑے اجتماع میں کی گئی تقریر

ہر قسم کی مشرکانہ آمیزشوں اور تمام رسومات و بدعات کی آلائشوں سے یکسر پاک صاف معتدلانہ نظام عقیدہ وعمل جو عقل سلیم کے مطابق ہو اور قرآن وسنت سے سر مو متجاوز نہ ہو کا نام مسلک ومشرب دیو بند ہے اور اس کے وابستگان درحقیقت ارشاد نبوی ما أنا علیه وأصحابی کی بناء پر اہل سنت والجماعت کا مصداق کامل ، اس مسلک ومشرب کو اپنانے والا ہر عقلمند اور فہم سلیم کا حامل مسلمان بقول علامہ اقبالؒ دیو بندی ہے اس مسلک ومشرب کی حفاظت وفروغ اور دشمنان دین کی ریشہ دوانیوں اہل ھوی والحاد کی دست درازیوں اور اہل بدعت کی ہوس رانیوں سے اس کا تحفظ علماء دیو بند کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور اجتماعیت کیلئے اولین ضرورت تنظیم کی ہوتی ہے ایسی ہی ضرورت پر دارالعلوم دیو بند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم نے چند سال قبل ۲۴ رجون ۱۹۶۲ء کی صبح دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر دارالعلوم دیو بند کے ابناء قدیم فضلاء دیو بند کے ایک خاص اجتماع سے حسب ذیل خطاب فرمایا تھا ، جسے اس وقت ضبط کرلیا گیا، اس وقت حالات ہمیں مسلک ومشرب کی حفاظت و فروغ کیلئے جدوجہد اور اہل بدعت کی دجل وتلبیس کو طشت ازبام کرنے کی دعوت دے رہے ہیں پیش نظر تقریر میں حضرت نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیو بند کے ظاہری ومعنوی جانشین مسلک دیو بند سے وابستہ تمام حضرات سے مخاطب ہیں جسے ہم شامل خطبات کررہے ہیں (سمیع الحق)

خطبہ مسنونہ کے بعد!

بزرگانِ محترم! دارالعلوم دیو بند جس کا نام آپ کل سے بار بار سن رہے ہیں ، اور یہ تمام اکابر جو اس وقت یہاں دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ اجلاس میں آپ حضرات کے سامنے جمع ہیں اسی دارالعلوم دیو بند کے اجزا واعضاء ہیں دارالعلوم کے ارکان ہیں ان ہی حضرات کے اجتماع کا نام دارالعلوم دیو بند ہے خواہ دارالعلوم کے اندر ہوں یا باہر ہوں۔

بقائے دین کیلئے دارالعلوم دیو بند کا الہامی قیام

دارالعلوم دیو بند کا قیام رسمی طور سے عمل میں نہیں آیا کہ چند آدمی شہر کے ذمہ دار حضرات جمع ہوئے اور ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا یہ صورت نہ تھی بلکہ صورت یہ تھی کہ انگریزوں کا تسلط واقتدار ہندوستان میں آیا، دین کی کس مپرسی کا حال سب کے سامنے ہوا خدشہ یہ ہوا کہ اسلام شاید اب باقی رہے یا نہ رہے تو اس وقت جتنے اولیاء اور اکابر تھے، یکدم ان کے قلوب میں وارد ہوا کہ ایسا کوئی ادارہ ہونا چاہئے کہ اس کے ذریعہ سے دین اور علم دین باقی رہے دین کی حفاظت کی جاسکے اگر یہ باقی رہے تو تمام چیزیں اسلام اور مسلمانوں کی باقی رہ سکتی ہیں اور اگر دین وعلم دین باقی نہ رہے تو خدانخواستہ مسلمان مسلمان نہ رہ سکیں گے۔

اہل اللہ کو کشف والہام

دین کا بقاء علم دین کی بقاء سے ہو سکتا ہے اور اگر یہ باقی نہ رہے اور مسلمانوں کی قوت وشوکت اگر باقی بھی ہو تو قابل اعتناء نہیں تو وقت کے تمام اہل اللہ کے قلوب میں وارد ہوا کہ ایسا ادارہ ضروری ہے ایک مجلس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ اکابر جمع ہوئے تھے دین کے بارہ میں فکر دامنگیر تھی ،تو کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے ، کہ مدرسہ قائم ہونا چاہیے غرض تمام اولیاء اللہ کا

اجماع منعقد ہوا، تو ایک رسمی صورت نہ تھی بلکہ غیبی اور باطنی صورت تھی، الہامی اور کشفی صورت تھی چنانچہ الہام خداوندی کے تحت اس مدرسے کا قیام عمل میں آیا۔

قیام دارالعلوم کیلئے حاجی امداد اللہؒ کی توجہات

حضرت مولانا یاسین صاحب دیوان جی حضرت قاسم العلومؒ کے خادم خاص اور معتمد علیہ تھے جب حج کو گئے مکہ معظمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں جانا ہوا جو پورے مشائخ کے شیخ اور مرشد طریقت تھے، تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ ہمارے مدرسہ کیلئے بھی دعا کریں حضرت حاجی صاحب نے یہ سن کر تعجب سے جواب میں فرمایا: چہ خوب پیشانیاں تو برسوں ہم نے رگڑیں، راتوں بھر سجدے کئے، دعائیں ہم نے مانگیں اب جب مدرسہ قائم ہوا، تو مدرسہ آپ کا ہو گیا اور پھر فرمایا کہ ہمارا خیال مدرسے کا تھانہ بھون یا نانوتہ میں قائم ہونے کا تھا ہمیں کیا خبر تھی کہ دیو بند والے یہ غنیمت لے اڑیں گے تو مدرسہ دیو بند کا قیام ہنگامی حالات اور مشورہ سے نہیں ہوا بلکہ اکابر کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں سجدے کئے جا رہے تھے راتوں کو دعائیں مانگی جا رہی تھی حق تعالیٰ نے قبول فرمایا معلوم ہوا کہ الہام غیبی سے مدرسہ قائم ہوا۔

دارالعلوم کی پہلی اینٹ رکھنے والوں کی روحانیت

اس ادارہ کی عمارت کی سب سے پہلی اینٹ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دارالعلوم کے جلیل القدر استاذ کے نانا میاں جی منے شاہ نے رکھی ان کا نام محمد حسینؒ تھا میاں جی صاحب مرحوم کے بارے میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے فرمایا کہ میں آج پہلی اینٹ ایک ایسے شخص سے رکھواؤں گا کہ جسے کبھی بھی عمر بھر صغیرہ کے درجہ میں بھی گناہ کا تصور نہیں ہوا استغراق اور ربودگی کی یہ کیفیت طاری تھی کہ اپنی اولاد تک کو نہ پہچانتے ان کے داماد تھے اللہ بندہ نام تھا جب ان کی خدمت میں آتے تو پوچھتے، نام بتاؤ تو وہ جواب

دیتے اللہ بندہ پھر پوچھتے کون؟ تو جواب دیتے، آپ کا داماد ہوں دس منٹ بعد پھر وہی استغراق یہ کیفیت استغراق کی جاری رہتی نہایت ہی پاک طینت بزرگ تھے جب انتقال ہوا اور غسل کے لئے تختے پرلٹائے گئے تو چشم دید واقعہ مولانا محمد یسین صاحب نے سنایا، جو میرے فارسی کے استاد تھے اور آپ کے پاکستان کے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے والد ماجد تھے انہوں نے خود سنایا کہ تختے پرلٹاتے ہی میاں صاحب ایک دم کھل کھلا کر ہنسنے لگے شور مچ گیا لوگ دوڑ پڑے جب مجمع زیادہ ہوا تو ہنسنا بند ہوا تو اس قماش کے لوگ تھے جنہوں نے دارالعلوم کی پہلی اینٹ رکھی پھر حضرت گنگوہیؒ حضرت نانوتویؒ، حضرت قاضی محمد اسماعیل صاحب منگلوریؒ اور دوسرے اکابرؒ نے بعد میں اینٹ رکھی ظاہر ہے کہ اینٹ رکھنے والے ایسے اولیاء اللہ اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ایسے لوگ ہوں تو اس مدرسہ کی بنیادیں کتنی مضبوط ہونگی آج بحمد اللہ اس پر سو برس کے قریب زمانہ گزر گیا ہے ہزاروں مصائب آ آ کر ختم ہوئے یہ ایک رسمی ترقی کرتا گیا فلاں شخص وہاں کا مہتمم ہے عہدیدار ہے، یا مدرس ہے اور اسے ترقی دیتا ہے یہ غلط ہے اور محض ایک تہمت ہے ترقی دینے والے غیبی طاقت ہے سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کرتا ہے

دارالعلوم دیو بند کی شانِ مرکزیت

میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانیؒ سے سنا فرماتے تھے کہ دارالعلوم آدمیوں کو بناتا ہے آدمیوں نے دارالعلوم کو نہیں بنایا۔ یہ ایک کسوٹی ہے پرکھ ہے یہاں دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء ہیں اور مدارس قائم کئے ہوئے ہیں میں برما گیا، تو دارالعلوم کے فیض یافتہ موجود، افغانستان گیا تو سینکڑوں علماء موجود اور قصبہ قصبہ آباد ہے مدارس قائم کر چکے ہیں یہاں کثرت سے فضلاء سرگرمی سے اپنے کام میں لگے ہیں ان سب کا رجوع دارالعلوم کی طرف ہے یہ اس ماحول کے آثار ہیں وہاں کی غیبی طاقت

ہے کہ سب کا تعلق اور رجوع اس مرکز کیطرف ہے وہاں کے فضلاء کہتے ہیں کہ جب ہم
دارالعلوم سے جدا ہوئے تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے ماں کی گود سے جدا ہونے کی حالت
ہے گویا ایک جاذبیت ہے روحانیت ہے اور دارالعلوم مرکز روحانیت بن گیا ہے۔

دارالعلوم دیو بند کی شانِ مجددیت

ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد آئے گا، جو دین کو نکھارے گا، عقائد اعمال
اور کلیات دین میں لوگ جو فرق اور خرابی ڈالیں گے مجدد ہر صدی میں آکر دودھ کا دودھ
اور پانی کا پانی الگ الگ کر دے گا تو فرمایا کہ مجدد کے لئے فرد واحد ہونا شرط نہیں
جماعت بھی مجدد بن سکتی ہے اور فرمایا کہ دارالعلوم کے بانی حضرات حضرت نانوتویؒ،
حضرت گنگوہیؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ ان سب کی حیثیت مجدد کی سی ہے اور ان
حضرات کا مظہر اتم دارالعلوم ہے گویا دارالعلوم کی حیثیت مجدد کی سی ہے جس نے بدعت و
سنت کو الگ الگ کیا دین کو خلط ملط، غل وغش سے پاک صاف کر دیا مسائل میں جو خلط
لوگوں نے کیا تھا اسے نکھار نکھار پاک صاف رکھ دیا یہ ایک کیفیت ہے، دارالعلوم کی
مادی چیزوں میں تغیر اور انتشار ہوتا ہے روحانیت میں قدرتی طور پر اجتماع ہوتا ہے اور
دارالعلوم کی بنیاد روحانیت پر ہے مادہ کا خاصہ ہی تغیر ہوتا ہے اور روحانیت میں ایسا نہیں
ہوتا ایک شیخ کے مرید ایک استاد کے شاگرد قدرتی طور پر مجتمع رہتے ہیں آپس میں جڑے
رہتے ہیں اسی طرح دارالعلوم کے فضلاء کے قلوب ایک مرکز سے وابستہ ہیں اور حقیقی طور
سے وابستہ ہیں۔

بانی دارالعلوم کے زمانہ میں باہمی اتحاد و اتفاق

جو اتحاد کا مرکز ہے تو قدرتی طور پر ان کا آپس میں اتحاد قائم ہے میں نے
حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب سے سنا کہ حضرت نانوتویؒ جب تک حیات تھے

ان کی سرپرستی دارالعلوم کو حاصل تھی تو کیفیت یہ تھی اور ہماری حالت یہ تھی کہ لوگ
اختلاف کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے ہمارے دلوں میں افتراق کا خیال بھی نہیں آتا تھا
اور جب ان کی وفات ہوئی اور حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی آئی تو اگر کچھ اختلافات اٹھتے
بھی مگر حضرت گنگوہی کی روحانیت کی وجہ سے ختم ہو جاتے ان کی روحانی طاقت انہیں دبا
دیتی اور قوت مجتمع رہتی پھر خلفاء کے زمانے میں مراکز الگ الگ ہوئے مرکز خلفاء بن
گئے مگر قوت مجتمع تھی مریدین آپس میں مجتمع تھے اس وقت سوال پیدا ہوا کہ مراکز کے
اختلافات کی وجہ سے رسمی طور سے تنظیم ہونی چاہئے تا کہ رسمی طور بھی ایک اتفاق پیدا ہو
جائے ایک نظام اور تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مرکز پر سب متحد رہیں ورنہ مشائخ
کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے صورت اختلاف تشتت و ظاہری پراگندگی کی نمایاں ہو
جاتی ہے گو وہ درحقیقت مذموم نہ ہو۔

تنظیم فضلاء کی ضرورت

اس وقت بزرگوں کے دلوں میں وارد ہوا کہ تنظیم ابنائے دارالعلوم دیو بند ہونی
چاہئے یہ تنظیم ابنائے قدیم آج کی بات نہیں ہاں زیادہ قوت اس تنظیم میں ابھی چند سال
ہوئے کہ پیدا ہوئی ورنہ مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ نے میرے والد ماجد مولانا حافظ
محمد احمد صاحب مرحوم کے زمانہ میں جب کہ دارالعلوم ان کے ہاتھ میں تھا اسکی ضرورت
محسوس کی زیادہ قوت سے اس کی ضرورت اب محسوس کی گئی یہ تنظیم کوئی سیاسی تنظیم نہ ہو نہ
سیاسی مقاصد اس کے ساتھ متعلق ہوں بلکہ اس تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ فضلاء دینی
علمی قابلیتوں سے عظیم کام انجام دے رہے ہیں ان کو منظّم کیا جائے تا کہ زیادہ مؤثر
ثابت ہو سکیں آج ہزاروں کی تعداد میں دارالعلوم کے فضلاء ہیں فیض یافتہ ہیں جو دین کو
سنبھالے ہوئے ہیں اس کے فضلاء پھیلے ہوئے ہیں۔

خدمات دارالعلوم کی ہمہ گیری اور وسعت

جہاں تک مدارس کا تعلق ہے کوئی قصبہ ایسا نہیں ، جو ان سے خالی ہو اس سو برس میں جتنی خدمت اس ادارے نے کی ، کوئی نظیر اسکی نہیں جہاں تک تصانیف کا تعلق ہے ، ہزار ہا ہزار تصانیف اس جماعت کے مختلف مسائل پر موجود ہیں ایک حضرت تھانویؒ کو دیکھا جائے تو ایک ہزار تصانیف اپنے ترکے میں چھوڑ گئے ہر زبان میں تصانیف ، ہر علم میں ، ہر فن میں تصانیف موجود ہیں نظم میں موجود ہیں ، نثر میں موجود ہیں اس کے علاوہ ایک ہزار کے قریب مواعظ الگ چھوڑ گئے کچھ چھپ گئے ہیں کچھ باقی ہیں گویا ایک فرد نے ایک ایک امت کے برابر کام کیا ہے حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مرید و متوسل ہزاروں کی تعداد میں ہیں ۔ اسی طرح حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے ہزار ہا ہزاروں شاگرد ، مریدین اور متوسلین ملک کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے ہیں ، حضرت تھانویؒ کے مریدین ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں الگ پھیلے ہوئے ہیں سب اپنے اپنے رنگ میں دین کا کام کر رہے ہیں حدیث ، فقہ ، فتویٰ ، تفسیر ، عمل جہاد ہر میدان میں اس جماعت کے لوگ نمایاں آئیں گے غرض یہ کہ ہزاروں لاکھوں افراد کے ایمان کو سنبھالے ہوئے ہیں ، کام سب سے بڑھ کر خدمت کے میدان میں تمام جماعتوں سے آگے اور زیادہ ہر دیہات میں کوئی نہ کوئی فاضل موجود ہے شہرت نہیں اخباروں اور رسالوں میں نام نہیں مگر ہزاروں کے ایمان کو سنبھالے اور خود بھی سنبھلے ہوئے ہیں آج آپ کے اکوڑہ خٹک میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب سلمہ اللہ تبارک تعالیٰ ایک ہی شخصیت نے دارالعلوم قائم کیا یہ ہزاروں لوگ علماء مشائخ جو اس وقت یہاں دارالعلوم حقانیہ میں نظر آ رہے ہیں یہ ان کی نہیں بلکہ دارالعلوم دیو بند کی خدمت ہے ایک شخص کے ساتھ ہزاروں لوگوں کا دین وابستہ ہے مگر رسمی طور پر اگر کسی نے کہا کہ

دارالعلوم دیو بند نے کیا خدمات انجام دیئے ہیں اس کے فارغین کیا کیا کام کر رہے ہیں تو چونکہ انتشار ہے منظم نہیں ہیں تو صحیح خدمات آپ نہیں بتلا سکتے اگر چہ خدمتیں بیشمار ہیں آپ اجمالاً بیس ہزار کی تعداد کہہ سکیں گے مگر یہ معلوم نہ ہوگا کہ ان بیس ہزار علماء و فضلاء نے کیا کام کر دکھایا مورّخ بھی اجمالاً ذکر کر دے گا مگر تفصیلی طور سے اسے کچھ معلوم نہ ہوگا دنیا کو اجمالاً بھی پتہ نہ چل سکے گا۔

خدمات اور کارناموں کی ضبط و تنظیم

لہٰذا اسی مقصد کے لئے شعبہ تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم کا بنیاد رکھا گیا تا کہ دارالعلوم کے روحانی ذریت کے کارنامے منضبط ہو سکیں مقصد خدمات کی تنظیم ہے افراد کی تنظیم نہیں اس کے لئے ایک فارم تیار کیا گیا جس کی سرخیاں میں نے خود لکھیں کہ ہر فاضل اس کی خانہ پری کر کے بھیج دے اس کے مدت فراغت اور کہاں اقامت ہے تصنیف و تالیف کے کیا اور کون سے کام کئے جائے سکونت اور بیعت و ارشاد کے بارے میں سوالات لکھے گئے الحمد للہ کہ ڈھائی تین ہزار فارم پر ہو کر آ گئے اور یہ خدمات اور کارنامے اگر کتابی شکل میں شائع ہو گئے تو معلوم ہو جائیگا کہ ان حضرات نے دنیا کو دین و ایمان سے بھر دیا ہے اور پھر ان حضرات کے وعظ و ارشاد ، تعلیم و تبلیغ سے اور ہزاروں متکلم خطیب شیخ طریقت ، واعظ مبلغ تیار ہوئے اب اسی مقصد کے لئے یہ ارادہ کیا جا رہا ہے کہ ماہنامہ دارالعلوم کے چار صفحات اسی غرض کے لئے مخصوص کر دیئے جائیں کہ ان میں دارالعلوم کے فضلاء کا ذکر ہو سن وار ان کے حالات اور کارنامے بیان کر دیئے جائیں یہ دین اور علم دین اور علماء کی ایک عظیم الشان تاریخ ہو گی دارالعلوم اس چار دیواری کا نام نہیں اس تمام نظام ، مسلک تحریک اور خدمات کا نام ہے جو ہند و بیرون ہند میں قائم ہے مجھے یاد ہے ایک مرتبہ میں نے مولانا حبیب الرحمان صاحب سے ذکر

کیا کہ بریلی میں ایک مدرس ہیں جو دارالعلوم کے نمایاں فاضل ہیں اسے دارالعلوم میں بلالیں مولانا خاموش رہے چپ ہو گئے تین دفعہ عرض کیا گیا، پھر عرض کیا کہ آپ کیوں رکاوٹ کرتے ہیں فرمایا ان کو بلانا غلط ہے اس لئے کہ جو فاضل جہاں بیٹھا ہے وہاں دارالعلوم دیو بند قائم ہے اسی طرح گویا ہر شہر و قصبہ میں دارالعلوم قائم ہے یہ دارالعلوم دیو بند کی وسعت ہے اور آپ فاضل کو بلا کر دارالعلوم کے دائرے کو سمیٹ کر محدود کر رہے ہیں اور میں سمیٹنا نہیں چاہتا یہ ساری روحانی اولاد اسی دارالعلوم کی ذریت ہے کسی کا ایک بچہ رہ جاتا ہے کسی کے دو کسی کے تین دارالعلوم کے لاکھوں بیٹے ہیں لا تعداد اولاد ہے اور جائز اولاد ہے، اعمال ہیں، علوم ہیں، معارف ہیں جو انبیاء کا ترکہ ہوتا ہے اور اس ترکہ میں ہر ایک کو بقدر ظرف حصہ ملا ہے۔

مولانا رفیع الدینؒ کا کشفی اور الہامی خواب

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ جو دارالعلوم کے مہتمم اور امّی محض تھے، منقطع عن الخلائق صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے حضرت نانوتویؒ نے بلا کر مجبور کیا دارالعلوم کے اہتمام کے لئے، فرمایا میں تو محض امّی ہوں نہ لکھنا جانتا ہوں، نہ پڑھنا فرمایا اس کا تعلق لکھنے پڑھنے سے نہیں بلکہ قلب سے اس چیز کا تعلق ہے چنانچہ مولانا اہتمام کے لئے بیٹھ جاتے اور جو کچھ لکھواتے، لکھ دیا جاتا اور اس پر مولانا کی مہر لگا لی جاتی تھی بہر حال حضرت نانوتویؒ سے فرمایا کہ ادارہ بڑا ہے میں اس ذمہ داری کو کس طرح سنبھال سکوں گا اور اتنا تحمل کس طرح کر سکوں گا اس واقعہ سے پہلے ان کا ایک اور واقعہ سنیئے حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے اہتمام کے زمانے میں دارالعلوم میں پچاس ساٹھ طالب علم تھے احاطہ مولسری سے جو بیس پچیس طلبہ مطبخ سے کھانا لیتے تھے یہ کل کائنات تھی حضرت مولانا دارالعلوم کے احاطہ مولسری میں کھڑے تھے ایک طالب علم شوربہ کا پیالہ لایا اور غصہ سے مولانا کے سامنے ٹپک دیا،

اور کہا کہ یہ سالن ہے یا پانی ہے یہ کھانا مطبخ سے کھلاتے ہو بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال کئے کہا کہ یہ ہے آپ کا اہتمام مولانا نے تین مرتبہ سر سے پاؤں تک اس طالب علم کو دیکھا اور فرمایا یہ مدرسہ کا طالب علم نہیں، لوگوں نے کہا، مدرسہ کا طالب علم ہے، یہاں مقیم ہے مطبخ سے کھانا لیتا ہے فرمایا کچھ بھی ہو، مدرسہ کا طالب علم نہیں طلبہ چپ رہے دو تین دن کے بعد تحقیق سے معلوم ہوا کہ واقعی مدرسہ کا طالب علم نہیں تھا اس نام سے دھوکہ دیکر مدرسہ سے کھانا لینے داخل ہوا تھا طلبہ نے آپ سے پوچھا حضرت آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ مدرسہ کا طالب علم نہیں فرمایا جب مدرسہ کا اہتمام میرے سپرد ہوا، پریشانی تھی، کہ کس طرح کام سنبھالوں گا اسی عالم میں رات کو خواب دیکھا صاحب، دل اور عارف ربانی تھے اور صاحب دل کا خواب، آدھا خواب اور آدھا کشف ہوتا ہے۔

خواب میں دارالعلوم کی صورت مثالی

تو فرمایا کہ میں نے مولسری (دارالعلوم کا ایک احاطہ) کے کنویں کو دیکھا کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ اس کے من پر بیٹھ کر دودھ تقسیم فرما رہے ہیں کسی کو لوٹا بھر کر دے رہے ہیں، کسی کو دیگ میں، کسی کو بالٹی میں مل رہا ہے اور کوئی پیالہ بھر رہا ہے اور جس کے پاس برتن نہیں، تو چلو میں ہی پی کے چلا گیا اپنے اپنے ظرف کے مطابق لوگ دودھ بھر کے لئے جا رہے ہیں ہزاروں کی تعداد ہے، آنکھ کھل گئی، تو میں نے مراقبہ کیا، تعبیر کے لئے، منکشف ہوا کہ یہ کنواں صورت مثالی ہے قاسم العلم کی جو تقسیم کر رہے ہیں علم کی اور یہ لے جانے والے طلبہ ہیں، جو بقدر ظرف لیتے جا رہے ہیں اس سے زیادہ عجیب بات ہے کہ حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب شوال کا داخلہ ہوتا ہے، تو میں فوراً طلبہ کو پہچان جاتا ہوں، کہ یہ طلبہ کے اس مجمع میں موجود تھا اب جب یہ طالب العلم آیا تو میں نے اوپر سے نیچے تک اس پر نگاہ ڈالی معلوم ہوا کہ یہ اس مجمع میں نہیں تھا۔

طلبہ دارالعلوم کا انتخاب بھی خدائی ہوتا ہے

الہامی طریقہ سے اس کا علم ہوا معلوم ہوا کہ دارالعلوم کے طلبہ کا انتخاب بھی خدا کی طرف سے ہوتا ہے جہاں بھی کام کرتے ہیں غالب آتے ہیں غلبہ پر ایک واقعہ یاد آیا مولانا تھانویؒ نے ارشادفرمایا کہ ہمارے زمانہ میں چودہ طالب العلم دورہ حدیث میں تھے، دستار بندی کی تجویز ہوئی یہ دارالعلوم کا دوسرا جلسہ تھا ہمیں بھی پگڑی بندھوائی جائے گی اور ہم اہل نہیں جس سے مدرسہ کی بدنامی ہوگی غرض ان چودہ طالب علموں نے مولانا تھانویؒ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ جا کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ سے جلسہ رکوانے کی درخواست پیش کریں حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ دارالعلوم کے اول مدرس تھے حضرت تھانویؒ جب ان کی خدمت میں پہنچے،تو مولانا محمد یعقوب صاحب مطالعہ کر رہے تھے، کتابوں کا حضرت تھانویؒ نے ہیئت بھی اس وقت کی بتلا دی کہ میں جب حجرہ میں پہنچ گیا تو ڈسک پر کتاب رکھی ٹیک لگائے تھے اور بہت گہرے طریقے سے مطالعہ کر رہے تھے کتابوں کا نگاہ اٹھائی ان کا رعب اتنا تھا کہ ہر ایک برداشت نہیں کرسکتا تھا پوچھا خیر تو ہے کیسے آنا ہوا حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ میں نے درخواست پیش کی کہ دیو بند میں جلسہ دستار بندی ہو رہا ہے اگر یہ حکم ہو تو تعمیل سے انکار نہیں اور اگر کہنے کا موقع ہو،تو ہماری درخواست ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں نالائق ہیں پورا مدرسہ اور ہمارے اکابرؒ و اساتذہ بدنام ہو جائیں گے جلسہ روک دیا جائے اور ہماری نالائقیوں سے پردہ نہ ہٹایا جائے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عیوب پر پردہ ڈالا جائے یہ سنکر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو جوش رحمت آیا فرمایا یہ تمہاری نالائقی کا احساس تمہاری سعادتمندی کی علامت ہے۔

طلبۂ دارالعلوم کی کامیابی کامرانی

اور جب آدمی میں اپنی نالائقی کا احساس آجائے تو یہ اس کی کمال وفضیلت اور سعادتمندی کی دلیل ہے اور ہم جو یہ جلسہ کریں گے تو وہاں اعلان کریں گے کہ فیما بیننا وبین اللّٰہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہل ہیں، اور جس کی مرضی ہو، ان کا کسی فن میں بھی امتحان لے لیں حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم لوگ اور بھی ڈر گئے، کہ آئے تھے، جلسہ رکوانے کے لئے اور یہاں امتحان دینے کا الگ کہا گیا بہرحال ہم وہاں سے چلے گئے جاتے وقت حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب نے ایک جملہ فرمایا کہ دنیا گدھوں سے بھری پڑی ہے جہاں بھی تم جاؤ گے وہاں تم ہی تم ہو گے تمہارا ہی غلبہ ہوگا حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم نے تجربہ کیا کہ جہاں گئے ہمیں ہم نظر آئے، جہاں گئے غالب ہی غالب رہے کیونکہ حق ہی کو غلبہ ہے الحق یعلو و لا یعلی غالبیت کے لئے حق ہے اور مغلوبیت کے لئے باطل ہے

تنظیم کے فوائد

بہرحال یہ ہے فضلاء دیو بند کی تنظیم جو دراصل خدمات کی تنظیم ہے دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ کچھ خدمات مرکز کی ہیں کچھ فضلاء کی دونوں کے سامنے خدمات ہیں اس واسطے بھی تنظیم ہونی چاہئے کہ مرکز کو فضلاء کے خدمات کا پتہ لگے اور فضلاء کو مرکز کے خدمات سامنے آتے رہیں اگر فضلاء کو کسی مدد کی ضرورت و حاجت ہو تو ادھر مرکز کو پتہ لگے اور اس کے لئے سوچے اور مرکز کے ضرورتوں کا علم فضلاء کو ہو غرض جانبین سے ایک رابطہ قائم رہے گا ہندوستان میں دیکھا گیا کہ فتنے اٹھتے ہیں علمی فتنے ہر قسم فتنے اٹھتے ہیں فضلاء دیو بند نے مقامی طور پر ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور ان فتنوں کو مغلوب کیا مرکز کو پتہ نہیں کہ فضلاء نے کیا خدمات انجام دیں اور فضلاء کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ہم

بڑے بڑے کام کر رہے ہیں لیکن مرکز ہمارا خبر نہیں لیتا ہمارا تحسین نہیں کرتا تو اس غرض سے تنظیم کا سلسلہ قائم کیا گیا کہ اگر ضرورت پڑے گی تو آپس میں اجتماعی آواز ہوگا ان کی حمایت میں آواز اٹھے گی یا مرکز کوئی شخص ان کی امداد کیلئے بھیج سکے گا جماعتی آواز کا اثر اور طاقت ہوگا دین کا فائدہ ہوگا قوم کو فائدہ ہوگا تو یہ تنظیم خدمات کا ہے افراد کا نہیں اس صورت میں خدمات کا انضباط کیا جاسکے گا کہ کہاں کہاں اور کیا کیا خدمات انجام دی جارہی ہیں اس کی ضرورت اس وجہ سے بھی پیش آئی کہ مختلف چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے دعوے بڑے بڑے گئے اور کام بہت تھوڑا کیا یا بالکل نہیں کیا معمولی خدمات مگر نمائش زیادہ ہمارے ہاں کام ہوتا ہے مگر نہ اخبارات نہ اشتہارات اور دعویٰ یہ لوگ کرتے ہیں کہ ہند ملک کو ہم نے سنبھالا ہے ہمارے اکابرؒ کے ہاں کام ہے نام نہیں پروپیگنڈہ نہیں لوگ چھوٹے چھوٹے خدمات اخبارات میں دیتے ہیں میں سوچا کرتا ہوں کہ دارالعلوم میں روزانہ جلسے ہوتے ہیں لیکن کسی کو خبر نہیں ہوتی جتنے لوگ اشتہارات منصوبوں اور پروگرام کے بعد کسی جلسے میں جمع ہوتے ہیں وہاں بلا کسی منصوبہ آئے دن اتنے لوگ جمع ہوجاتے ہیں چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں مگر پروپیگنڈہ بہت ہے کام کے درجہ میں صفر ہوتے ہیں کئی لوگ دارالعلوم کو جاننے والے نہیں کہ کیا خدمتیں انجام دیں اس تنظیم میں ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مرکز میں بھی انبساط ہوگا اور فضلاء کا دل الگ بڑھے گا خدمتیں نمایاں ہوکر آئیں گی، اور بھی کئی قسم کے فوائد ہیں یہ صورت پیش آئی کہ تنظیم ہونی چاہئے اس کے لئے کئی قواعد وضوابط منضبط کئے گئے تنظیم کو صوبہ وار پھر ضلع وار رکھا گیا کہ فضلاء دارالعلوم علاقہ وار جمع ہوکر ایک کو ذمہ دار مقرر کریں صدر بنائیں سیکرٹری منتخب کریں۔

صد سالہ جشن جلسۂ دستار بندی

یہ خیال زیادہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوا کہ اکابرؒ نے ارادہ کیا، ایک جلسہ دستار

بندی کا بھی ہو جائے تقریباً پچاس برس سے جلسہ دستار بندی نہیں ہوا ۱۳۲۸ھ سے لیکر اب تک درج رجسٹرڈ فضلاء کی تعداد چھ ہزار تک ہے ان چھ ہزار علماء کی دستار بندی کرائی جائے اس واسطے اشتہارات جاری کئے گئے ایک مستقل دفتر قائم کیا گیا کہ اس تنظیم کے نظم ونسق کو سوچیں ترتیب دیں اس کے اعلانات جاری کئے گئے تو ملک میں اس کا شہرہ ہوا ملک میں اس کا شدید انتظار ہے بیرونی ممالک کے لوگ بھی منتظر ہیں کیونکہ ان میں حجازی بھی ہیں ایشیاء سماٹرا، ملایا، چینی، ترکستانی، ایسٹ افریقہ، افغانستان کے فضلاء ہزاروں کی تعداد میں ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں جب جلسہ ہوگا تو ایسے صورت میں گورنمنٹ کے سامنے ویزوں کیلئے درخواست دینی ہوگی متعلقہ حکومتوں سے اجازت لینی ہوگی اس کے ساتھ ساتھ مصارف کا تخمینہ اور ساتھ ہی ساتھ آمدنی کا اندازہ وغیرہ اہم امور ہیں کیونکہ حاضرین کا اندازہ ڈیڑھ دو لاکھ سے کم نہ ہوگا پورے ملک میں انتظار ہوگا ہم لوگ اس پریشانی میں مبتلا ہیں کہ دیوبند کی آبادی تیس ہزار ہے اور اگر دو لاکھ آدمی آجائیں تو اس مختصر آبادی میں کس طرح سما سکیں گے، کہاں بسیں گے ہر ایک فاضل کو پگڑی باندھنی ہوگی اور اگر دس روپے قیمت فی پگڑی ہو، تب بھی پچاس ساٹھ ہزار روپے صرف پگڑیوں کے مصارف ہوں گے اور اگر یہ بھی آسان ہو جائے تو اس کے باندھنے کا مسئلہ ہے کل یہاں (دارالعلوم حقانیہ میں) ۳۰۔۳۵ طلبہ کو پگڑی بندھوانی تھی تو بڈھے بزرگ تھک گئے ہاتھ تھک گئے مگر ختم نہیں ہو رہے تھے تو یہ تقریباً پانچ ہزار پگڑیاں باندھنا آسان کام نہیں کل دستار بندی کے وقت ہمارے مولانا عبدالحنان صاحبؒ (ہزاروی) نے خوب جملہ چسپاں کیا کہ یہ پگڑیاں ہیں، یا سوٹا بازی ہے میں نے کہا کہ پگڑیاں بھی کلف دار ہیں اور باندھنے والے بھی مکلف ہیں اور پگڑیاں بھی ذرا مکلف ہونی چاہئیں کلف لگا ہوا ہو یہ بھی صورت ہے کہ اس وقت پیچ وخم نہ ہو بلکہ پہلے

سے باندھ کر رکھ دیئے جائیں (یہ جملے حضرت نے مزاحاً فرمائے)

خیران حالات کی وجہ سے یہ جلسہ نہیں ہو سکا مجلس شوریٰ میں یہ بھی بحث میں آیا کہ دارالعلوم کے سو سال پورا کرنے میں ایک سال باقی ہے تو پورا ہونے پر سو سالہ جشن منایا جائے بہر حال منصوبہ ہے تجویز ہے باقی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد پر منحصر ہے وسائل جمع کرنے لئے سوچ رہے ہیں کہ ہندو بیرون ہند کے دو ڈھائی لاکھ افراد جمع ہوسکیں اور انعقاد کیا جاسکے یہ تنظیم کی غرض و غایت ہے یہ چند باتیں تنظیم کے بارے میں ذکر کئے گئے یہاں آج اس مجلس میں اس صوبہ کے فضلاء اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ مقاصد پر غور کیا جائے میں تو دیکھ کر خوش ہونے والوں میں ہوں گا اب کام کرنا ان حضرات کو ہوگا کام آپ حضرات ہی کا ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ضبط و ترتیب: مولانا سمیع الحق صاحب

الحق ج ۱۱، ش ۱، ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ، نومبر ۱۹۷۵ء

مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ سے متعلق چار سالہ نزاع کا خاتمہ

جامعہ حقانیہ میں تحریر کی تکمیل

فخر الاماثل حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند

مسئلہ حیات النبی ﷺ پر علماء دیوبند میں نزاع شدت اختیار کرتا جارہا تھا پورا طبقہ دیوبند انتشار اور پریشانی کا شکار تھا ایسے میں حضرت حکیم الاسلام مرحوم جو دارالعلوم دیوبند کی سربراہی اور علمی کمالات کی وجہ سے علماء دیوبند کے سرخیل کی حیثیت رکھتے تھے ۱۹۶۲ء میں پاکستان کے دورے پر آئے کراچی سے اس تنازع کے خاتمے کا حضرت نے آغاز کردیا اور ملتان، سرگودھا، جہلم میں مختلف مراحل طے کرتے ہوئے راولپنڈی میں اپنے اختتام تک پہونچا۔ راولپنڈی کے مدرسہ تعلیم القرآن اور جامعہ عثمانیہ میں اس فیصلہ کو آخری شکل دے دی گئی جہاں حضرت والد ماجد شیخ الحدیث قدس سرہ کے ساتھ احقر کو بھی ان تاریخی لمحات کو دیکھنے اور شرکت کی سعادت ملی مگر حضرت حکیم الاسلامؒ کے اس نزاع کے خاتمہ کی تحریر و تکمیل کی سعادت دارالعلوم حقانیہ کے مقدر میں آئی، یہاں لکھی گئی اس تحریر میں حضرتؒ کے دستخط اور مقام تحریر ۲۴ جون ۱۹۶۲ء نزیل جامعہ حقانیہ درج ہیں .... (سمیع الحق)

حیات الانبیاء جمہور علماء کا اجماعی عقیدہ

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد! برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ مشہور و معروف اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے علماء دیوبند حسب عقیدہ اہلسنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی اپنی

پاک قبروں میں حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے اجسام کیساتھ ان کی ارواح مبارکہ کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا وہ عبادت میں مشغول ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام بھی سنتے ہیں وغیرہ علماء دیو بند نے یہ عقیدہ کتاب وسنت سے وراثتاً پایا ہے اور اس بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متوارث ہی رہا ہے۔

حسام الحرمین کا جواب المهند علی المفند

حتیٰ کہ جب بریلوی حلقوں سے ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ برزخ میں حیات انبیاء کے منکر ہیں اور اس افتراء سے علماء حرمین شریفین کو ان کی طرف سے بدظن بنا کر اور دھوکہ دے کر ان کے خلاف فتویٰ بھی حاصل کرلیا گیا لیکن جب علماء حرمین پر اس دھوکہ دہی کی حقیقت کھلی اور انہوں نے اس قسم کے تمام مسائل کے بارے میں ازخود ایک مفصل استفتاء مرتب کر کے علماء دیو بند سے جواب مانگا جس میں حیات انبیاء کا سوال بھی شامل تھا تو حضرت اقدس مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے ایک مفصل جوابی فتویٰ بنام المهند علی المفند مرتب فرما کر علماء حرمین کے پاس ارسال فرمایا جس میں مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ، حیاۃ انبیاء کرام کے بارے میں بھی علماء دیو بند کا نقطۂ نظر غیر مشتبہ اور واضح الفاظ میں تحریر فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور برزخ میں ان کی یہ حیات حیات دنیوی ہے۔

قاسم نانوتویؒ کی کتاب آب حیات کی اہمیت

نیز اسی ذیل میں اس نقطۂ نظر کو مزید واضح اور مضبوط تر کرنے کے لئے انہوں نے بانی دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے رسالہ آب حیات کا بھی حوالہ دیا جو اسی موضوع پر ایک مستقل اور پُر از حقائق و معارف کتاب ہے جس کا

مقصد اس مسئلہ کی ایک مستحکم تائید کے علاوہ یہ بھی تھا کہ علماء دیو بند کا یہ عقیدہ (حیاۃ انبیاء) انہیں ان کے اسلاف سے بطور توارث کے ملا ہے کوئی انفرادی رائے یا وقتی اور ہنگامی فتویٰ نہیں ہے جو حوادث کے پیش آنے سے اتفاقاً سامنے آگیا ہو پھر اس مسئلہ اور اس کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کے رسالہ کے حوالہ کی تائید میں اس وقت کے تمام اکابر علماء دیو بند کے توثیقی دستخط بھی اس میں ثبت کرائے جس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ مسئلہ حیاۃ انبیاء کے بارے میں یہ مذکورہ عقیدہ صرف ان کے سلف ہی کا نہیں بلکہ خلف بھی اس کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح سلف قائل تھے اور اس طرح یہ مسئلہ (اثبات حیاۃ انبیاء) بطرز مذکور سلف سے لے کر خلف تک یکسانی کے ساتھ مسلمہ اور متفق علیہ رہا ہے اور تمام علماء دیو بند کا یہ اجماعی مسلک ہے جس سے کوئی فرد منحرف نہیں ہے۔

علماء دیو بند کے بعض افراد کا اختلاف

بخت واتفاق سے وقت کے بعض فضلاء دیو بند نے اس مسئلہ کی تفصیلات میں کچھ اختلاف فرمایا جس کا ظہور تین چار سال سے ہوا نفس اختلاف رائے مضر نہ ہوتا لیکن سوئے اتفاق سے یہ اختلاف اسٹیج پر آگیا اور اس میں ردوقدح کی صورتیں پیدا ہونے لگیں عوام کو بھی اس سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور آخر کار اس مسئلہ کی بحث علماء سے گذر کر عوام میں ان کے رنگ سے پھیل گئی جس سے قدرتاً اس اختلاف نے نزاع وجدال کی باہمی صورت اختیار کرلی گروپ بندی شروع ہوگئی اور یہ بحث آخر کار ایک جماعتی فتنہ کی صورت میں آگئی جس سے مسئلہ تو ایک طرف رہ گیا اور فساد آگے آگیا اور خود جماعت دیو بند میں تفریق تفرق اور رسالے لکھے گئے، اخباری بحثیں چھڑ گئیں جس سے جماعت کی اجتماعی قوت کو سخت نقصان پہنچ گیا یہ صورت حال دیکھ کر اور اخبارات و رسائل سے ان مناقشات کی خبریں معلوم کر کے دل زخمی ہوتا رہا اور جوں جوں یہ فتنہ بڑھتا گیا دوں دوں دل کا غم بھی ترقی کرتا گیا دلی آرزو تھی کہ کسی طرح فتنہ نزاع وجدال کی یہ صورت ختم ہو جائے۔

مولانا غلام اللہ خان اور مولانا عنایت اللہ شاہ سے ملاقات اور تبادلہ خیالات

حسن اتفاق سے ۲۶/ اپریل ۱۹۶۲ء کو احقر کو پاکستان حاضر ہونے کا اتفاق ہوا اور اس ماہ میں بزمانہ قیام لاہور جناب محترم مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور محترم مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری احقر سے ملاقات کے لئے قیام گاہ پر تشریف لائے دوران ملاقات احقر نے اس نزاع و جدال کا شکوہ کرتے ہوئے اس صورت حال کے مضر اثرات کی طرف توجہ دلائی اور عرض کیا کہ یہ صورت بہر نہج ختم ہونی چاہئے جبکہ یہ مسئلہ کوئی اساسی مسئلہ نہیں ہے کہ اسے ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے اسٹیج پر لایا جائے اور اس کی وجہ سے تفریق، تفرق وتخریب کے ان مضر اثرات کو نظر انداز کیا جاتا رہے کیا ہی اچھا ہو کہ یہ مسئلہ یا تو اسٹیج پر آئے ہی نہیں اور اتفاقاً آجائے تو اس کا عنوان نزاعی نہ رہے اس پر ان دونوں بزرگوں نے نہایت مخلصانہ اور درد انگیز لہجہ میں کہا کہ ہم خود بھی اس صورت حال سے دل گرفتہ ہیں اور دل تنگی محسوس کرتے ہیں کاش! آپ (احقر) ہی درمیان میں پڑ کر اس نزاع کو ختم کرا دیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کے سوا یہ قصہ کسی دوسرے کے بس کا ہے بھی نہیں اس بارہ میں آپ کی اب تک کی تحریرات نہایت معقول انداز سے سامنے آئی ہیں جن کو دونوں فریق نے احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے اب بھی اس بارے میں آپ کی مساعی احترام وقبول کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی احقر کو ان مخلصانہ جملوں سے نزاع کے ختم ہونے کی کافی توقع پیدا ہوگئی اور ارادہ کر لیا گیا کہ فریقین کے ذمہ دار حضرات سے مل کر کوئی مفاہمت کی صورت پیدا کی جائے چنانچہ جواب میں یہی عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب دام مجدہٗ شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس ملتان سے مل کر میں اس سلسلے میں کوئی رائے قائم کروں گا۔

مولانا غلام اللہ خان سے مراسلت

کراچی پہنچ کر احقر نے اس سلسلے میں مولانا غلام اللہ خان صاحب سے

مراسلت شروع کی تاکہ معاملہ کے ابتدائی مبادی طے ہو سکیں ظاہر ہے کہ کسی دینی مسئلہ میں مفاہمت کے معنی خلاف دیانت رائے تبدیل کر دینے یا مسئلہ کو کم وبیش کر کے کسی اجتماعی نقطہ پر آجانے کے تو ہو ہی نہیں سکتے اس لئے طریق مفاہمت اور فریقین کے لئے نقطۂ اجتماع ذہن میں یہ آیا کہ اولاً یہ مسئلہ عوام میں لایا ہی نہ جائے اور اگر بیان مسئلہ کی نوبت آئے تو اس کا قدر مشترک پیش کر کے اس کی تفصیلات اور اخلاقی خصوصیات پر زور نہ دیا جائے بلکہ عوام کو ان کی گہری خصوصیات میں پڑنے سے روکا جائے تو کم از کم عوام میں سے یہ نزاعی صورتیں ختم ہو جائیں گی جو مضر ثابت ہو رہی ہیں پھر اگر علماء کی حد تک تفصیلات میں کچھ اختلاف باقی بھی رہ جائے جس کا عوام سے کوئی تعلق نہ ہو تو گروپ بندی کے مضر اثرات ختم ہو جائیں گے جو فتنہ کی اصل بنے ہوئے ہیں اس لئے احقر نے اپنی محدود معلومات کی حد تک اس مسئلہ کے قدر مشترک کا ایک عنوان تجویز کر کے مولانا ممدوح کو لکھا کہ وہ اس بارے میں اپنی رائے ظاہر فرمائیں تاکہ دوسرے حضرات کی رائے بھی حاصل کی جا سکے اس عریضہ کا جواب جسے ملتان پہنچ کر مدرسہ خیر المدارس میں ملا۔

مولانا غلام اللہ خان صاحب کا عنوان

جس میں مولانا غلام اللہ خاں نے احقر کے عنوان کو رد کئے بغیر خود بھی ایک عنوان لکھ کر بھیجا اس موقع پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب، مولانا محمد علی صاحب جالندھری اور دوسرے معتمد علماء جمع تھے جن کے سامنے احقر نے اپنا منصوبہ اور یہ دونوں عنوان رکھ کر گفتگو کی، طے یہ پایا کہ قیام ملتان کی قلیل مدت اس مسئلہ کے لئے کافی نہیں ہے اور بعض ضروری افراد بھی یہاں موجود نہیں اس لئے اس مسئلہ پر جہلم کے قیام میں رکھی جائے اور وہاں ایک مستقل دن اس کام کے لئے فارغ رکھا جائے اور ساتھ ہی احقر نے ملتان ہی سے اپنی تقریروں میں اس منصوبے کے لئے فضا ہموار کرنی شروع کر دی

ملتان، جہلم، سرگودھا اور راولپنڈی میں خصوصیت کے ساتھ اس بارہ میں اصلاحی عنوانات اختیار کئے گئے احقر نے اس سلسلے میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہٗ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری سے جہلم تشریف لے چلنے کیلئے عرض کیا جس کو ان حضرات نے بخوشدلی منظور فرمالیا مقررہ تاریخ پر یہ سب حضرات جہلم میں جمع ہو گئے اور مسئلہ حیات النبی کا قدر مشترک زیر غور آیا طے یہ پایا کہ قدر مشترک کم از کم اتنی تفصیل ضرور لئے ہوئے ہونا چاہئے جس سے مسئلہ کے تمام بنیادی گوشوں پر روشنی پڑ سکے اور عوام بطور عقیدہ کے اسے سمجھ سکیں چنانچہ گفتگو کے بعد ایک جامع تعبیر احقر نے قلمبند کی اور ارادہ کیا گیا کہ راولپنڈی میں ان حضرات ممدوحین کی موجودگی میں دوسری جانب کے ذمہ دار حضرات مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کو جمع کر کے اس منصوبہ اور مجوزہ عنوان پر گفتگو کی جائے اور اس مسئلہ کا آخری طور پر فیصلہ کر دیا جائے۔

۲۲ جون ۶۲ء کی پر امن فضاء میں اتحاد و یکجہتی کی نوید

چنانچہ ۲۲؍ جون ۱۹۶۲ء یوم جمعہ دونوں جانب کے یہ سب بزرگ احقر کی قیام گاہ (مدرسہ حنفیہ عثمانیہ) میں جمع ہو گئے اس مجلس میں احقر نے اس معاملہ کی اول سے آخر تک ساری روداد بیان کر کے مسئلہ کا وہ منقح قدر مشترک دونوں جانب کے ان ذمہ دار حضرات کے سامنے رکھا گفتگو نہایت دوستانہ اور مخلصانہ ماحول میں ہوئی اور ختم مجلس تک الحمدللہ یہی ماحول قائم رہا نہ اس میں ہار، جیت کے جذبات تھے نہ غلبہ و مغلوبیت کے تصورات تھے بلکہ مسئلہ کو سلجھانے اور نمٹانے کے جذبات نمایاں تھے اور آخری نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں حلقوں نے احقر کی پیش کردہ قدر مشترک کے عنوان کو قبول کر لیا اور اس قدر مشترک کی تحریری یادداشت پر جو احقر نے اپنے دستخط سے پیش کی فریقین نے دستخط فرما

دیئے اس یادداشت کا متن بلفظہٖ حسب ذیل ہے۔

عامۃ مسلمین کو فتنہ نزاع و جدال سے بچانے کیلئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں یہ (عنوان) مسئلہ کا قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسی کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات پر زور نہ دیا جائے عبارت حسب ذیل ہے۔

متفقہ عقیدہ اور اس کا متن اور دستخطیں

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

احقر محمد طیب؛ وارد حال راولپنڈی ۲۲؍ جون،

مولانا قاضی نور محمد، خطیب جامعہ مسجد قلعہ دیدار سنگھ،

لاشئی مولانا غلام اللہ خان،

مولانا محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ

اس مختصر عبارت کی کافی تفصیل چونکہ قاضی شمس الدین صاحب (برادر خورد مولانا قاضی نور محمد صاحب) اپنے مکتوب میں لکھ کر مولانا محمد علی صاحب جالندھری کے پاس بھیج چکے تھے اس لئے یہ عبارت بالا ان کی مسلمہ ہے بنا بریں اس عبارت پر ان کے دستخط کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی عبارت بالا کو ان کا مسلمہ سمجھا جائے۔

مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کی عدم آمد

چونکہ اس موقع پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری بوجہ علالت راولپنڈی تشریف نہ لا سکے اسلئے احقر کے عرض کرنے پر اور مسودہ پیش کرنے پر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ صاحب نے ان کے بارے میں حسب ذیل تحریر دستخط کر کے بندہ کو عنایت فرمائی جس کا متن بلفظہٖ حسب ذیل ہے۔

فریق مخالف کا متفقہ عبارت

ہم (مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب) اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے بھی اس تحریر (مندرجہ بالا) پر دستخط کرائیں جس پر ہم نے دستخط کئے ہیں اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات النبی میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کردیں گے نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات النبی پر تقریر نہ کرائیں گے اور اگر اس مسئلہ میں وہ کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو ہم اس بارے میں ان کو مدد نہ دیں گے۔ نور محمد خطیب قلعہ دیدار سنگھ

لاشئی غلام اللہ خان (۲۲ رجون ۱۹۶۲ء)

فریقین کی حق پسندی اور حق گوئی

اس تحریر پر ہر دو دستخط کنندہ بزرگوں کی حق پسندی اور حق گوئی ظاہر ہے باوجود یہ کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے ان بزرگوں کے قوی ترین تعلقات اور مخلصانہ روابط ہیں مگر اس بارہ میں انہوں نے کسی رو رعایت سے کام نہیں لیا جس سے ان کی انصاف پسندی اور دین کے بارے میں بے لوثی نمایاں ہے تاہم سید صاحب ممدوح کے بارے میں مجھے اپنی معلومات کی حد تک یہ عرض کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ وہ برزخ میں انبیاء کی حیات جسمانی کے کلیۃً منکر نہیں ہیں صرف اس کی کیفیت اور نوعیت میں کلام کرتے ہیں ایسے ہی وہ حاضرین قبر شریف کے درود و سلام کو حضور ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچنے اور آپ کے سننے کا بھی علی الاطلاق انکار نہیں کرتے بلکہ اس کے دوام اور ہمہ وقتی ہونے کے قائل نہیں ان کا یہ ناتمام اقرار چونکہ ان کی مفہومہ حجت سے ہے اس لئے انہیں اس بارہ میں منکر نہیں کہا جائے گا بلکہ مول سمجھا جائے گا گو ان کی یہ تاویل بمقابلہ جمہور اس ناچیز اور ہر دو دستخط کنندہ بزرگان ممدوحین کے نزدیک قابل تسلیم نہیں لیکن مذکورہ صورت حال کے ہوتے ہوئے جبکہ ان کا یہ اختلاف حجت سے ہے ان پر

زبان طعن و ملامت کھولنا یا تشنیع کرنا کسی طرح قرین انصاف و صواب نہیں بالخصوص جبکہ وہ دوسرے مسائل میں بحیثیت مجموعی اہل دیوبند اور اہلسنت والجماعت کے حامی اور خادم بھی ہیں اس لئے انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر سکوت اختیار کر لیا جانا ہی قرین مصلحت اور جانبین کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

سید عنایت اللہ شاہ بخاری سے ایک توقع اور ایک امید

ساتھ ہی مجھے اپنے محترم سید صاحب ممدوح سے بھی پوری توقع ہے اور امید رکھنی چاہئے کہ وہ مسئلہ حیات کی ان تفصیلات میں جمہور اہلسنت والجماعت کے مسلک کا احترام قائم رکھنے کیلئے اپنے کسی خصوصی مفہوم کو (خواہ وہ ان کی دانست میں مفہوم اہلسنت والجماعت ہی ہو مگر جمہور علماء کے نزدیک وہ ان کا خصوصی مفہوم شمار کیا جارہا ہے اور خواہ وہ کتنی بھی دیانت پر مبنی ہو) ضروری الاشاعۃ نہ سمجھتے ہوئے سکوت کو کلام پر ترجیح دیں گے یہ مسئلہ کوئی ایسا اساسی اور بنیادی عقائد کا نہیں ہے کہ اس میں روا رکھا جائے۔

عوام الناس کی خدمت میں ایک گزارش، ایک اپیل

اسی طرح عام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ مسائل اور ان میں علماء کے جزوی اختلافات کو مناقشات اور جدال و نزاع کا ذریعہ نہ بنائیں اس قسم کے اختلافات امت کے لئے آسانیوں کا ذریعہ بنائے گئے ہیں نہ کہ نزاعات اور مناقشات کا اسلئے عملاً و اعتقاداً جمہور سلف و خلف کا دامن تھام کر دوسری جانبوں سے مصالحت اختیار کریں لڑنے اور لڑانے کی خو پیدا نہ کریں آج امت کے بہت سے اہم اور بنیادی مسائل ہیں جو ان کی ہیئت اجتماعی کے متقاضی ہیں اور یہ ہیئت جب ہی برقرار رہ سکتی ہے کہ اسے اس قسم کے فروعی اختلافات میں بصورت گروہ بندی ضائع نہ کیا جائے۔

آخر میں دونوں جانب کے بزرگوں اور بالخصوص فریقین کے نامزد اکابر کا

شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ناچیز کی گزارشات کو پوری توجہ اور التفات خاطر اور سمع قبول کے ساتھ سنا اور ملت کو بہت سے مفاسد اور مہالک سے بچالیا فجزاھم اللّٰہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء ۔

اصلاحی کارنامے کا شاندار مظاہرہ

اس نئی اصلاحی صورت کا سب سے زیادہ شاندار مظاہرہ راولپنڈی کے اس عظیم الشان جلسۂ عام میں ہوا جو احقر کی تقریر کے سلسلے میں مدرسہ حنفیہ عثمانیہ کے زیر اہتمام ایک بڑے میدان میں زیر صدارت حضرت مولانا خیر محمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس ملتان منعقد کیا گیا تھا احقر کو منظوم سپاسنامہ دینے سے جلسہ کا آغاز ہوا اور احقر کی تقریر شروع ہوئی جو تقریباً ڈھائی گھنٹہ جاری رہی تقریر کے آخر میں احقر نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے اس نزاع کے ختم ہونے کی بشارت تفصیل سے سنائی جس سے عوام میں خوشی کی ایک بے پناہ لہر دوڑہ گئی اور ان ہزار ہا انسانوں کے ہجوم نے بے تحاشا تبریک و تہنیت کے نعرے لگانے شروع کر دیئے جس سے فضا گونج اٹھی ۔

مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا محمد علی جالندھری کے مخلصانہ تقریریں

ختم تقریر پر ایک جانب سے مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اور دوسری طرف سے مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے اپنی تقریروں سے اس بیان کی توثیق کی اور نہایت فراخدلانا اور مخلصانہ لب ولہجہ سے فرمایا کہ ہم نے مہتمم دارالعلوم کے درمیان میں پڑ جانے سے اس مسئلہ کی نزاعی صورت حال کو ختم کر دیا ہے اور جو چیز ہمیں ناممکن نظر آرہی تھی وہ اس شخصیت (احقر ناکارہ) کے درمیان میں آجانے سے نہ صرف ممکن ہی بن گئی بلکہ واقعہ ہو کر سامنے آگئی اور ہم کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس مہم کو مہتمم دارالعلوم ہی کی شخصیت انجام دے سکتی تھی جس میں ایک طرف دارالعلوم دیوبند جیسے علمی و مذہبی مرکز کی سربراہی کی نسبت موجود ہے جو ہم سب کا مرکز قلوب ہے

اور دوسری طرف بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی وہ قاسمی نسبت موجود ہے جو پوری قاسمی برادری کو اس پر متحد کئے ہوئے ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے سوا دوسرے سے یہ مہم انجام نہیں پا سکتی تھی بہر حال ہم نے اس نزاع کو ختم کر دیا ہے اور ہم اس بارے میں عوام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں ان دو تقریروں کے بعد یہ ہزاروں آدمیوں کا عظیم اجتماع جذبات مسرت سے ابل پڑا اور اس نے مہتمم دارالعلوم زندہ باد دارالعلوم دیوبند زندہ باد اور علماء دیوبند زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کئے کئی منٹ تک فضا نعروں سے گونجتی رہی اور مجمع میں جذبات مسرت کی ایک عجیب حرکت تھی جس سے مجمع متموج دریا کی طرح متحرک نظر آرہا تھا اور نعروں میں تقریریں بند ہو گئیں بالآخر جلسہ شاندار کامیابی کے ساتھ ختم ہوا اور جو تحریک احقر کے قلم سے کراچی سے شروع ہوئی تھی وہ ملتان ، سرگودھا ، جہلم میں اپنے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی راولپنڈی میں حد اتمام تک پہنچ گئی خدائے برتر و توانا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ چار سال کی مکدر فضا صاف ہوئی اور اس کے المناک آثار روبہ زوال نظر آنے لگے والحمد للہ اولاً و اخراً ۔

حق تعالیٰ اس یگانگت کو پائدار اور برقرار رکھے اور مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ دین و ملت کے اہم کاموں کو جزئیات فرعیہ کے مقابلے میں اہم سمجھتے ہوئے اپنی جماعتی قوتوں کو ان پر لگائیں ۔

احقر
محمد طیب غفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
نزیل حال جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور
[illegible]

مولانا عبدالحق علم وفضل کی حامل شخصیت

مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کی دارالعلوم حقانیہ میں تشریف آوری، خطاب اور تأثرات

۱۸؍جنوری کو مدینہ منورہ سے ایک دوخطوط کے ذریعہ معلوم ہوا کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ ،مہتمم دارالعلوم دیوبند ۲۲؍جنوری کو براستہ کراچی سعودی عرب سے ہندوستان جارہے ہیں،اوریہ کہ پاکستان میں مختصر قیام کی اجازت کے لئے پاکستانی سفارتخانہ سے رابطہ قائم کیا گیاہے،کچھ امیدیں تو قائم ہوگئیں مگر بظاہر ایسے حالات میں کہ نہ سفارتی تعلقات قائم ہوں،نہ آمدورفت کا سلسلہ شروع ہو چکا ہو، حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ جیسی معروف ومشہور شخصیت کو پاکستان آنے کی اجازت دونوں حکومتوں سے کیسے مل سکے گی؟ مگر قدرت نے غیبی انتظام فرمایا اور چند اہل درد دین اور علم کی محبت سے سرشار افسران کے تعاون سے یہ سارا مسئلہ آسانی سے حل ہوگیا اور حضرت مدظلہٗ نے کئی سال کے طویل وقفہ کے بعد سرزمین پاکستان میں قدم رنجہ فرمایا۔ ہزاروں ،لاکھوں معتقدین اورمحبین کیلئے یہ خبر واقعی ایک خوشگوار حیرت سے کم نہ تھی، کہ فاصلوں کے فصیل،ضابطوں اوررکاوٹوں کی سرحدات ان سب کو پھلانگ کر حضرت کی آمد کیسے ممکن ہوگئی،اللہ تعالیٰ جب چاہے تو دلوں کی دنیا کی طرح جسمانی اور مادی رکاوٹیں بھی

یکا یک دور فرمادیتا ہے۔

حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ کراچی میں اعزہ واحباب سے مل کر لاہور تشریف لائے ، دوایک دن قیام تھا،مگر یہ کب ہوسکتا تھا کہ اتنی قریب آئی ہونعمت سے دارالعلوم حقانیہ کے درو دیوار مشرف نہ ہو جب کہ آج تک بمشکل ایسا ہوا کہ حضرت مدظلہٗ پاکستان آئے ہوں اور دارالعلوم حقانیہ قدم رنجہ نہ فرمایا ہو،خود حضرت مدظلہٗ کا ارشاد تھا کہ ’’ میں تو اکوڑہ خٹک کا تصور لے کر ہی وہاں سے چلتا ہوں‘‘ مگر وقت کی کمی ادھر ویزا کی مشکلات اور حضرت مدظلہٗ کی علالت اورضعف ،یہ سب خدشات تھے ۔حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ بغرض ملاقات لاہور تشریف لے گئے ،اکوڑہ خٹک کا ویز بھی اللہ تعالیٰ نے آسان کردیا ،ادھر حضرت کی پاکستان تشریف آوری ہی سے دارالعلوم حقانیہ میں حضرت کی آمد کا غلغلہ تھا،پورا دارالعلوم سراپا شوق اورمشتاقِ دید بنا ہوا تھا کہ اچانک حضرت مدظلہٗ کے دارالعلوم آنے کا پروگرام طے ہوگیا،وقت کی کمی کی وجہ سے بروقت لوگوں کو اطلاع نہ دی جاسکی۔صرف اخباری اطلاع دی گئی۔اتوار ۲۰؍محرم الحرام پشاور ایئرپورٹ پہنچے،کئی احباب ساتھ تھے،ہوائی اڈہ پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے علاوہ سرحد اور پشاور کے بے شمار علماء،شرفاء اور معتقدین چشم براہ تھے،پشاور کے مقامی مدارس جامعہ اشرفیہ اور دارالعلوم سرحد کے حضرات کی خواہش تھی کہ اکوڑہ خٹک روانگی سے قبل تھوڑی دیر کے لئے حضرت ان کے ہاں بھی جلوہ افروز ہوں،لہٰذا حضرت قاری صاحب مدظلہٗ ہوائی اڈہ سے کچھ دیر کیلئے دارالعلوم سرحد تشریف لے گئے،طلباء اور اساتذہ کا جمِ غفیر چشم براہ تھا،سپاسنامہ پیش ہوا اورحضرت نے دعا فرمائی،وہاں سے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کے ساتھ جامعہ اشرفیہ عیدگاہ روڈ تشریف لائے،رات کا کھانا تناول فرمایا،استقبالیہ تقریب میں مولانا محمد یوسف قریشی اور مولانا اشرف علی قریشی نے خیر مقدمی کے کلمات کہے اور پھر حضرت قاری صاحب نے علم کی فضیلت پر

نہایت حکیمانہ تقریر فرمائی۔ پشاور سے چل کر رات ساڑھے دس بجے دارالعلوم حقانیہ میں جلوہ افروز ہوئے، سخت سردی اور رات کا اندھیرا چھاجانے کے باوجود بھی دارالعلوم سے علماء، اساتذہ، طلباء اور شہر و بیرون شہر سے آئے ہوئے دیندار مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت چشم براہ تھی، نہایت والہانہ استقبال ہوا، دارالعلوم کے در و دیوار حضرت نانوتوی اکابر دیوبند اور حضرت حکیم الاسلام زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھے۔

۲۱ رمحرم ۱۳۹۵ھ دوسرے دن صبح نو بجے تک حضرت مدظلہ' کا قیام دارالعلوم ہی میں رہا۔ صبح دفتر اہتمام میں معززین کے ساتھ چائے میں شرکت فرمائی اس دوران مولانا سمیع الحق کے صاحبزادگان حامد الحق اور راشد الحق کی رسم بسم اللہ بھی فرمائی، دارالعلوم کا معائنہ فرمایا اور حسب سابق دارالعلوم کی ترقیات پر نہایت خوشی اور مسرتوں کا اظہار فرماتے رہے۔ علماء، صالحین اور طلبہ و متعلقین سے ملاقات فرمائی۔ صبح واپسی سے قبل دارالعلوم کی طرف سے استقبالیہ تقریب میں شمولیت فرمانے کیلئے آپ جامعہ مسجد دارالعلوم میں تشریف لے گئے، نہ صرف ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا بلکہ باہر بھی اہلِ علم اور دور دراز سے پہنچنے والے عشاق دیوبند کا ہجوم تھا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے متعلم دارالعلوم مولوی فضل الرحمٰن ابن حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہٗ نے عقیدت و محبت سے بھرپور سپاسنامہ پیش کیا اس کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے وقت کی کمی اور بہت جلد واپسی کی وجہ سے مختصراً رسمی خطاب فرمایا اور اختصار پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ انشاء اللہ پھر کبھی اس کی تلافی کی جائے گی، خطاب فرمانے کے بعد آپ نے طلبہ دورۂ حدیث شریف کی خواہش پر شمائل ترمذی شریف شروع کرایا اور دعا کے بعد نو بجے حضرت مدظلہٗ کو طلبہ، اساتذہ اور مشتاقان دید نے دھڑکتے دلوں کیساتھ الوداع کہا، حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ اور ایڈیٹر ماہنامہ الحق مولانا سمیع الحق صاحب بھی راولپنڈی سے عازم کراچی ہوئے، دوران قیام حضرت مدظلہٗ کے علم و حکمت سے لبریز بعض مجالس کی گفتگو بھی ریکارڈ کر لی گئی ہے، جو قارئین

الحق کی خدمت میں پیش کیں اور اب خطبات مشاہیر میں حکیم الاسلام کی تقریر کا متن شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

حاضری کا مقصد بزرگوں کی زیارت

الحمدللّٰہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، طلبہ کرام! وقت بہت کم ہے، تھوڑی دیر بعد روانہ ہونا ہے، میرا مقصد پاکستان کی حاضری سے صرف آپ بزرگوں کی زیارت اور آپ حضرات سے ملاقات تھی، سات آٹھ برس پہلے حاضری پاکستان میں ہوئی تھی اور اس وقت دارالعلوم حقانیہ میں بھی حاضری کی سعادت ملی تھی، تو بے اختیار دل چاہ رہا تھا کہ کوئی صورت پیدا ہو کہ میں حاضر ہوں اور آپ حضرات کی زیارتیں ہو جائیں، اسباب کے درجے میں کوئی صورت نہیں تھی، ویزا بھی پاس نہ تھا، بمبئی کے قصد سے میں چلا تھا، سعودی جہاز سے لیکن کراچی کے ائرپورٹ پر بعض عزیز اور بعض دوست پہنچے اور اترنے پر اصرار کیا تو میں نے کہا کہ میرے پاس نہ ویزا ہے نہ پاسپورٹ، تو کیسے اترنا ہو، تو کہا کہ بس ہمیں ہی ویزا سمجھ لیں ہم حاضر ہیں۔

مولانا عبدالحق علم و فضل کی حامل شخصیت

بہر حال اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ چند دن یہاں مل گئے اور یہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ میرا مقصد نہ جلسہ ہے، نہ تقریر، نہ وعظ وہ تو یہاں کے بزرگ بالکل کافی ہیں آپ حضرات کیلئے وعظ کرنے کیلئے، تلقین کرنے کیلئے اور بالخصوص ہمارے بزرگ حضرت مولانا عبدالحق صاحب حق تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور ان کے فیضان میں برکت ہو، وہ کافی ہیں اور وافی ہیں۔ آپ حضرات کی نصیحت کیلئے اور وعظ کیلئے مولانا کو حق تعالیٰ نے جو فضل و کمال دیا ہے وہ تو ظاہر ہے اور علم و فضل ہر حیثیت سے بڑے ہیں۔ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ میں ہر حیثیت سے ان سے چھوٹا ہوں، تو عمر میں بھی شاید

چھوٹا ہوں مگر ابھی معلوم ہوا کہ مولانا کی عمر زیادہ نہیں،تو ایک فضیلت تو مجھے حاصل ہے کہ میں کم سے کم عمر میں تو زیادہ ہوں اگر علم وفضل میں زیادہ نہیں تو بہرحال ان کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ حضرات کے لئے جذبات محبت وخلوص جو پہلے بھی دل میں تھے اورزیادہ بڑھ گئے۔

مصافحہ کی فضیلت اورآداب

مصافحہ کیلئے لوگ بہت دوڑتے ہیں اوراس میں شک نہیں کہ مصافحہ برکت کی چیز ہے،بڑی نعمت ہے،حدیث میں ارشادفرمایا گیا کہ دومسلمان جب بڑھتے ہیں مصافحہ کیلئے تو ان کے چہروں پر مسکراہٹ ہوتی ہے محبت وخلوص کی تو ہاتھ ملنے نہیں پاتے کہ پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں،تو بہت بڑی فضیلت ہے مگر ہر فضیلت کے کچھ آداب بھی ہوتے ہیں اگر اس فضیلت کو حاصل کرنے کیلئے دوسروں کو اذیت پہنچے تو ایذا رسانی کا گناہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس کا اجر اتنا ہی نہیں ہوتا تو دھکم دھکا کرکے مصافحے کرنا یہ اذیت ہے اورایذا رسانی سے بچنے کی ضرورت ہے۔اسلئے میں نے آپ سے عرض کیااور ہماری واپسی ہے ہم عجلت میں ہیں اور مصافحہ میں دیر لگے گی اس واسطے میں معافی چاہتا ہوں۔ہمارے دل ملے ہوئے ہیں اوردلوں کا ملاپ بالکل کافی ہے،برکت ہوگی۔

عالم کی زیارت بھی عبادت ہے

ایک عالم کا چہرہ دیکھنا بھی عبادت میں داخل ہے تو جہاں اتنے علماء،اتنے صلحاء،اتنے طلبہ سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہوں تو ان کا چہرہ دیکھنا بھی ہمارے لئے عبادت کے درجے میں ہے اس کی فضیلت اور برکت بہت ہے تو جاتے وقت مصافحہ کی تکلیف نہ فرمائی جائے۔علاوہ وقت کی تنگی کے میں بہت زیادہ ضعیف بھی ہوں اور علیل بھی تو آپ میں سے ہر ایک کو تو ایک دفعہ ہاتھ ملانا ہوگا اور مجھے سینکڑوں دفعہ تو میرے ہاتھ میں اتنی طاقت نہیں کہ پانچ سو دفعہ ہاتھ ملانا پڑے۔تو بہرحال یہ حق تعالیٰ کا فضل

ہے،کہ زیارت نصیب ہوگئی آپ حضرات کو معلوم ہے کہ چالیس مسلمان اگر ایک جگہ جمع ہوں تو ان میں سے ایک نہ ایک مقبول خداوندی ضرور ہوتا ہے تو جب سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہوں تو کتنے مقبولین ہوں گے اوران کا ملنا،دیکھنا یہ ذریعہ نجات ہے۔

پاکستان اور ہندوستان میں فاصلے

بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت میسر فرمادی اس کا شکر ہے،اس کا فضل ہے احسان ہے اور باعثِ سعادت ہے،حق تعالیٰ راستے کھول دے تاکہ باربار یہاں آنے کی نوبت آئے چار سال پہلے تقریباً کوئی سال ایسا نہیں گزرتا تھا کہ میں پاکستان حاضر نہ ہوں مگر یہ بیچ میں پیدا ہوگئی رکاوٹ،اب اسباب ایسے پیدا ہوگئے ہیں کہ کچھ توقع ہوئی ہے کہ راستے کھل جائیں گے اور کچھ میل ملاپ بھی قائم ہوگا تو آمدورفت میں بھی سہولت ہوگی،یہ وقت بہت کم ملا،مگر اللہ تعالیٰ راستے کھول دے،تو اس کی تلافی انشاء اللہ بعد میں ہوگی۔اب چند گھنٹے قیام ہے اس وقت ممکن ہے کہ ایک دودن قیام ہو اورمل کر بیٹھیں بات چیت کریں تو یہ آئندہ انشاء اللہ ہوجائے گا۔اس وقت تو صرف شکر یہ عرض کرنا ہے۔

تحریری سپاسنامہ

آپ حضرات نے سپاسنامہ اورتحریراً دعانامہ پیش فرمایا یہ میرے لئے انشاء اللہ ذریعہ نجات اور ذریعہ سعادت ہے مگر تعارف کرانے میں مبالغہ سے کام لیا گیا اور یہ ایک طبعی بات ہے کہ جب مہمان آتا ہے تو اس کا تعریفی کلمات سے تعارف ہو مگر ہے وہ مبالغہ۔ میرا تعارف صرف اتنا ہے کہ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک ادنیٰ سا طالبعلم ہوں وہاں کے علماء کی جوتیاں سیدھی کرنا بس یہ میرا کام ہے اس سے زیادہ کوئی تعارف نہیں،البتہ ایک نسبت ہے وہ بڑی چیز ہے میں خود حقیر سہی مگر وہ نسبت بڑی اونچی ہے......

ع گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ ذرہ آفتاب تابانیم

عظیم الشان نسبت

حضرت تھانوی کی نسبت وہ نسبت بے شک بڑی ہے گو اس کا ہم لوگ حق ادانہیں کر سکے مگر نسبت تو بہر حال نسبت ہی ہے تو تعارف میرا یہی ہے کہ میں دارالعلوم دیو بند کے علماء کا ایک خادم، دارالعلوم کا ایک طالب علم اور حضرت تھانوی سے نسبی نسبت تو اسی وجہ سے لوگ لحاظ پاس رکھ لیتے ہیں مگر اپنے اندر نہ کوئی لیاقت ہے، نہ قابلیت ہے تو بس سیدھا سادہ تعارف یہی ہے اور آپ نے جو تعارف کیا اس میں آپ حضرات نے اپنے حوصلے کی بلندیوں کا اظہار فرمایا ہے، میرا کوئی وصف ظاہر نہیں کیا، جتنے بھی آپ نے کلمات کہے وہ آپ لوگوں کے ظرف کی وسعت، عالی حوصلگی اور خود نوازی ہے، تو آپ نے اپنی شان بیان کی اس میں میرا کوئی وصف نہیں تو قاعدے سے اس وقت میں یہ ضروری بھی نہیں سمجھتا کہ شکریہ ادا کروں، میرے متعلق کچھ باتیں فرماتے تو میں شکریہ ادا کرتا۔ آپ نے اپنی بلندی اور رفعت ظاہر فرمادی تو اس کا اعتراف کروں گا اور شکریہ ادا کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ حق تعالیٰ آپ کے اس حسنِ ظن کو قائم رکھے اور اسے ذریعہ نجات بنادے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

کچھ چیزیں میں عرض کرتا مگر وقت نہیں، انشاء اللہ دوبارہ حاضری ہوگئی تو اس وقت بیان ہوگا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں درست فرماوے اللہ سب کو حسنِ خاتمہ کی دولت عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ سب حاضرین کو جنت میں جمع فرمائے، وہاں ایک دوسرے سے خلوص اور محبت کا اظہار ہو ہی جائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دارالعلوم حقانیہ، حکیم الاسلام کی نظر میں

حسب سابق اس دفعہ بھی دورانِ قیام دارالعلوم حقانیہ میں حضرت حکیم الاسلام مدظلہ نے مختصراً کتاب الآراء میں اپنے تاثرات اور دعائیہ کلمات تحریر فرمائے۔ حکیم الاسلام کے وہ تاثرات شامل خطبات کئے جارہے ہیں تاکہ حضرت مدظلہ کے تاثرات اور دعواتِ طیبہ یکجا محفوظ ہوسکیں۔

۲۰ محرم ۱۳۹۵ھ : "نحمدہ ونصلی آج بتاریخ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں حاضری کی سعادت میسر ہوئی، اس علاقہ میں یہ دارالعلوم روشنی کا ایک مینارہ ہے جس سے چہار طرف علوم نبوت کی روشنی پھیل رہی ہے، اسی روشنی کا مخزن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب دام ظلہٗ کی ذات گرامی اور ان کی ذریت طیبہ ہے، یہ نسبت اس دارالعلوم کی عظمت کے لئے کافی ہے۔ آج سے تقریباً سات سال قبل بھی یہاں حاضری ہو چکی ہے۔ اس مختصر سی مدت میں دارالعلوم نے جو نمایاں ترقیات کی ہیں وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ دارالعلوم بحمد للہ متدین ہاتھوں میں ہے اور مسلمانوں کی پاک کمائی اپنے صحیح مصرف میں صرف ہو رہی ہے۔ حق تعالیٰ اس دینی ادارہ کو یوماً فیوماً ترقیات ظاہری و باطنی عطا فرمائے۔ اور اس کے ذریعہ اس علاقہ میں دینی فضا پیدا فرمائے۔"

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

محمد طیب غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

نزیل حال جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی سے ایک ملاقات

حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کا مقام دعوت و تجدید

علمی ، سیاسی ، معاشرتی ، تجدیدی کارنامے

پچھلے دنوں جب حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیو بند نے اپنے سفر پاکستان کے دوران اپنی خاص محبت اور تعلق کی بناء پر دارالعلوم حقانیہ کو بھی اپنی تشریف آوری سے نوازا اور دارالعلوم کی فضائیں حضرت کی آمد کی وجہ سے پر نور مجالس اور محافل سے سراپا نور بن گئیں تو اچانک دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ماہنامہ الحق کیلئے مرکز اسلام کے مدیر شہیر اور حضرت حکیم الاسلام مولانا نانوتویؒ کے علوم و اسرار کے امین سے ایک انٹرویو ریکارڈ کرایا جائے ادھر یہ خواہش ادھر حضرت کی مصروفیات اردگرد پروانوں کا ہجوم اور پھر حضرت کی علالت اور تھکاوٹ سفر کیساتھ ساتھ تازہ زکام اور نزلہ اس پر مستزاد مگر خدا کی خاصی دستگیری تھی کہ رات گیارہ بجے کے بعد اس مقصد کیلئے کچھ یکسوئی کا وقت نکل ہی آیا۔

دارالعلوم دیو بند،شجرہ طوبیٰ

مولانا سمیع الحق: حضرت سے پہلا سوال دارالعلوم دیو بند کے مستقبل کے بارہ میں تھا، بھارت سے مسلمانوں کی ثقافت ، پرسنل لاء اور ثقافتی مراکز کے متعلق جو خبریں آتی ہیں وہ اگر چہ

مبالغہ آمیز سہی لیکن پریشان کن ضرور ہوتی ہیں ، پھر مادر علمی دارالعلوم دیو بند کا تو خیال آتے ہی دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں کہ...... ع عشق ست و ہزار بدگمانی

جس شجرہ طوبیٰ کیلئے حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ،شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور شہدائے بالاکوٹ نے زمین ہموار کی جسکی داغ بیل حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتویؒ اور فقیہ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے سراپا اخلاص و عمل بزرگوں نے رکھی ، پھر جسکی حفاظت و ترقی کے لئے اساطین امت نے اپنی زندگی تج دی آج انوار و معارف قاسمیہ کے امین اور بانی دارالعلوم کے حفید رشید مولانا محمد طیب قاسمی سے پہلا سوال اسی دارالعلوم دیو بند کے بارے میں تھا ، جس کی تعمیر و تشکیل سے خود حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی پوری زندگی کی داستان وابستہ ہے حضرت نے پورے اعتماد، مضبوط ایمان اور توکل سے بھرپور انداز میں جواب دیا:

قاری طیب : جی ہاں اللہ بہتر کرے بنیاد تو اسکی ایسی ہی ہے کہ مستقبل روشن ہے انشاء اللہ، اور یہ اسلئے کہ بڑی بڑی گھاٹیاں آئیں، اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا بڑے بڑے مخالف پیدا ہوئے مگر اللہ کا فضل ہے وہ بڑھتا ہی رہا۔

دارالعلوم کا محافظ

مولانا سمیع الحق: اطمینان اور تسلی کے لئے یہی کچھ کافی تھا، مگر یکایک دھیان مولانا محمد یعقوب صاحب صدر اول دارالعلوم دیو بند کے ایک مکاشفہ یا پیشگوئی کی طرف گیا جسے کہیں پڑھا یا سنا تھا اور پھر جب یہ بھی خیال آیا کہ دارالعلوم اپنی زندگی کے سو سال تو پورے کر چکا ہے ، تو گویا دل و دماغ پر ایک بجلی سی کوند پڑی اور سائل نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب سے اس بارہ میں پوچھا کہ: حضرت ! کسی بزرگ غالباً مولانا محمد یعقوب صاحب کا ایک مقولہ سننے میں آیا ہے کہ سو سال تک تو اس دارالعلوم کا خدا محافظ ہے، اس کے بعد

حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کا جو فیصلہ ہو حضرت نے اسکا جواب دیا اور یکا یک فکر و اضطراب کی گھٹائیں اطمینان اور امید کی قندیلوں سے روشن ہوگئیں۔

مولانا محمد یعقوب کا ہندوستان میں دوبارہ اسلامی حکومت کی امید افزا پیشنگوئی

قاری محمد طیب: حضرت نے فرمایا ''نہیں اتنا میں نے سنا ہے کہ یہ مدرسہ چلتا رہے گا ، چلتا رہے گا یہاں تک کہ ہندوستان میں انقلاب ہو اور یہ مدرسہ پھر اسلامی حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے اس پیشنگوئی سے ہم تو بڑی امیدیں باندھے ہوئے ہیں'' پھر حضرت نے خود فرمایا یہ ایک عجیب بات ہے اور اب تک پوری ہوتی آرہی ہے''

حضرت قاری صاحب وضاحت فرما رہے تھے ، اور چشم تصور نے دہلی کے لال قلعہ پر ہلالی پرچم لہراتا دیکھا، کانوں نے اس کی سرسراہٹ محسوس کی اور مسلمانوں کی عظمتوں کی امین سرزمین پرشوکت اسلام کے تصور ہی سے دل خوشی سے جھوم اٹھا، مگر کیا خبر کہ یہ سنہرا خواب بھی زندگی کی اور حسرتوں کی طرح شرمندہ تعبیر ہوتا ہے یا نہیں اس امید وبیم میں راقم الحروف نے اپنی بات دوسرے پیرایہ میں دہرائی۔

مولانا سمیع الحق: حضرت تجدید دین کا زمانہ تو اشخاص و افراد کے لحاظ سے سو سال کا ہوتا ہے، تو یہ تو دین اور علوم دین کا ایک مجدد ادارہ ہے تو اسکی عمر تو ہزاروں سال ہونی چاہئے ابھی میں نے اپنی بات پوری نہیں کی کہ حضرت نے ایسا امید افزا اور ایمان پرور جواب دیا کہ دل و دماغ میں فکر و اضطراب کی بجائے خدا کی رحمت اور وعدہ حفاظت دین کے یقین کی شمع فروزاں ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند جامع المجدد دین اور اکابر کی تجدید کا مظہر اتم ہے

قاری محمد طیب: حضرت نے فرمایا ''میں نے اپنے بزرگوں مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ اور دیگر حضرات سے کئی بار سنا ہے کہ مجدد کیلئے شخص واحد کا ہونا ضروری نہیں بلکہ جماعت بھی

ہو سکتی ہے اور ان حضرات نے فرمایا کہ یہ جو حضرت گنگوہیؒ حضرت نانوتویؒ اور ان اکابر کی جماعت ہے یہ سب مجدد ہیں جنھوں نے سنت اور بدعت میں معروف اور منکر میں تمیز پیدا کی، اور اس کے بعد فرمایا کہ ان حضرات کی تجدید کا مظہر اتم یہ دارالعلوم ہے اسی کو مجدد کہا جائے اور مولانا حبیب الرحمانؒ نے دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ جو عمل ہے تجدید دین کا اس کی نسبت اور قیام کا مرکز ہے دارالعلوم اور ہندوستان میں یہ دارالعلوم قطب الرحیٰ کی حیثیت رکھتا ہے جیسے چکی کے پاٹوں کے بیچ میں کلی ہوتی ہے تو اس کے اردگرد چکی کے پاٹ گھومتے ہیں اسی طرح یہاں کے نہ صرف دینی معاملات بلکہ ملکی معاملات بھی اس کے اردگرد گھوم رہے ہیں، اس کے اندر کچھ قوت اور مقناطیسی طاقت خدا نے رکھی ہے'' اور تیسری بات جس سے ڈھارس بندھتی ہے وہی مولانا یعقوب صاحب کا مقولہ کہ یہ دارالعلوم چلتا رہے گا یہاں تک کہ ہندوستان میں انقلاب آجائے اور یہ پھر اسلامی حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے۔

اصاغر نوازی اور انٹرویو نگار کی ستم کاری کا شکوہ

مولانا سمیع الحق: حضرت اپنی بات ابھی سمیٹ رہے تھے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ مجلس میں تشریف لائے اور حضرت کے پہلو میں بیٹھ گئے حضرت نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انٹرویو نگاروں کی ستم کاری کا شکوہ اس ظرافت آمیز انداز میں فرمایا کہ ان لوگوں کا منشاء یہ ہے کہ تم رات کو بھی جاگے ہو دن کو بھی نہیں سونا چاہئے آج بھی جاگنا چاہیے اور کل کو آٹھ گھنٹے کا سفر ہے جاگ کر چلے جانا تا کہ مجاہدہ مکمل ہو جائے۔

پاکستان کی پابندی لگانے کی شکل میں پذیرائی پر ظریفانہ تبصرہ

بزرگوں کی شفقت سے طبیعت میں جو گستاخی اور شوخی آگئی ہے، اس کی بناء پر عرض کیا گیا کہ حضرت پورے سفر میں ہماری ''قدرشناس میزبان حکومت'' نے آپ کے

تقریر و بیان پر پابندی لگا کر آپ کو بڑی راحت پہنچائی ہے اب ہم کل سے اس کی کسر یہاں دارالعلوم حقانیہ میں نکالنا چاہتے ہیں حضرت نے جن کی طبیعت کو خدا نے شکوہ و شکایت کی بجائے صبر و تمکنت اور تحمل کی نعمت سے بڑی فراوانی سے نوازا ہے۔

شکوہ شکایت کے بجائے علو اخلاق کا پہلو

ہماری اسلامی حکومت کے اس سرا سرنا مناسب اقدام پر احتجاج یا افسوس کی بجائے احسان مندی کے لہجے میں فرمانے لگے کہ جی ہاں یہ تو واقعی یہاں کی حکومت کا میرے ساتھ دانستہ احسان ہے یا پھر میرے ضعف بڑھاپے اور علالت پر خداوند کریم کا غیبی کرم' ورنہ تقریر پر پابندی نہ ہوتی اور ہر جگہ دوستوں کے تقاضا پر مجھے بولنا پڑتا تو شاید میری طبیعت اسکی متحمل نہ ہوسکتی گو میں تو وہاں سے یہ ارادہ کر کے آرہا تھا کہ تقریر و بیان سے حتی الوسع علالت کی وجہ سے پہلو تہی کروں گا عالم اسلام کے ایک جلیل القدر عالم دین اور مسلمانوں کے قابل فخر بزرگ کی اپنے ملک میں اس ''پذیرائی'' کا ذکر چھیڑ کر مجھے خود ندامت اور خفت محسوس ہونے لگی مگر حضرت کی زبان سے ایسا تبصرہ سن کر اپنے اکابر کی شرافت نفس اور علو اخلاق کا ایک پہلو تو سامنے آہی گیا۔

پورا گلشن دامان نگاہ میں سمیٹنے کی خواہش

اس کے بعد گویا اصل انٹرویو شروع ہوا اور ایک پرزہ جس پر عجلت میں چند سوالات لکھے گئے تھے حضرت کی طرف بڑھایا گیا، حضرت نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور پھر گویا ہماری طفلانہ خواہش اور تنگی دامان کو دیکھ کر مسکرانے لگے ''ارے بھئی! یہ تو بڑے لمبے سوال ہیں اس میں سے کسی ایک سوال کے ایک گوشہ پر گفتگو کیلئے بھی یہ پوری رات ناکافی ہے' مگر ایک سدا بہار گلشن سے گزرنے والے کسی سراپا شوق کی نظر تو اپنی تنگ دامنی سے زیادہ انواع و اقسام کی زیبائش اور رعنائی پر ہوتی ہے اس کے دامان نگاہ میں تو پورا چمن سمیٹ لینے کی چیز ہے کہ پھول ہے تو یہی اور سرسبز و شاداب گوشہ ہے تو بس یہی۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی انٹرویو نگار سمیع الحق کی نظروں میں

مولانا سمیع الحق: سب سے پہلا سوال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارہ میں تھا جن کے سر پر خدا نے ظلمت کدۂ ہند میں حفاظت دین کا سہرا باندھا اور جن کی مومنانہ بصیرت، مجاہدانہ جدوجہد، حکیمانہ علوم اور جدید علم کلام کی وجہ سے خداوند کریم نے دور غلامی میں اسلام اور اسلامیان ہند کے علوم و تہذیب کو محفوظ رکھا بلا شبہ اس امام کبیر کی نظیر قرون اولیٰ ہی میں مل سکتی ہے علم میں، عمل میں، جہاد اور ریاضت میں، تدبر اور سیاست میں، تصوف اور سلوک میں، حضرت حجۃ الاسلام یکتائے روزگار تھے ایک نقادِ عالم نے بالکل صحیح کہا کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی ذات ستو دہ صفات انیسویں صدی کے نصف آخر میں بے شبہ آیت من آیات اللہ تھی آپ کے علمی، اخلاقی اور روحانی کارنامے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قدرت نے رازیؒ کا فلسفہ، شعرانیؒ کا علم الکلام، غزالیؒ کا سوز و گداز، ابن تیمیہؒ کا صولت بیان، ولی اللہ کی حکمت و دانش، احمد سرہندیؒ کی غیرت و حمیت اسلامی اور ٹیپوؒ کی شجاعت یہ سب چیزیں کس فیاضی سے ایک شخص میں جمع کر دی تھیں اور بقول حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ ہمارے اکابر تو وہ ہیں کہ اگر ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرا دیا جاوے اور بتلایا نہ جاوے تو دیکھنے والے رازیؒ اور غزالیؒ ہی کی سمجھیں گے اور آج حضرت قاری صاحب سے اسی امام دعوت و عزیمت، سرخیل ارباب صدق و صفا علمبردار جہاد و حریت اور نابغۂ روزگار شخصیت کے مقام دعوت و عزیمت پر کچھ روشنی ڈالنے کیلئے کہا گیا تھا اور حجۃ الاسلامؒ کے پوتے فرما رہے تھے......

اسلامیان ہند کی تہذیب کے محافظ حضرت نانوتویؒ کے تین بڑے کارنامے

قاری محمد طیب: حضرت نانوتویؒ نے زندگی میں جو کام انجام دیئے وہ تو بہت زیادہ ہیں لیکن

بنیادی طور پر تین بڑے بڑے کام انجام دئے سب سے پہلا کام دارالعلوم دیو بند کا قیام ہے، یہ اتنا عظیم کام ہے کہ پوری دنیا پر اس نے اثر ڈالا ہے دوسرا کام یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ خلافت اسلامیہ کی تائید میں ہمہ وقت منہمک رہے سلطان عبدالحمید خان خلیفہ تھے۔

خلافت عثمانیہ کے تحفظ کیلئے تگ و دو

گو وہ خلافت نام کی رہ گئی تھی مگر حضرت چاہتے تھے کہ وہ نام ہی قائم رہے اس سے تمام ممالک اسلامیہ میں ایک مرکزیت قائم رہے گی اس لئے حضرت نے خود بھی سلطان کی حمایت میں قصیدے لکھے مولانا محمد یعقوبؒ اور مولانا ذوالفقار علیؒ سارے بزرگ رطب اللسان رہے اور جب بھی ترکوں سے کسی کی جنگ ہوئی ، یہ حضرات ترکوں کی حمایت میں کھڑے ہوئے ، کہیں چندہ جمع کر رہے ہیں کہیں رائے عامہ بیدار کر رہے ہیں غرض ہمہ وقت مصروف رہتے تو مقصد یہی تھا کہ خلافت کا نام قائم رہے تا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں کچھ نہ کچھ ارتباط تو قائم رہے۔

نکاح بیوگان جیسے ہندوانہ رسوم سے مسلمانوں کو نجات

اور تیسری چیز یہ انجام دی کہ دیو بند اور نواح دیو بند میں نکاح بیوگان کو انتہا درجہ کا عیب سمجھا جاتا تھا اور یہ چیز ہندوؤں سے آئی تھی ، اگر کسی نے نام بھی لیا تو تلواریں نکل آتی تھیں حضرتؒ نے لطیف پیرایہ میں اسکی تحریک شروع کی جب اندرونی طور پر خواص کو اپنا ہم خیال بنایا تو اس کے بعد جلسہ عام کیا ہمارے یہاں دیوان کا دروازہ جو ہے وہ نواب لطف اللہ خان مرحوم کا محل ہے، جو اورنگ زیبؒ کے وزیر خارجہ تھے اور دیو بند میں عثمانیوں کے مورث اعلیٰ تھے ، اس میں حضرت نے وعظ فرمایا ، بہت بڑا مجمع تھا درمیان میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ حضرت ! مجھے کچھ عرض کرنا ہے فراست سے سمجھ گئے کہ کیا کہنا ہے؟

سنت رسول ﷺ کے احیاء کیلئے عمر رسیدہ بیوہ بہن کے قدموں میں بیٹھ گئے

جواب میں فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں ، ایک ضرورت پیش آئی ، لوگوں نے سمجھا کے استنجا وغیرہ کی ضرورت پیش آئی ہوگی حضرت گھر میں گئے حضرت کی بڑی بہن بیوہ تھی ،۹۵ برس کی عمر میں نہ نکاح کے قابل نہ کچھ مگر اعتراض کرنے والے کو اسکی کیا ضرورت ہے وہ تو یہ کہتا ہے کہ آپ دنیا کو نصیحت کرتے ہیں مگر آپ کی بہن تو بیٹھی ہے ، گھر میں گئے تو بڑی بہن کے پیروں پر ہاتھ رکھا ، انہوں نے گھبرا کر کہا کہ بھئی! تم عالم ہو یہ کیا کر رہے ہو؟ فرمایا میں بہر حال آپ کا چھوٹا بھائی ہوں آج ایک سنت رسول ﷺ زندہ ہوتی ہے اگر آپ ہمت کریں تو آپ پر موقوف ہے فرمایا کہ میں ناکارہ اور سنت رسول ﷺ کی احیاء میری وجہ سے؟ حضرت نے فرمایا کہ آپ نکاح کر لیجئے فرمایا کہ بھئی ! تم میری حالت دیکھ رہے ہو منہ میں دانت نہیں کمر جھک گئی ، ۹۵ برس میری عمر ہے ، کہا یہ سب میں جانتا ہوں مگر اعتراض کرنے والے اس چیز کو نہیں دیکھتے تو فرمایا کہ اگر سنت رسول ﷺ میری وجہ سے زندہ ہو سکے تو میں جان قربان کرنے کو بھی تیار ہوں تو ان کے دیور کی بیوی کا انتقال ہوا تھا اور ان کے خاوند کا وہاں پر جو چودہ پندرہ آدمی تھے خاندان کے انہی کے سامنے نکاح پڑھایا گیا ، گواہ بنا دئے گئے ، اس میں کچھ دیر لگ گئی ، پھر حضرت نانوتویؒ باہر آئے اور مجمع میں دوبارہ تقریر شروع کی وہی سائل پھر کھڑا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے فرمایا کہئے! اس نے کہا آپ دنیا کو نصیحت کر رہے ہیں اور آپ کی بہن بیوہ بیٹھی ہے تو ہم پر کیا اثر ہوگا ؟ فرمایا کون کہتا ہے؟ ان کے نکاح کے تو شاید گواہ بھی یہاں موجود ہوں گے دو تین آدمی درمیان میں کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ہے اصلاح معاشرت اور رسومات مٹانے کیلئے حضرت نے خود اپنے گھر سے قربانی پیش کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی مجلس میں ستر ۷۰، اسی ۸۰ نکاح پڑھے گئے اور پھر یہ سنت ایسی کھلی کہ ہزاروں بیواؤں کا نکاح ہوگیا۔

دارالعلوم اور دیگر مدارس کے قیام کے ذریعہ مسلمانوں کے مستقبل اور دین کا تحفظ کیا

تو پہلی چیز تو دارالعلوم کے قیام پر زور دیا اسکی روح فی الحقیقت یہ تھی کہ علوم نبوت اگر عام ہوئے اور ایمان سنبھل گئے تو پھر مسلمان سب کچھ کر سکتے ہیں اور اگر ایمان ہی نہ رہا تو پھر کچھ نہیں کر سکتے اس لئے کہ جب شوکت اور حکومت جا چکی تو کم از کم دین تو محفوظ رہ جائے وہ رہ گیا تو آگے سب کچھ ہو جائے گا اس لئے سفر میں جہاں بھی گئے تو مدارس قائم کرتے چلے گئے مراد آباد میں مدرسہ شاہی، امروہہ میں مدرسہ چلہ، بریلی میں مدرسہ اشاعت العلوم انبیٹھہ اور تھانہ بھون میں دینی مدرسے اور گلاوٹی میں مدرسہ قاسمیہ قائم کیا اور جتنے متوسل تھے خطوط لکھتے رہے کہ جہاں ہو مدرسہ قائم کرو اور یہ حضرت کی ایک بڑی سیاست تھی اور اس کا حاصل یہ تھا کہ قوم کو علم کے راستے سے تیار رکھنا کہ وہ مضبوطی سے قائم رہے اور جب دین ہوگا تو آئندہ ممکن ہے کہ ان میں شوکت اور قوت بھی آجائے ادھر معاشرت کو درست کیا معاشرے کی سب سے بڑی خرابی نکاح بیوگان کی طرف توجہ دی۔

افغانستان سے تعلقات اور روابط کی تجدید

تیسری چیز یہ تھی کہ خلافت اسلامیہ کے طرف لوگوں کو مائل کیا، ہر وقت اس کا دھیان جس سے میں نے یہی سمجھا کہ حضرت چاہتے تھے کہ اسلامی نظام کی کوئی نہ کوئی بود و نمود باقی رہے اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے تو کم سے کم کسی اسلامی حکومت سے تو مربوط رہے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی امیدوں کا مرکز بہت دنوں تک افغانستان رہا اور برطانیہ کو یہ شکایت رہتی کہ یہ جماعت شورش کر رہی ہے اور افغانستان سے ملکر برطانوی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی ہے مگر ان حضرات کو اس کی کیا پرواہ تھی؟ افغانستان سے برابر اپنا ایک رابطہ قائم رکھا اور یہی وجہ ہوئی کہ جب امیر نادر

خان کا انتقال ہوا اور ظاہر شاہ تخت سلطنت پر بیٹھ گئے تو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا کہ امیر مرحوم کی تعزیت اور امیر موجود کی تہنیت کروں۔

شاہ افغانستان کا بے پناہ اظہار محبت وعقیدت

میں افغانستان حاضر ہوا اور میں نے یہ تحریر لکھ کر پیش کی کہ ہمارا مقصد کوئی مالیہ اور چندہ لینا نہیں بلکہ ان روابط کو زندہ کرنا ہے جو ہمارے اکابرؒ کے تھے جس پر صدر اعظم نے مجھے بلایا امیر بڑی عنایت و شفقت سے پیش آئے جب میں قصر صدارت میں پہنچا تو ہم لوگ بیٹھ گئے اور یہ خیال تھا کہ شاید ملاقات کے کمرہ میں بلایا جائے گا لیکن یکا یک دیکھا کہ خود صدر اعظم وہیں آرہے ہیں ہم سب لوگ کھڑے ہوئے آگے بڑھے تو وہی افغانی طریقہ پر معانقہ دایاں بایاں مونڈھا چومنا، پوری محبت کا اظہار انہوں نے کیا اس کے بعد فرمایا بفرمائید آپ آگے چلیں میں نے کہا نے نے خلاف ادب است فرمایا: نہیں نہیں آپ کو آگے چلنا ہوگا اور میں اسکی وجہ بتاؤں گا۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اب ہم اس شان سے چلے کہ میں آگے آگے میرے پیچھے صدر اعظم صاحب ان کے پیچھے سردار نعیم خان اور ان کے پیچھے مولانا محمد میاں صاحب (منصور انصاریؒ) اور ان کے پیچھے غازی صاحب اس ترتیب سے ہم آگے بڑھے تو وہ جو رسی کرسی تھی' اس پر مجھے بٹھلایا اور خود دوسری کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ......

ظاہر شاہ اور افغانستان کی حکومت اکابر دیوبند کی توجہ سے ملنے کا اعتراف

اب میں وجہ بیان کرتا ہوں اور وجہ مختصر یہ ہے کہ حکومت کابل کی یہ خدمت ہمیں آپ بزرگوں کی دعاؤں سے ملی ہے اور یہ اشارہ تھا اس طرف کہ امیر نادر خان صاحب کے چچا اور تایا سردار محمد یوسف خان اور سردار محمد آصف خان یہ دونوں بیعت تھے حضرت گنگوہیؒ سے اور برطانیہ نے انہیں ڈیرہ دون میں نظر بند رکھا تھا تو یہ حضرات

شکار کے حیلے سے گنگوہ آکر حضرت کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور حضرت کوئی نصیحت فرمادیتے ......آخری دفعہ جب ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ جاؤ کابل کی حکومت تمہارے خاندان میں آئے گی اور عدل سے کام کرنا“

انہیں حیرت ہوئی کہ کابل کی حکومت سے ہمارا کیا تعلق امان اللہ کی حکومت تھی یہ لوگ بنی اعمام میں سے تھے، تو انہیں عہدے سے وزارتیں وغیرہ تو ملتی تھیں مگر حکومت کا کوئی سوال نہ تھا وہ سمجھے کہ حضرت نے حوصلہ افزائی کے طور پر ایک کلمہ کہہ دیا ہے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ بچہ سقہ کی حکومت آئی امان اللہ خان معزول ہوئے کیونکہ اسی نے مظالم ڈھائے تو قوم متوجہ ہوئی کہ امیر نادر خان کو فرانس سے بلایا جائے وہ آئے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور پھر شہید ہوگئے تو صدر اعظم کا اشارہ اسی طرف تھا۔

مولانا قاسمؒ کی ٹوپی اور تبرکات سے جسمانی اور روحانی استفادہ

پھر صدر اعظم نے فرمایا: کہ ہمارے پاس کچھ تبرکات آپ کے بزرگوں کے محفوظ تھے مولانا نانوتویؒ کی ایک ٹوپی تھی جو میری والدہ کے پاس تھی اور ہمیں جب کوئی بیماری ہوتی تو والدہ ہمیں وہ ٹوپی اڑاتی تھی اور ہمیں شفا ہو جاتی آج ڈاکٹر رفقی بے (جو ترک ہے) کو ہم چھ ہزار روپے ماہانہ دیتے ہیں مگر اسکے نسخوں سے وہ شفا نہیں ہوتی جو ان تبرکات کی وجہ سے ہوتی اور فرمانے لگے کہ بچہ سقہ کے زمانے میں ہمارا گھر لوٹا گیا، لاکھوں روپیہ کا سامان چوری ہو گیا، لیکن ہمیں صدمہ ہوا تو تبرکات کا جس کا آج تک ہمارے اوپر اثر ہے پھر صدر اعظم افغانستان نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو آگے بڑھا رہا ہوں۔

شیخ الہند کی تحریک اکابر کی منصوبوں کی تکمیل اور مولانا نانوتویؒ کا ورثہ

یہ تو افغانستان سے روابط تھے اور سلطان عبدالحمید خان ترکوں سے تعلق کا حال معلوم ہوا، جس سے ان حضرات کے ذہن کا اندازہ ہوتا ہے کہ یوں چاہتے تھے کہ کسی

طرح اسلامی حکومت بازیافت ہو جائے، مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو شیخ الہندؒ کی بھی یہی تحریک تھی وہ چاہتے تھے کہ عالم اسلام متحد ہو کر ترک اور افغانستان سب مل ملا کر ہندوستان پر حملہ آور ہوں حضرتؒ کی یہ تحریک تھی اور وہ ہوئے بھی حملہ آور مگر کچھ تو یہ ملک تیار نہ تھا، کچھ مجاہدین نا تربیت یافتہ تھے، نتیجہ شکست کی صورت میں نکلا اور یہ خواہش انہیں ورثہ میں اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ سے ملی تھی ۱۸۵۷ء میں تو گویا حضرت جوش جہاد میں غرق تھے اور بس یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح جان دے دوں شاملی میں تلواروں سے مقابلہ بھی کیا۔

علمی، معاشرتی، سیاسی اور اجتماعی کارنامے

الغرض حضرت کی زندگی کے کارناموں میں ایک علمی کارنامہ تو دار العلوم ہے، جس کا فیض اطراف عالم میں پہنچا، دوسرا معاشرتی کارنامہ ہے، اور تیسرا سیاسی اور اجتماعی کارنامہ کہ تہذیب و تعلیم ہی کے سلسلہ میں سہی مگر ممالک اسلامیہ میں کوئی نہ کوئی ربط قائم رہے۔

محکمۂ قضاء کا قیام

اس سلسلہ میں حضرت نے دار العلوم دیوبند میں محکمہ قضاء قائم کیا اور مولانا یعقوب کو قاضی بنایا تو ہزاروں مقدمات جو برسہا برس سے الجھے ہوئے تھے منٹوں میں طے ہوئے لوگوں کا وقت اور مالیہ بچا، یہ سلسلہ جاری رہا، مگر انگریز نے آخر میں آکر توڑ دیا دیوبند میں ایک تھانیدار کو بھیجا جو بڑا سخت قسم کا آدمی تھا چنانچہ وہ آیا رمضان شریف کا آخری عشرہ تھا اس نے آکر حضرت نانوتویؒ سے مصافحہ کیا اور بہت جرأت کے ساتھ کہا کہ کیا آپ ہندوستان میں شرع محمدی کا جھنڈا گاڑنا چاہتے ہیں کیا آپ نے محکمہ قضا قائم کیا؟

محکمہ قضا پر ناراض انگریز حکام کو دھکے دیکر نکالنا

حضرت نے بڑی نرمی سے کہا کہ یہ تو ہم لوگ گورنمنٹ کی مدد کر رہے ہیں جو

لاکھوں روپے خرچ کر کے مقدمات فیصل کرتی ہے ہم نے منٹوں میں فیصل کر دیا، مگر اس نے کہا کہ نہیں آپ پورا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، میں رپورٹ کروں گا اس پر حضرت کو غصہ آیا اور کہا کہ کان پکڑ کر اسے نکال دو، طالب العلموں نے دھکے دیکر اسے نکالا اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ جا ہم تیری رپورٹ کریں گے، نکال دو اس شیطان کو یہاں سے بہر حال عید کا دن آیا، تھانیدار کے ہاں دودھ کے بالٹے بھرے تھے، کپڑے تیار خوشیاں منائی جارہی تھیں کہ اچانک گورنمنٹ کا حکم پہنچا کہ اسکی رشوتوں کی انتہا ہوگئی ہے اس کو فوری برخاست کیا جائے اور بازار میں دکان دکان پر جہاں سے اس نے رشوت لی پیروں میں رسی ڈال کر اسے پھرایا جائے تو اس حالت میں اسے گھمایا گیا کہ یہ روتے ہوئے کہتا جارہا تھا کہ افسوس! میں نے تو رپورٹ نہیں کی مگر مولوی جی نے میری رپورٹ کردی تو اس کا خمیازہ جلد اس نے بھگت لیا اس کی جگہ دوسرا آیا اس کے بعد ان بزرگوں کی وفات ہوگئی اور وہ محکمہ نہیں چلا۔

چوتھا منصوبہ اسلامی پرسنل لاء قانون شریعت کے مطابق ہو

تو حضرت کا چوتھا منصوبہ یہ تھا کہ اسلامی پرسنل لاء اور مخصوص قانون شریعت کے مطابق طے ہو اسی کے تحت دارالعلوم دیوبند کے اکابرؒ نے جب لنڈن سے مسٹر مانڈ لے وزیر ہند آیا اور جارج کا زمانہ تھا، تو میرے والد صاحب (مولانا حافظ محمد احمدؒ) علماء کا ایک وفد لے کر ان سے ملنے کے لئے گئے اور درخواست یہ کی کہ ہندوستان میں محکمہ قضا قائم کر دیا جائے جس میں شریعت اسلام مخصوص چیزیں نکاح، طلاق، عدت، میراث، اوقاف وغیرہ طے ہوں خیر اس نے ظاہراً تو کہا کہ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا اور پارلیمنٹ میں بھی لیکن یہ ایک وقتی بات تھی نہ اس نے یہ پیش کیا نہ ایسا ہوا مگر ان بزرگوں کا جذبہ برابر یہی تھا کہ اسلامی اقتدار مسائل کے درجہ میں سہی، قائم ہو جائے۔

تحفظ خلافت اور اسلامی روابط کی خاطر حج پر زور

تحفظ خلافت اور روابط اسلامیہ کے سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ نے ایک کام یہ کیا کہ لوگوں کو بہت زیادہ حج کے لئے مائل کرتے تھے اور فرمایا کہ اول تو عبادت ہے اور عبادت بھی اجتماعی، وہاں جا کر مکہ والوں سے بھی سابقہ پڑے گا وہاں اسلامی حکومت دیکھیں گے تو ان کے قلوب پر اثر پڑے گا تو شوکت اسلامی کے جذبات لیکر آئیں گے تو علم و معاشرت، سیاست اور خلافت یہ چند چیزیں ایسی ہیں جو حضرت کی تمام خدمات کی محور ہیں۔

مولانا سمیع الحق: رات آدھی گزر چکی تھی مگر شرکاء مجلس ذکر قاسمیؒ میں ایسے محو کہ گویا ایک حسین خواب دیکھ رہے ہوں اور زمانہ پیچھے کی طرف پلٹ گیا ہو کہ یکا یک حضرت قاری صاحب نے بساط لپیٹنی چاہی، سننے والے چونک پڑے اور حضرت کے ضعف و نقاہت کے باوجود ان کی توجہ حضرت نانوتویؒ کی ایک مخصوص شان علمی کمالات کی طرف مبذول کرنا چاہی کہ ابھی ذکر محبوب کچھ دیر اور چلتا رہے کہ اصحاب غرض کو تو اپنی مطلب برآری سے ہی کام ہوتا ہے ورنہ عقل اور ادب دونوں حضرت کو مزید تکلیف دینے سے روک رہے تھے، مگر دل بضد تھا کہ......

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

علمی شان تجدید نئے علم کلام کی بنیاد

حضرت نانوتویؒ کی علمی شان تجدید کا ذکر آیا تو حضرت قاری صاحبؒ گویا یکدم تازہ دم ہوئے اور فرط نشاط میں محو ہو کر فرمانے لگے کہ علوم و معارف میں بھی حضرت کا بالکل مجددانہ انداز ہے حضرت کی جو تصانیف ہیں مولانا شبیر احمد عثمانی کی نگاہ بہت تھی تصانیف پر، اور یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ سو برس تک فلسفہ کتنے روپ بدل کر آئے، لیکن

حضرت کی حکمت اسکی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہوگی ،سو برس تک کوئی اسلام کا مقابلہ اور اسلام پر حملہ حجت سے نہیں کرسکتا اتنی حجتیں جمع فرمادیں ،تو گویا ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈال دی جس سے اسلامی حقائق اور دقائق پورے واضح ہوتے ہیں اور مولانا حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی نظر کے لحاظ سے کہتا ہوں کہ سلف میں بھی بہت کم لوگ ملیں گے جنہوں نے اس قسم کی حکمت جمع کی ہو یہ حضرت ہی کا حصہ ہے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کی ہر چیز بیچ کی نہ تھی بلکہ آخری کنارے پر لگی ہوئی ۔

مولانا یعقوب کی توجہ پر نا قابل برداشت علم کا دریا قلب سے گذرا

نا قابل برداشت علم کا دریا مولانا یعقوب کے قلب پر توجہ قلب سے گزرا علم کے بارہ میں ایک بات مجھے اور یاد آئی کہ مولانا یعقوب صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں سے تھے ،اور ان کے ہاں اخفاء تھا نہیں ، جو واردات ہوتی صبح طالب العلموں کے سامنے پیش کر دیتے کہ یہ رات کو کشف ہوا ، یہ الہام ہوا ، یہ عادت تھی تو ایک دن فرمایا کہ بھئی آج صبح کی نماز پڑھنے کھڑا ہوا تو بال بال بچ گیا ، میرے مرنے میں کسر نہیں تھی، طلبہ نے عرض کیا کہ کیا پیش آئی فرمایا کہ قرآن کریم کے علم کا ایک اتنا بڑا دریا میرے قلب کے اوپر گذرا اور غنیمت یہ ہے کہ وہ گزرتے ہی نکل گیا ، ورنہ میں تحمل نہیں کرسکتا تھا اس کے بعد خود فرمایا کہ میں مراقب ہوا کہ یہ کیا چیز تھی تو منکشف یہ ہوا کہ میرے بھائی حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں میری طرف متوجہ ہوئے ، ان کی توجہ کا یہ اثر کہ علم کا ایک عظیم دریا میرے قلب پر سے گزرا اور اس کے بعد جس شخص کی توجہ کا اتنا اثر ہے کہ اتنا بڑا علم گذر جائے کہ برداشت نہ کر سکے تو وہ شخص خود اتنا بڑا علم کس طرح اٹھائے پھر رہا ہے ۔

مولانا یعقوب جیسے ائمہ علم وفن کی تفسیر پڑھنے کی خواہش درس میں نا قابل فہم علوم ومعارف کا نزول

اس میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مولانا یعقوب اور تمام اساتذہ دارالعلوم نے جن میں اساتذہ بھی ائمہ فنون تھے مولانا سعید احمد صاحب امام معقولات سمجھے جاتے تھے ان سب نے ملکر حضرت نانوتویؒ سے درخواست کی کہ تفسیر کی کوئی کتاب پڑھادیں تا کہ قرآنی علوم ہم بھی سیکھیں حالانکہ یہ سب ائمہ علوم تھے مولانا یعقوب تو صدر مدرس تھے ،تو حضرت نے منظور فرمایا چھتہ کی مسجد میں حضرت نے درس شروع کر دیا الم سے شروع فرمایا تو حروف مقطعات پر کوئی دو ڈھائی گھنٹہ تقریر فرمائی اور عجیب وغریب علوم و معارف ارشاد فرمائے اور یہ عجیب بے نفسی کا دور تھا کہ یہ سارے اساتذہ سبق پڑھ کر باہم کہنے لگے کہ بغیر تکرار کے یہ علوم محفوظ نہ ہوں گے لہذا تکرار کیا جاوے تو نودرہ میں بیٹھ کر تکرار شروع ہوگیا ،مولانا یعقوب نے تقریر شروع کی بیچ میں ایک جگہ رکے بات یاد نہیں رہی کسی اور کو بھی یاد نہ آئی ،تو کہا میں مولانا سے پوچھ کر یہ تقریر کروں گا تو صبح کی نماز پڑھ کر حضرت جب اپنے حجرہ میں آرہے تھے تو مولانا یعقوب نے عرض کیا کہ حضرت تقریر کا فلاں حصہ یاد نہیں رہا تو کھڑے کھڑے حضرت نے تقریر شروع کی ، مولانا فرماتے ہیں کہ نہ لفظ اس عالم کے تھے نہ معنی اس عالم کے ایک حرف بھی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فرمارہے ہیں ،تو عرض کیا کہ حضرت ذرا نازل ہوکر فرمائیے کہ کچھ سمجھ جاؤں، اب دوبارہ تقریر شروع کی تو الفاظ سب سمجھ میں آئے مگر معانی نہیں ،تو پھر عرض کیا کہ حضرت کچھ اور نازل فرمایئے ہم وہاں تک نہیں پہنچے تو فرمایا کہ مولانا دوسرے وقت آیئے گا۔تو اس وقت کہوں گا ،تو علوم میں اس وقت کتنا عروج ہوگا کہ ادھر کہہ رہے ہیں اور ادھر سمجھ میں نہیں آرہا ،تو علم کا یہ حال تھا اور عمل تو ظاہر ہے ۔

علوم و معارف نانوتویؒ کی تسہیل

مولانا سمیع الحق : راقم نے عرض کیا کہ حضرت ایسے علوم و معارف کی تسہیل اگر ہو جائے تو اس میں بہت سے فتنوں کا علاج ہے ، قاری محمد طیب نے فرمایا! ہاں ہم نے مجلس معارف القرآن سے اسے شروع کیا اور ایک آدھ رسالہ چھاپا بھی ، تسہیل بھی کی لیکن یہ سلسلہ چلا نہیں اس لئے کہ علماء کی توجہ نہیں ، وہ کہتے ہیں کہ یہ مغلق مضامین ہیں میں نے کہا کہ بھئی ! حمد اللہ اور ملا حسن اور قاضی سمجھ لو تو ان علوم میں کیا دقت ہے تو ارادہ نہیں سمجھنے کا عرض کیا گیا کہ کاش ! مولانا مناظر احسنؒ گیلانی نے سوانح قاسمی میں علوم قاسمی کا جو منصوبہ پیش کیا ، اس کے مطابق کام کرنے کی کوئی صورت نکل آئے ، حضرت قاری صاحب فرمانے لگے کہ وہ منصوبہ میں نے ہی مولانا گیلانی مرحوم کے سامنے رکھا تھا کہ آپ نے تین جلدوں میں سوانح لکھی مگر اصل سوانح تو حضرت کے علوم ہیں آپ اس پر تبصرہ کریں مگر افسوس! کہ اس کام سے پہلے مولانا گیلانیؒ کی وفات ہوگئی ، پانچ ہی صفحات مقدمہ کی شکل میں لکھ پائے تھے الغرض بڑے عجیب وغریب علوم وحقائق ہیں۔

مولانا سمیع الحق : حضرت قاسم العلوم کی سراپا نور زندگی کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالنے کے بعد اب اگلا سوال خود حضرت حکیم الاسلام کی زندگی کے بارہ میں تھا ، اور ڈرتے ڈرتے حضرت سے کچھ اپنی زندگی کے بارہ میں ارشاد فرمانے کی جرأت کی گئی ۔

اپنی آپ بیتی

حضرت مسکرا کر فرمانے لگے میری زندگی کیا جو میں بیان کروں ہاں ایک تو پیدائش کا قصہ ہے جو مجھے یاد آیا اور جسے اپنے بڑوں سے میں نے سنا وہ یہ کہ میرے والد صاحب (مولانا حافظ محمد احمد مرحوم) کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی ، جو شادی خود حضرت نانوتویؒ نے کرائی تھی تو سارے بزرگوں بالخصوص حضرت شیخ الہند کی یہ تمنا تھی کہ حضرت

نانوتویؒ کی نسل چلے تو دوسری شادی دیو بند میں کرائی ، اس سے میرے تین بھائی مجھ سے پہلے پیدا ہوئے ، لیکن وہ کمسنی میں پیدا ہوتے ہی مر گئے ۔

شیخ الہند کی مستجاب الدعوات بزرگوں سے دعاؤں کی خواہش

تو حضرت شیخ الہند کو بڑی تڑپ تھی کہ کوئی زندگی کی اولاد ہو تو فتح پور ہسوہ میں ایک بزرگ تھے جو اولاد کے بارہ میں مستجاب الدعوات مشہور تھے تو حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب کو حضرت شیخ الہند نے بھیجا کہ وہاں جا کر دعا کراؤ کہ مولانا حافظ احمد صاحب صاحب اولاد ہو وہ سفر کر کے گئے ، جا کر عرض کیا کہ شیخ الہندؒ کا بھیجا ہوا ہوں ، اور یہ درخواست ہے انہوں نے فرمایا کہ رات بیچ میں ہے کل صبح اس کا جواب دوں گا مولانا ان کے مکان میں ٹھہر گئے صبح کو آئے اور خوش ہوئے فرمایا کہ میں نے دعا کی اور جب تک منظور نہ کرائی سجدہ سے سر نہیں اٹھایا ، اور مجھے وعدہ دیا گیا کہ حافظ صاحب کا لڑکا ہوگا جو حافظ اور قاری بھی ہوگا ، اور حاجی بھی ہوگا ۔

مجھے یہ واقعہ اس وقت معلوم ہوا جب پہلا حج ہوا میں جا رہا تھا تو طلبہ اساتذہ سب اسٹیشن گئے اس ٹانگے میں مولانا عبدالسمیع صاحب تھے اور میں تھا مولاناؒ نے کہا کہ بھئی ! میں تجھے ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں اور یہ واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ جب تو حافظ قرآن ہو گیا تو میں نے کہا ایک جز تو الحمد للہ قبول ہو گیا پھر تو نے قرأت کی تکمیل کی تو میں نے کہا دوسرا جز پورا ہوا پھر تو نے فراغت تحصیل کی تکمیل کی تو میں نے کہا الحمد للہ اس بزرگ کے کشف کا تیسرا جز بھی مکمل ہوا آج تو حج کو جا رہا ہے تو فرمایا کہ خدا کا شکر ہے چوتھا جزء بھی پورا ہو رہا ہے ۔

قاری طیب اکابر اور اولیا اللہ کی دعاؤں اور تمناؤں کا ظہور

آگے چل کر حضرت قاری صاحب نے فرمایا میری پیدائش کے بعد کان میں اذان دینے

کیلئے حضرت حاجی محمد عابد صاحب کو بلایا گیا جو اکابر دیو بند اور مشائخ میں سے تھے اس وقت حیات تھے اور میری عمر کے آٹھ نو برس تک حیات تھے، انکی صورت مجھے یاد ہے اور میں خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا انہوں نے کان میں اذان دی حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب بھی اکابر بزرگوں میں سے تھے وہ دیو بند تشریف لائے اس وقت میری عمر مہینہ ڈیڑھ مہینہ تھی تو میری دادی صاحبہ مرحومہ نے مجھے ان کے پاس بھیجا کہ اس کے لئے دعا کریں انہوں نے ہاتھ میں لے کر کہا کہ اسے میں لے چکا ہوں، دعا کیا کروں؟ قبول کر چکا ہوں اب اللہ جانے اس کا کیا مطلب تھا ظاہری صورت تو یہ پیش آئی کہ میری شادی رامپور میں ان کے خاندان میں ہوئی ان کی عزیز میرے گھر میں آئی، ممکن ہے یہ مطلب ہو یا اور کوئی اس کے بعد جب مجھے الف با تا پڑھنے کے لئے بٹھلایا گیا، تو بہت بڑا جلسہ دارالعلوم میں منعقد کیا گیا، دور دور سے مہمان آئے تو مولانا ذوالفقار علی صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے والد نے بسم اللہ کرائی، اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کے والد مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ایک قصیدہ پڑھا جو بہت بڑے شاعر تھے اس قصیدہ کا مجھے ایک مطلع یاد رہا، اور ایک مقطع مطلع تو یہ تھا......

حبذا مکتب طیب کی مبارک تقریب
کچھ عجب طرح کا جلسہ کچھ عجب طرح کی سیر

اور مقطع یہ تھا جو تاریخ کو بھی سمیٹے تھا......

ربّ یسّر جو کہا اس نے تو بے روئے اباء
فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تمّم بالخیر

تو بہر حال ان اکابر کے توجہات تھے، میں نے اپنی زندگی ایسی گذاری جیسے شہزادے گذارتے ہیں ہر طرف حضرت نانوتویؒ کے نام لیوا بڑے بڑے اکابر، حضرت

شیخ الہند وغیرہ حضرات بس اسطرح ناز برداری کرتے تھے جیسے کوئی بادشاہ زادہ ہو، اب بھی جو یہ حضرات کچھ لحاظ پاس کرتے ہیں، غلط فہمی میں نہیں کہ میرے اندر کوئی قابلیت ہے اصل میں نسبت ہے ان بزرگوں کی جس کی وجہ سے یہ سارا کرم ہے۔

مسلمانوں کے تنزل کے اسباب

یہاں تک حضرت کہہ گئے تھے کہ رفیق مجلس قاری سعید الرحمان صاحب (راولپنڈی) نے ایک تلخ موضوع چھیڑ دیا "مسلمانوں کے تنزل کے اسباب" ایک ایسا موضوع جس پر بحث وفکر تو مدتوں سے ہو رہی ہے مگر مرض کا علاج صرف نایاب اور بیش قیمت نسخوں کے معلوم کرنے سے کب ہو سکا ہے جب تک مرض کے ازالہ کے لئے عملی قدم نہ اٹھایا جائے آج مسلمانوں کے تنزل کے اسباب ومحرکات پر بلا مبالغہ ضخیم سے ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں مسلمانوں کی کوئی اہم دینی یا سماجی تقریب ان اسباب پر زور بیان صرف کرنے سے خالی نہیں جاتی منبر ومحراب کو لیجئے یا میدان صحافت و انشاء وہ کونسا انداز ہے جو مسلمانوں کے جگانے اور مرض کی تلافی کرنے کیلئے اختیار نہیں ہو رہا مگر جمود اور تعطل کی تہیں جمتی ہی جا رہی ہیں اور جب سقوط بیت المقدس کے واقعہ ہائلہ اور قیامت صغریٰ نے ہماری خواب غفلت کو نہ جھنجھوڑا تو شاید صور اسرافیل ہی ہم غفلت شعاروں کو بیدار کر سکے مگر ہائے وہ بیداری جو سوائے افسوس اور کف ندامت ملنے کے کسی کام کی ثابت نہ ہو سکے یہی تصویر حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے سامنے آچکی ہوگی کہ جب انہوں نے سوال سنا تو ایک دلگداز سانس بھر کر خود ہی سوال دہرایا "مسلمانوں کے تنزل کے اسباب؟" اور پھر اہل سیاست پر ایک بھرپور نشتر چبھوتے ہوئے فرمایا کہ اس میں تو سیاسی لوگوں کی رائے معتبر ہے، ایک ملانے کی رائے کیا معتبر ہوگی وہ سیاست جو مسلمانوں کے عروج و زوال کے خدائی قوانین سے بے خبر ہو کر بھی صرف

مادیت کے گھمنڈ میں تاریخ کے ہر واقعہ پر رائے زنی اپنا ہی حق سمجھتی ہے حضرت قاری صاحب کے اس مختصر سے جملہ میں واقعی اس سیاست پر یہ ایک بھرپور وار تھا۔

تنزل کے اسباب پر اصول اور کلیات کے بجائے معاشرتی جزئیات سے استدلال

تنزل کے اسباب کا ذکر شروع کرتے ہوئے قاری صاحب نے اصول اور کلیات پر گفتگو کی بجائے اپنے معاشرہ کے چند جزئیات سے اس پر روشنی ڈالنا چاہی ایک صاحب بصیرت شخصیت اور صاحب نظر کا یہی کام ہے کہ علمی اور نظری چیزوں کی بجائے وہ جزئیات اور عملی مثالیں سامنے رکھ دے جن سے نظریات اور کلیات تشکیل پذیر ہوتے ہیں، مگر انسانی فہم ہمیشہ عملی مثال اور نمونوں ہی سے زیادہ اثر پذیر ہوتا ہے۔ تنزل کے اسباب سے بحث کرتے ہوئے حضرت نے نہ تو فلسفیانہ موشگافیوں کی آڑ میں پناہ لینا چاہی اور نہ پیچیدہ عقلی اور نظری طول طویل محرکات کی فہرست مرتب فرمائی بلکہ موجودہ معاشرہ کی ایک ایسی دھندلی سی تصویر نگاہوں میں رکھ دی، جس کے ساتھ ہم سب اپنا موازنہ کرسکیں اور پھر خود ہی سوچیں کہ اس سارے تنزل اور بربادی کے ذمہ دار اگر ہم خود نہیں تو اور کون ہے؟ افسوس! ان لوگوں کی بے بصیرتی پر جن کی نظر اسباب تنزل سے بحث کرتے ہوئے موجودہ مسلم معاشرہ کے بے اعتدالیوں پر تو نہیں جاتی، مگر رہ سہہ کر ان کی ساری غور و فکر یورپی تہذیب اور مغرب کے سسکتے ہوئے فلسفہ حیات کے گرد گھومنے لگتی ہے حضرت حکیم الاسلام نے تنزل کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ابھی دو تین برس کا واقعہ ہے، میرٹھ کے ہندو کمشنر تھے، سانوال دارالعلوم آئے اور بہت متاثر ہوئے، یہ جنگ ستمبر شروع ہونے سے ایک مہینہ پہلے کی بات ہے، انہوں نے مجھے سے کہا کہ مولانا! ملک کے حالات بہت نازک اور خراب ہیں میں نے کہا جی ہاں اخبارات سے تو ہم بھی یہی محسوس کرتے ہیں کہا کوئی سبب بھی ہے اس پستی اور پریشانی

کا، میں نے کہا ہاں سبب ہے، کہا کیا سبب ہے؟ میں نے کہا بالکل غیر ضروری ہے اس کا بتلانا اس واسطے کہ میں ہوں ایک مذہبی آدمی، تو ہر حادثے کو مذہب کے نقطہ نگاہ سے سوچتا ہوں، آپ ہیں سیاسی اور برسر اقتدار انسان آپ ہر چیز کو سیاسی نقطہ نظر سے سوچتے ہیں تو میرا نقطہ نظر آپ پر اثر انداز نہیں ہوگا، اس لئے بتانا غیر ضروری ہے اس نے اصرار کیا کہ کچھ تو کہئے گا، اور میرا منشاء بھی یہی تھا کہ یہ زور دے تو بتاؤں۔

اقوام کی ترقی وتنزل کے بنیادی وجوہات اور اسکی مثالیں

تو میں نے کہا سن لیجئے میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ نہ تو دنیا کی کوئی قوم کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتی نہ دولت سے چاہے ارب پتی بن جائے اور نہ کوئی قوم عددی اکثریت سے ترقی کرسکتی ہے کہ افراد اس کے پاس زیادہ ہو اور نہ کوئی قوم محض سیاسی جوڑ توڑ سے ترقی کرسکتی ہے، دنیا کی اقوام کردار اور اخلاق سے ترقی کرتی ہیں تو اس وقت ہمارے ملک کی اخلاقی گراوٹ انتہاء کو پہنچ چکی ہے اس لئے حالات نازک نہ ہوں گے تو کیا ہوگا کہنے لگے بالکل صحیح بات ہے لیکن یہ تو ایک اصول بیان کیا آپ نے، اسکی مثال بھی ہے، میں نے کہا مثال کے طور پر پہلی بات یہ کہ آج سے چالیس پچاس برس پہلے جب ایک ہندو عورت باہر پھرتی تھی تو گز بھر کا گھونگٹ اس کے منہ پر ہوتا اور حیاء کی وجہ سے بچتی ہوئی چلتی اس وقت عورت نہ صرف یہ کہ گھونگٹ سے باہر ہے بلکہ لباس سے بھی اور اس سے بھی ایک قدم بڑھ کر آپے سے باہر ہوگئی ہے سوچتا ہوں کہ ایسی عورتوں کے کوکھ سے جو اولاد پیدا ہو' کیا اس میں کوئی حیا اور شرم و غیرت ہوگی، دوسری بات یہ ہے کہ ریلوں میں ہمیں سفر کرنے کی نوبت آتی ہے تو سکولوں اور کالجوں کے نوجوان لڑکے کسی ڈبہ میں اگر آجاتے ہیں تو ہمیں یہ فرق کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ آدمی ہے یا جانور اس قدر بیہودہ اور رکیک حرکتیں کرتے ہیں کہ کوئی بھلا آدمی نہ کرسکے اگر ان لوگوں کے کندھے پر ملک کا بار

آ گیا تو سوائے بداخلاقی کے یہ اور کیا پھیلائیں گے تیسری چیز یہ ہے کہ ریلوں میں سفر
کرتے دیکھا کہ جہاں کہیں شوگر ملز آیا گاڑیاں گنوں سے بھری کھڑی ہیں ، سو پچاس
مسافر اترے کسی نے سو گنے کسی نے دوسو گنے کسی نے پچاس کسی نے گٹھڑی باندھ لی اور
قطعاً انہیں احساس نہیں کہ یہ چیز ہماری ہے یا غیر کی تو اگر ملک کا بار ان کندھوں پر آیا تو
سوائے لوٹ گھسوٹ کے یہ کیا کریں گے چوتھی بات یہ ہے کہ تاجروں کا طبقہ ہے اور
تجارت پر ملک کا دارومدار ہے اس طبقہ میں بلیک الگ ہے ، نفع خوری الگ ہے ذخیرہ
اندوزی الگ تو جب تاجروں میں خیانت آجائے تو ملک کی برقراری کیسے ہوسکتی ہے
پانچویں بات یہ ہے کہ جب حکام کو دیکھا جائے تو رشوت ستانی ' جانب داری ' اقرباء
پروری ، یہ ایک عام چیز بن گئی ہے ، اور رشوت تو ایسا ہے جیسا حق ہو گیا تو جب حکام میں
خیانت آجائے تو بھلا وہ ملک کیسے برقرار رہے گا میں نے کہا یہ حالات ہیں کہنے لگا بالکل
بجا ہے تو میں نے کہا کہ پھر گورنمنٹ کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اپنے ملک کی اخلاقی
حالت درست کرے آپ دولت اور بیرونی کرنسی جمع کرنے کی فکر میں رہتے ہیں لیکن اسکی
فکر کسی کو نہیں ، کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہے کہ اخلاقی حالت درست ہو سکے میں نے کہا
کیوں؟ کہا حکومت یہ نہیں چاہے گی ، کیونکہ اخلاق درست ہوتے ہیں مذہبی تعلیم سے ، اور
حکومت سیکولر یعنی لامذہب ہے وہ آنہیں سکتی بیچ میں تو میں نے کہا کہ میرے اور آپ کے
نقطۂ نظر میں یہاں سے فرق ہو گیا آپ کے نزدیک سیکولر کا معنی لامذہبیت ہے اور میرے
نزدیک سیکولر کا معنی ہمہ مذہبی حکومت ہے کہ ہر مذہب حکمران ہو اور گورنمنٹ کا فرض ہے
کہ ہر طبقے کو مجبور کرے کہ وہ اپنی مذہبی تعلیم پائے تاکہ اس کا اخلاق صحیح ہو کہنے لگے یہ ہو
نہیں سکتا میں نے کہا آپ خود چاہتے ہیں کہ اس ملک میں چور اور ڈاکو پیدا ہوں کہنے لگا
آپ جو چاہیں مطلب نکالدیں ، باقی یہ ہوگا نہیں میں نے کہا ایک تدبیر میں بتلا دوں ، کہا

کیا؟ میں نے کہا ملک ہمارے سپرد کر دیجئے ، سب حالات درست کر دیں گے اس پر وہ
بہت ہنسا تو بہر حال ملک اور قوم کی ترقی ہوتی ہے ، اخلاق و کردار سے ، جب یہ ختم ہو
جائے تو سب سے بڑا تنزل کا سبب یہی ہے ۔

مسلمانوں کے تنزل میں مغربیت کا حصہ

راقم السطور نے کہا حضرت ! ہمارے تنزل میں مغربیت کا بھی حصہ ہے؟ فرمایا
اس سے بھی وہی بات نکلتی ہے کہ مغربی اخلاق اختیار کئے جائیں ، اسلامی اخلاق چھوڑ
دیں ، مغربی تعلیم غالب ہو اور دینی تعلیم مغلوب ، دینی افراد مغلوب ہوں اور بے دین
افراد غالب ہوں بنیاد سب کی ایک ہی ہے کہ مذہب سے رشتہ توڑ دو اب اس کے بعد
اصلاح کی کیا صورت ہو؟ تو حضرت نے اپنے تجربہ اور بصیرت کی بناء پر فرمایا کہ آپ
حضرات بحمد اللہ مذہب کی خدمت کر رہے ہیں ، اور خدا کا شکر ہے کہ لاکھوں کروڑوں
آدمی جو اس لپیٹ میں آ گئے ان کا دین درست ہو رہا ہے ۔

برسر اقتدار طبقہ کی تقابل کے بجائے مخلصانہ اور ناصحانہ طریقوں سے اصلاح

لیکن برسر اقتدار طبقہ بالکل دوسرے رنگ میں ہے مگر اس میں بھی میری ایک
رائے ہے کہ کسی سے تقابل کی ٹھان کر اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی آپ چاہیں تو ایجی ٹیشن
کریں یا مقابل بن کر اصلاح کرنا چاہیں ، یہ ہو نہیں سکتا ، اس کی صورت تو یہ ہے کہ
مستغنیانہ طریق سے ان لوگوں کے دلوں میں کچھ چیزیں ڈالی جائیں اور اپنا غرض مطلب
کچھ نہ رکھا جائے ، نہ عہدہ نہ دولت ، بلکہ انہیں آپ یقین دلا دیں کہ اقتدار تمہارا رہے گا
اور ہم بھی اس کے ساتھ تعاون کریں گے ہم اقتدار نہیں چاہتے مگر اتنی بات کرو اور ایسا
کرنا ملک اور قوم دونوں کے لئے نافع ، ورنہ اس سے ملک اور قوم اور تمہارے اقتدار سب
کو خطرہ ہے اس انداز سے کام کرنا چاہیئے ، سیاسی رنگ کے لوگ سیاسی انداز سے اور دینی

رنگ کے لوگ دینی انداز سے جب تک خواص کو متوجہ نہیں کریں گے کام نہیں چلے گا اب عوام کیطرف توجہ کی جاتی ہے کہ ایجی ٹیشن کی صورت اختیار ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اشتعال میں آجائے حکومت ، تو وہ بھی پھر چڑ پر آتی ہے ، تو نہ صرف یہ کہ وہ آپ کی نہیں مانے گی بلکہ گرانے کی کوشش کریگی تو اصلاحی جنگ میں چند افراد اپنی زندگی اس مقصد کیلئے وقف کردیں اور جو اوپر کا طبقہ ہے ان میں رسوخ حاصل کر کے اس کے کانوں میں باتیں ڈالی جائیں اور اس انداز سے کہ فلاں بات تیری مفاد کے خلاف ہے۔

علماء اور اہل دین کو حکومتوں کے ساتھ حکیمانہ طریقہ اختیار کرنے کی کچھ تفصیل

حضرت ! پاکستان کے علماء کے لئے کوئی مخصوص پیغام ؟ ''پیغام کا مجھے حق نہیں غیر ملک کا آدمی پیغام کیا دے مگر یہ میں نے صبح کی مجلس میں بھی تفصیل سے عرض کیا تھا کہ جو مفکر قسم کے چند علماء ہیں اور با اثر بھی ہیں وہ ایک یادداشت کے طور پر کچھ بنیادی چیزیں حکومت کو پیش کریں اور اس پر یہ ظاہر کردیں کہ ہم آپ کی حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے ہیں ہمارا پورا تعاون رہے گا تقویت اور نصرت کریں گے مگر اتنی چیز ہے کہ دین کے لئے اور ملک کے بقاء کی خاطر فلاں فلاں کام کرو اگر یہ نہیں ہو گا تو ملک وقوم میں خرابی ہو گی اور آپ کی بنیاد بھی اسی سے قائم ہے اس یادداشت اور ملاقاتوں میں جزئیات کو پہلے نہ چھیڑا جائے ، بلکہ اصولی اور کلی رنگ میں یہ لوگ کچھ مانوس ہو جائیں ، پھر آہستہ آہستہ جزئیات سود وغیرہ جیسے مسائل کان میں ڈال دئے جائیں مگر پہلے ارباب اقتدار کے ذہن کو اصول میں لے آیا جائے میں تو واقعی اگر یہاں کا باشندہ ہوتا اور بازیابی کا موقع مل جاتا تو صدر ایوب سے کہتا کہ مجھے آپ اپنا خادم اور خیر خواہ سمجھیں مگر دو باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ تعلیم قرآن اور دینی علوم کو عام قرار دیں اور یہ کام مستند علماء سے کرائیے ہر اس عالم کو عالم نہ سمجھیں جو علم کا لبادہ پہن کر آئے ، اور علم اس کا محض مطالعہ یا

اخبار بینی کا ہو ، نہ اس کے پاس سند ہو نہ استناد نہ بزرگوں کے پاس رہ کر اس نے علم حاصل کیا ہو ۔ ایسے علماء کو اختیار کر کے ان سے ہر کام میں مشورہ نہ کریں ہر مدعی علم کو عالم نہ سمجھیں بلکہ اسکی تلاش کر کے کام کریں کوئی طبیب بھی اگر ہوتا ہے تو یہی نہیں کہ مریض ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں جا کر ہاتھ دے دے گا اور نبض دکھلا دے گا بلکہ وہ پہلے ڈھونڈھتا ہے کہ طبیب طبیہ کالج کا فارغ ہے یا کہاں کا ؟ اس کا بورڈ یا سند دیکھتے ہیں اس کے پاس آنے والے مریضوں کی اکثریت کو دیکھتے ہیں کہ شفایاب ہو کر جاتے ہیں یا نہیں تو جان بچانے کے لئے تو آپ انتخاب کریں تو ایمان بچانے کے لئے کیا ضروری نہیں ہے کہ صالحین روحانی اطبا صحیح علماء کا انتخاب کیا جائے ۔

پہلے مرحلہ میں منکرات بند کرنے پر زور

اور دوسری بات ان سے یہ عرض کرتا کہ آپ معروفات کو یکدم جاری نہیں کرتے تو نہ سہی مگر کم از کم منکرات کا راستہ تو بند کردیں اس سے اخلاق میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں مقدم چیز ہے دفع مضرت اور جلب منفعت مؤخر ہے اور دفع مضرت میں یہ ہے کہ کم از کم پہلے وہ منکرات تو ختم کر دیں جو عقلی منکرات ہیں اور دنیا کی ہر قوم اسے برا سمجھتی ہے ، اس کے بعد منکرات شرعیہ کو لیں جب اس سے فارغ ہوں تو معروفات شرعیہ کو لیں مگر کم از کم منکرات تو ختم کر دیں اور یہ بھی تدریجاً سہی رفتہ رفتہ اس لئے کہ آپ کی مجبوریاں ہیں ، آپ کے روابط اور مراسم سیاسی ان اقوام سے ہیں کہ ان کے ہاں یہ منکرات جزو تمدن ہیں تو اگر یکدم آپ کامیاب نہ ہوں تو راستہ تو منکرات مٹانے کا ڈال دیں دوسری چیز یہ عرض کرتا کہ خلفاء راشدین یا سلاطین عادل جو گنے چنے ہیں ان کے علاوہ عامۃً وہی سلاطین ہیں جنہیں اپنی اقتدار کی فکر ہے ، لیکن تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ جس بادشاہ کے ساتھ کوئی عالم ربانی لگ گیا اسکی حکومت نہایت اعلیٰ گذری ، حالانکہ وہ عالم عہدہ

دار نہیں تھا ہارون الرشید کے ساتھ امام ابو یوسف لگے ہوئے تھے اورنگ زیب عالمگیر علماء سے مشورہ لیتا رہا مولانا شبیر احمد عثمانی کے بارہ میں مرحوم نوابزادہ لیاقت علی خان نے مجھ سے کہا کہ جب ہم کسی مسئلہ میں الجھ جاتے ہیں تو مولانا عثمانی سے روشنی حاصل کرتے ہیں تو جب آپ اسلام کے نام پر حکومت کر رہے ہیں اور ملک اسلام کا ہے تو اسلام کے حاملین سے کب صرف نظر کیا جا سکتا ہے، تو جو قدم اٹھائیں تو کم از کم دو چار علماء کی بات تو سن لیا کریں، آپ انہیں نہ جاگیر دیں، نہ عہدہ نہ وہ طلب کریں گے۔

اسلام کو عصر حاضر کا دشمن سمجھنے والے مصطفیٰ کمال جیسے حکمرانوں کی اصلاح کیسے ممکن؟

حضرت حکیم الاسلام اصلاح احوال کی تجویز پر اپنی بصیرت اور فراست ایمانی کی روشنی میں گفتگو فرما رہے تھے، اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر عصر حاضر کی اسلامی قیادت مصطفیٰ کمال کے نقش قدم پر اسلام کو فرسودہ اور زمانہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کا عقیدہ دل و دماغ میں راسخ کر چکی ہو، دین کی ترجمانی کے لئے کسی صلاحیت اور استحقاق کو اجارہ داری سمجھا جا رہا ہو اور جب رعایا کی اکثریت بھی (اعجاب رائی اپنی رائے اور گھمنڈ پر غرور) میں مبتلا ہو چکی ہو پھر جب خوشامدی، خودغرض اور لالچی قسم کے علماء نے حکام کے ساتھ روابط کو رعیت کی نگاہ میں دین فروشی کے ہم معنی سمجھ لیا ہو اور خالص مصلحانہ کوششوں پر بھی سیاست کا رنگ چڑھ گیا ہو تو حکام اور اہل دین کے درمیان خلیج دور ہونے کے لئے اور دینی اقتدار کی خاطر اس خلاء کو پاٹنے میں حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی یہ خیر خواہانہ تجویز کس حد تک مفید ثابت ہو سکتی ہے؟ اس راہ کی مشکلات کو ایک خاص رخ سے پیش کرتے ہوئے میں نے عرض کیا حضرات! جب حکام سمجھ بیٹھے ہوں کہ اسلام عصر حاضر کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا تو انہیں حاملین اسلام کی اہمیت اور ضرورت کا احساس ہو جانا کب ممکن ہے؟

حکمرانوں کو سمجھانا کہ اسلام عصر حاضر کے جائز تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے میں رکاوٹ نہیں

حضرت نے فرمایا ان کی یہ غلط فہمی دور کر دینی چاہئے کہ اسلام موجودہ دور کی ترقیات میں حارج ہے بلکہ ان کے دل میں ڈال دینا چاہئے کہ زمانہ کی کوئی چیز بھی جو کسی درجہ میں واقعی صحیح اور کارآمد ہو، اسلام اس کا مخالف نہیں مگر وہ منکرات جو دنیا کی ہر قوم میں منکرات عقلی ہیں، زنا کاری، جوا، سود، شراب نوشی قسم کی چیزیں جسکی قباحت مسلمات عقلیہ میں سے ہے ان چیزوں کو ترقی کا معیار بنا کر اسے اسلام کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا، البتہ جو چیزیں منکر نہیں ہیں، اور اخلاق و معاشرات پر اثر انداز نہیں ہوتیں، اسلام کبھی بھی اسکی مخالفت نہیں کرتا سیاسی اور ملکی تدابیر میں ہمیشہ توسع سے کام لیا گیا ہے اور جو اجتہادی امور ہیں اسکی اسلام میں گنجائش ہے اور ان کی اچھائی برائی کو جانچنے کے لئے ایسے لوگوں کو مشیر بنائیں جنہیں فقہ اور شریعت پر عبور ہو پھر قاری صاحب نے فرمایا: مقصد اصلاح حال ہے اور یہ کہ حالات سدھر جائیں اخلاص اور جذبہ خیر خواہی کے ساتھ ایسا راستہ اختیار کیا جائے جو ایک دوسرے کو دور کرنے کی بجائے نزدیک کر دے۔

صحبت صالح سے مزید استفادے کا امنگ

رات ڈھل رہی تھی، وقت تیزی کے ساتھ دل و دماغ پر اپنے حسین نقوش ثبت کرتے ہوئے گذر رہا تھا ایسے نقوش جو مجلس میں چلنے والے ٹیپ ریکارڈر کے فیتہ پر ثبت ہونے والے ارتعاشی اور صوتی حرکات سے کہیں زیادہ پائدار اور دیرپا تھے، وقت بجائے خود ایک ایسی ریکارڈنگ مشین ہے جو ایک ایسے نامہ اعمال کے اوراق میں سب کچھ محفوظ کر رہی ہے جسکی پنہائیوں اور گہرائیوں پر الساعة اور زلزلة الساعة کی ہلاکت انگیزیاں بھی اثر انداز نہ ہو سکیں گی اور جب کیا کرایا سب کچھ مجسم بن کر سامنے آجائے گا تو پکارنے والا پکار اٹھے گا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ایسی

صحبتیں کب بار بار نصیب ہوتی ہیں حضرت کو مزید تکلیف دینا دل و دماغ پر کتنا ہی گراں گزر رہا تھا، مگر بے اختیار جی چاہا کہ اس مجلس سعید میں کچھ ذکر الحق اور دارالعلوم حقانیہ کا بھی آجائے اور پوچھ بیٹھا کہ الحق کے لئے کونسا طریقہ کار پسندیدہ ہے؟ فرمایا! اصلاح کی سعی تقابل کے انداز سے آپ کی باتیں کسی مخالف پر اثر انداز نہیں ہوسکیں گی۔

اصلاح کیلئے توافق نہ کہ مخاصمت

حضرت! جب الحاد اور بے دینی بالکل غالب ہو چکی ہے، پھر کیسی موافقت؟ برجستہ فرمایا اسی کی اصلاح کیلئے تو توافق کی ضرورت ہے اور یہ توافق الحاد اور بے دینی سے نہیں ہوگا ان افراد سے توافق ہوگا تا کہ ان لوگوں کو الحاد سے ہٹا دیا جائے حضرت! کچھ لوگوں پر تو مایوسی کی فضاء چھا گئی ہے اصلاح کے مساعی بارآور معلوم نہیں ہو رہے؟ حضرت قاری صاحب مدظلہ نے فرمایا کام کیلئے اولین شرط یہ ہے کہ مایوس نہ ہو جایئے آپ تو ورثہ انبیاء ہیں انبیاؑ کبھی مایوس نہ ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اس قوم کو عذاب دینا ہے، جب حضرت نوحؑ نے بددعا کی کہ کسی کافر کو بھی زندہ نہ چھوڑ ورنہ ساڑھے نوسو برس تک نصیحت فرماتے رہے تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔

قوموں کی تباہی میں وطنیت (قوم پرستی) کا حصہ

دیگر بلاد اسلامیہ تو دہریت مغربیت اور بے دینی کی لپیٹ میں آ ہی گئے اور مغلوب ہو گئے تو ایسے حالات میں اہل دین کب تک شکستہ خاطر نہ ہوں گے؟ حضرت نے جواب دیا کہ ایسی چیزوں کو تو ملک کے سامنے بطور نظیر پیش کیا جانا چاہیئے کہ آج بلاد اسلامیہ باوجود قوت کے تباہ ہو رہے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اسلامی اخوت اور مسلمانوں کے عام اتحاد کو خیر باد کہہ دیا وطنیت کو آگے رکھا اسلامیت کو پیچھے رکھا تو اتنی نظیروں کے ہوتے ہوئے بھی تمہاری آنکھ نہ کھلے تو تباہی سے کیسے بچ سکو گے؟

حضور ﷺ کا ورثہ کتاب اللہ سنت رسول

حضرت! قوم اور ملک کی اصلاح تو ارباب عزیمت اور اولوالعزم لوگوں کا کام ہے ہم جیسے عامیوں کے لئے بھی کچھ ارشاد ہو فرمایا حضور ﷺ نے ورثہ چھوڑا ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ تم جب تک انہیں پکڑتے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوسکو گے ترکت فیکم الثقلین لن تضلّوا بعدی ابداً ان تمسکتم بھا۔

جامعہ حقانیہ کی روحانیت اور معنویت

حضرت! اس مدرسہ دارالعلوم حقانیہ کے بارہ میں کوئی نصیحت فرمایا آپ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں، بحمد للہ مدرسہ چل رہا ہے غالب ہو رہا ہے مولانا موجود ہیں، ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول ہے اس سے زیادہ کیا روحانیت اور معنویت ہوگی، خدا نے مدرسہ کو ایسے بزرگ اساتذہ دیئے ہیں جو بحمد اللہ دین مجسم ہیں حضرت! مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی رفتار ترقی کیا ہے اور بجٹ؟ فرمایا انقلاب کے وقت سوا لاکھ تھا، اور اب ساڑھے دس لاکھ ہے انقلاب کے بعد کچھ فکر بھی تھا کہ کیسے چلے گا، مگر اللہ نے بڑھایا اور تمام شعبے بڑھتے ہی گئے پہلے آٹھ شعبے تھے اب ۲۴ شعبے ہیں اسی طرح پہلے اساتذہ ۳۸ تھے، اب ستر ۷۰ کے قریب ہیں اسی طرح عمارات دگنی تگنی ہوگئی ہیں اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، طلبہ ڈیڑھ ہزار کے قریب ہیں۔

قحط الرجال کے اس دور میں نئی نسل سے توقعات

آخری سوال تھا کہ حضرت نئی پود سے مستقبل میں دارالعلوم دیوبند کے لئے کیسی توقعات ہیں؟ فرمایا اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ اس دور کی سب سے بڑی مشکل قحط الرجال کی ہے مگر ہمیں توقع ہے کہ اسلاف کے نقش قدم پر چلنے

والے نئی پود میں بھی ہیں ، چاہے گنے چنے ہی ہوں مگر اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے
ہیں دورانِ گفتگو ایک دفعہ حضرت نے موجودہ زمانہ کی سیاست پر بھی اپنی رائے ظاہر کی

عصری سیاست اور دین میں بیر

اور کہا کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی سیاست اور دین میں بیر ہے ، اس سیاست اور ڈپلومیسی کا بنیادی پتھر ہے نفاق گندم نما جوا فروشی اس میں دین باقی نہیں رہ سکتا وہ تو صرف اسلامی سیاست ہے جو دین کے ساتھ چلتی ہے ، اور وہ تو جوہر ہے اسلام کا اور ایک ہے عصری سیاست ، یہ بالکل تقابل پر ہے دین کے جو چیزیں دین میں حرام ہیں اس کے ہاں واجب ہیں' جو یہاں محمود ہیں وہ وہاں مذموم اور صرف یہ میرا مقولہ نہیں بلکہ مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم نے بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے کہ ''مولوی صاحب! آج کی سیاست اور دیانت میں بیر ہے'' اب رات کا ایک بج چکا تھا اور بادل ناخواستہ اس پر لطف محفل کی بساط لپیٹنی ہی پڑی۔

ضبط وترتیب: مولانا سمیع الحق صاحب

الحق ج ۴، ش ۴۔۵ ۱۳۸۸ جنوری، فروری ۱۹۶۹ء، شوال، ذی القعدہ

باتیں دارالعلوم دیوبند کی

حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کی مجلس میں

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دیوبند کی پاکستان آمد اور مختصر قیام کی اطلاع ملک بھر کے ابنائے دارالعلوم دیوبند کے شوق ملاقات وزیارت میں اضافہ ملاقات نہ کرسکنے کی افسوس کا موجب بنی ہوگی آیئے ہم آپ کو ان کی ایک مجلس میں لئے چلتے ہیں اور مجلس بھی حکیم الاسلام مدظلہٗ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی جسمیں زیادہ تر مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے تازہ حالات پر گفتگو ہوئی اسے ہم ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے من وعن پیش کرتے ہیں (س)

حکیم الاسلامؒ اور شیخ الحدیث کے درمیان مکالمہ کی ایک رپورٹ

حکیم الاسلام: ویسے تو خوشی کی انتہا ہوگئی مگر تکلیف بھی ہوئی آپکی تکلیف فرمانے سے حضرت کی شفقت اور محبت کی بات ہے۔

شیخ الحدیث: آپ کی صحت کیسی ہے؟

حکیم الاسلام: ضعف کافی بڑھ گیا ہے کچھ عمر کا ضعف ہے، کچھ عوارض بھی بڑھ گئے مگر یہ غنیمت ہے کہ کام ابھی تک رکا نہیں۔

شیخ الحدیث: صاحبزادگان ٹھیک ہیں ساتھ تشریف نہیں لائے۔

حکیم الاسلام: اسلم کو لانے کا ارادہ تھا ان کے بچے بھی تیار تھے، مگر اس بار دو چار دن قیام تھا افریقہ کا سفر بھی درپیش تھا کہ ہمارے مولانا عبید اللہ (جامعہ اشرفیہ) پہنچ گئے، ویزا لائے کہ دس بارہ دن سہی۔

شیخ الحدیث: یہ حضرت مفتی صاحبؒ (مفتی محمد حسنؒ) کی کرامت ہے کہ آپ تشریف لے آئے ہیں افریقہ جانے کا ارادہ ہے؟

حکیم الاسلام: وہ بیچ میں پاسپورٹ ویزا وغیرہ کی وجہ سے لٹک گیا ہے، اب بیچ میں سفر آگیا ہے امریکہ کا جہاں کئی مسلم سوسائٹیوں نے دعوت دی، اب تو افریقہ جانا سفر امریکہ کے بعد ممکن ہوگا۔

شیخ الحدیث: امریکہ میں مسلمان تو بہت زیادہ ہیں۔

حکیم الاسلام: جی ہاں میرے کئی عزیز دونواسے ان کے بیوی بچے وغیرہ بھی وہاں ہیں

شیخ الحدیث: دارالعلوم (دیوبند) کی حالت تو بہتر ہے؟

حکیم الاسلام: جی ہاں! الحمدللہ تعمیرات بھی جاری ہیں۔

شیخ الحدیث: طلبہ کی تعداد تو زیادہ ہے؟

حکیم الاسلام: جی ہاں! مگر پاکستانی تو کچھ بھی نہیں نہ اساتذہ میں سے کوئی مولانا عبدالخالق بھی آگئے، جناب بھی یہیں آگئے مولانا شمس الدین کشمیری بھی (غالباً مولانا محمد شریف مدظلہ) یہیں رہ گئے۔

شیخ الحدیث: تعمیر کا سلسلہ بھی جاری ہے؟

حکیم الاسلام: جی ہاں! تعمیر کا سلسلہ برابر جاری ہے، ابھی ایک دارالمدرسین بنوایا مگر وہ تنگ ہوگیا، بہت سے حضرات رہ گئے، کرایہ پر مکانات دستیاب نہیں ہوتے، پھر دوسری جگہ باب الظاہر کے بالکل سامنے مغرب کیطرف زمین خریدی گئی، اس میں دس بارہ مدرسین کیلئے مکان بننے کا اندازہ ہے۔

شیخ الحدیث: دارخام تو بالکل پختہ ہوگیا ہوگا؟

حکیم الاسلام: ابھی تک تو پختہ ہوا نہیں کچھ مرمت کرائی گئی تھی اس میں بھی رہتے ہیں لوگ

شیخ الحدیث: بخاری شریف تو حضرت ہی کے پاس ہے؟

حکیم الاسلام: جی ہاں نام پر تو میری ہے، مگر سفر اتنے درپیش ہو جاتے ہیں کہ ایک آدھ باب ہی پڑھا سکتا ہوں مولانا رشید احمد خان صاحب جو نائب مہتمم ہیں متقی صالح، ذی استعداد علماء میں سے ہیں، اب ان کے سپرد کر دی ہے نام تو صدر مدرس کا مولانا فخر الحسن کا ہے مگر وہ اتنے ضعیف ہو چکے ہیں کہ چلنا پھرنا بھی دشوار ہے۔

شیخ الحدیث: اور مولانا معراج الحق صاحب؟

حکیم الاسلام: جی ہاں وہ پڑھا رہے ہیں مگر عوارض بڑھ گئے وہ بھی کمزور ہیں۔

شیخ الحدیث: قسمت کی بات تھی کہ پاکستان بننے کی وجہ سے ہم آپ کے قدموں سے دور ہو گئے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اتنی دوری آجائے گی۔

حکیم الاسلام: جی ہاں۔

شیخ الحدیث: مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے ایک دن میں نے پوچھا کہ تقسیم ہو بھی جائے تو کیا ہوگا، فرمایا تمہارا کیا خیال ہے میں نے کہا کہ ایسا ہوگا جیسے ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں آیا جایا کرتے ہیں فرمایا نہیں ایسا نہیں ہوگا پھر ایک دوسرے کے دیکھنے کیلئے ترسیں گے۔

حکیم الاسلام: جی ہاں ایسا ہی ہوا یعنی اب واقعی لندن، امریکہ جانا آسان ہے مگر لاہور آنا مشکل ہے، اس کے باوجود آجا بھی رہے ہیں لوگ۔

شیخ الحدیث: اب تو کچھ امید افزا تعلقات پیدا ہو رہے ہیں۔

حکیم الاسلام: جی ہاں خدا کرے کہ مسالمت کی صورت ہو جائے۔

شیخ الحدیث: اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت عطا فرمائے تاکہ فیض جاری رہے، مجھے کئی امراض لاحق ہیں، بینائی کام نہیں دے رہی ایک آنکھ کا اپریشن ناکام رہا اتنا ہے کہ راستہ کچھ نظر آجائے مگر یہ صدمہ ہے کہ درس کا سلسلہ منقطع ہوا۔

حکیم الاسلام: اوہو، اللہ رحم کرے یہ تو واقعی صدمہ ہے کہ درس منقطع ہوا مگر بہر حال آپ کا تو وجود بھی غنیمت ہے اللہ تعالیٰ فیض اور برکت جاری رکھے۔

شیخ الحدیث: یہ سب اللہ کا احسان ہے اور آپ حضرات کی دعائیں ہیں، ورنہ۔

حکیم الاسلام: ہم تو دعائیں برابر کرتے ہیں اور تو کسی کام کے ہیں نہیں، حضرت! مجھ پر تو بہت بوجھ پڑا، آپ کی تشریف آوری سے خوشی بھی بہت ہوئی، مگر اتنی تکلیف فرمائی، میرے لئے تو سعادت ہے مگر۔

شیخ الحدیث: ہمارا فریضہ ہے کہ آپ کا شرف نیاز حاصل کریں بزرگوں میں آپ کو اللہ نے ہر حیثیت سے بزرگی عطا فرمائی ہے، ظاہری معنوی بزرگی، وجاہت اساتذہ کی دعائیں شفقتیں۔

حکیم الاسلام: اب وہاں ویزا ایک یا زیادہ سے زیادہ دو جگہ کا دیتے ہیں یہاں آئے اور کوئی بنائے تو الگ بات ہے (اشارہ تھا اکوڑہ خٹک نہ جاسکنے کا، جبکہ عموماً تشریف آوری ہوتی رہتی تھی)

حکیم الاسلام: اب کون پڑھا رہے ہیں۔ آپ کی جگہ؟

شیخ الحدیث: فضلاء دیوبند اور سہارنپور کے معمر قابل اساتذہ ہیں اور نوجوان فضلاء بھی ہیں

حکیم الاسلام: الحمد للہ کہ کام تو برابر جاری ہے۔

شیخ الحدیث: حضرت دارالعلوم کی مالی حالت کیسی ہے؟

حکیم الاسلام: الحمد للہ بہتر ہے مصارف بڑھتے جا رہے ہیں اس سال کوئی ۲۶ لاکھ کا خرچ ہے، کبھی لوگ پوچھتے ہیں کہ خزانے میں کیا ہوگا کہا دو تین لاکھ تو وہ پوچھتے ہیں کہ یہ خرچ پھر کیسے چلے گا؟ میں نے کہا کہ ہم یہ بتا نہیں سکتے کہ کیسے چلے گا مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ضرور چلے گا کہا یہ کیا؟ اصول تو کوئی ایسا ہے نہیں میں نے کہا اصول سے بالاتر ہے یہ معاملہ یہ محض فضل خداوندی ہے۔

شیخ الحدیث: حضرت نے یہی ایک دفعہ فرمایا کہ لوگ بجٹ کو آمدنی کے تابع بناتے ہیں مگر ہم ضرورت کو دیکھ کر نہ کہ آمدنی کو بس پھر خدا مدد کر ہی دیتا ہے۔

حکیم الاسلام: میرے والد ماجد کا زمانہ تھا اہتمام کا تو اس دوران حضرت شیخ الہندؒ نے خواب میں حضرت نانوتویؒ کو دیکھا اور یہ فرمایا کہ احمد سے کہہ دینا کہ وہ ہمارے زمانے کی بات تو نہیں آسکتی اب، لیکن پیسے میں کمی نہیں کوئی فکر نہ کرے یہ خواب جب حضرت شیخ الہندؒ نے میرے والد ماجد کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ پھر لایئے پیسے حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا یہ تو ان سے مانگئے جنہوں نے وعدہ کیا ہے، میں تو واسطہ ہوں بس یہ ان بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے ورنہ ایسے حالات میں اتنے بڑے مصارف کا پورا ہو جانا سوائے کرامت کے اور کیا کہا جائے۔

شیخ الحدیث: غلے کا بندوبست ہو جاتا ہے؟

حکیم الاسلام: پہلے تو پنجاب تھا اور یہاں سے ہمیں کم قیمت پر مل جاتا تھا، کچھ ویسے

مدد کرتے تھے، یہ راستہ بند ہو گیا، تو یو پی کے حضرات میرٹھ، مظفر نگر نے غلہ کی ذمہ داری لی اور بلا قیمت دینے کا وعدہ کیا صرف لدان ہمارے ذمہ ڈالا، تو اب وہ اس سے بھی کم میں پورا ہو جاتا ہے سفراء بھی سفر کرتے ہیں مگر ان کے ذریعہ سے آمدنی دو تین لاکھ ہو بھی جائے تو ۲۶ لاکھ کو پورا کرنا محض فضل خداوندی ہے۔

شیخ الحدیث: طلبہ کی تعداد بھی تو اب زیادہ ہو گی (حضرت حکیم الاسلام فضلاء دارالعلوم کے بارہ میں سمجھے تو فرمایا)

حکیم الاسلام: دستار ملنے والے جن کی وجہ سے یہ صد سالہ جلسہ ہو رہا ہے کی تعداد گیارہ ہزار بنتی ہے مگر اندازہ ہے کہ پانچ چھ ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکیں گے بہت سے جو گزر گئے بہت سوں کے پتے ابھی صحیح بھی نہیں ہوئے جن لوگوں کے صحیح پتے درج ہو سکے ہیں وہ تقریباً ۶ ہزار کے قریب ہیں اور مختلف ملکوں میں ہندوستان میں انڈونیشیا میں ملائشیا میں، برما افریقہ سب جگہوں میں پھیلے ہوئے ہیں ادھر پاکستان میں تو ہزاروں کی تعداد ہے بحمد اللہ۔

شیخ الحدیث: اب سب کیلئے وہاں جلسہ گاہ قیام وغیرہ کا بندوبست جلسہ کے موقع پر ہو سکے گا؟

حکیم الاسلام: ایک تو مدعوین ہوں گے جن کا دارالعلوم ذمہ دار ہوگا جن کی تعداد آٹھ دس ہزار رکھی گئی ہے جسمیں فضلاء بھی ہوں گے اور مہمان بھی اور ایک ہوگا اعلان عام پر آمدان کیلئے اتنا انتظام تو ضرور کر لیا جائے گا کہ وہ رات گزر بسر کر سکیں اور ظاہر ہے کہ ایک پورا شہر بسانا ہوگا خیموں کا ویسے ہوٹل وغیرہ بھی کھولے جائیں گے۔

شیخ الحدیث: باب الظاہر کیطرف ارادہ ہے؟

حکیم الاسلام: دارالعلوم میں یا اس کے قرب وجوار میں اتنی زمین نہیں لوگوں کا

اندازہ ۸۰/۹۰ ہزار کا ہے مگر ظاہر ہے کہ کوئی قید آمد پر لگائی نہیں جا سکتی تو اندازہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں آمد ہو، ہر صوبے میں انتظار ہے، اور ایک ایک آدمی نے ۳۰/۴۰ اوروں کو بھی تیار کر رکھا ہے، تو اتنی جگہ تو ہے نہیں کھلا ہوا میدان چاہیئے تو وہاں کے ہندوؤں نے کہا کہ دیوی کنڈ کے متصل جو میدان ہے وہ بہت مسطح اور بہت دور تک ہے کہا کہ اسمیں آپ جلسہ کریں بلکہ یہاں تک کہا کہ ہم سب کے مکانات موجود ہیں آپ اس میں مہمانوں کو ٹھہرائیں میرے خیال میں مدعوین کو دارالعلوم کے احاطہ میں ٹھہرانے کی سعی ہو گی پنڈال وغیرہ بھی ہو گا جو چھوٹا موٹا تو ہو گا نہیں۔

مولانا سمیع الحق: حضرت سب سے مشکل مسئلہ پاکستان والوں کا ہے ہزاروں لوگ مشتاق ہیں اس کیلئے بڑی سطح پر بات ہونی چاہیئے کہ ویزا وغیرہ بروقت بنایا جا سکے واضح صورت حال سامنے نہیں آرہی، لوگ دریافت کرتے رہتے ہیں۔

حکیم الاسلام: پہلے تو اس سال نومبر کا مہینہ طے تھا مگر اسی مہینہ میں ہو گا حج، تو مکہ مکرمہ سے خطوط آئے کہ اس زمانہ میں یہاں سے کوئی نہیں جا سکے گا اور حجاج بھی نہیں آسکیں گے اور ہزاروں آدمی محروم رہ جائیں گے اس لئے اب مارچ ۱۹۷۹ء کا مہینہ رکھا ہے دسمبر میں سردی شدید ہوتی ہے مارچ میں موسم بھی معتدل ہو جاتا ہے یہی خیال ہے کہ یہاں ایک کمیٹی بھی بنائی گئی ہے کہ پاسپورٹوں کا بندوبست اوپر کی سطح پر مل ملا کر کریں مگر بظاہر اتنے ہزاروں افراد کے پاسپورٹ اور ویزے کا مسئلہ ہے سو دو سو کو تو عرسوں وغیرہ میں دے دیتے ہیں مگر دس بارہ ہزار آدمیوں کے پاسپورٹ اور ویزے کا مسئلہ مشکل لگ رہا ہے۔

مولانا سمیع الحق: اگر بروقت اقدامات نہ ہوئے تو یہاں کے لوگ محروم رہ جائیں گے آدھا دیوبند تو ادھر ہے ایک خیال تو یہ ہے کہ ایک جشن صد سالہ یہاں پاکستان میں منایا جائے۔

حکیم الاسلام: جی ہاں یہی خیال کچھ اوروں نے بھی ظاہر کیا ہے کہ تین جلسے ہوں ایک یہاں اور یہاں کے لوگ اس کی ذمہ داری لیں ایک بنگلہ دیش اور ایک ہو بھارت کے لئے، دارالعلوم میں۔

مولانا سمیع الحق: لیکن حضرت! لوگ تو دارالعلوم جا کر وہاں کی برکات اور وہاں کے درو دیوار کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

حکیم الاسلام: جی اصل تو یہی ہے کہ وہاں کی برکات اور روحانیت حاصل ہو سکیں۔

مولانا سمیع الحق: حضرت! کئی علمی اور تصنیفی کاموں میں اور ویسے بھی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی ایک جامع اور مکمل فہرست نہ ہونے سے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں، ایسی فہرست جس میں تمام فضلاء کے نام اور پتے ہوں۔

حکیم الاسلام: یہ تو کر لیں گے وہاں تو یہی کیا ہے کہ جن کے پتے معلوم ہوئے ان کے پاس فارم بھیج دیئے کہ کس زمانہ میں اور کیا خدمات انجام دیں تصانیف حدیث میں تفسیر میں جن کی آئیں وہ تصانیف بھی لاکھوں تک پہنچتی ہیں۔

ضبط و ترتیب: شفیق فاروقی

الحق ج ۱۳، ش ۹ رجب ۱۳۹۸ھ جون ۱۹۷۸ء

تاریخ: ۵ رمئی ۷۸، جمعہ، بعد از عصر

خطبات

حضرت مولانا محمد اسعد مدنی قدس سرہ

فرزند و جانشین مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ

حضرت مولانا محمد اسعد مدنی

تعارف

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کے فرزند گرامی قدر، صدر جمعیۃ العلماء ہند۔سیاسی لیڈر، عالم اور روحانی رہنما۔

زندگی اور اس کے تمام مشاغل کا مقصد رضائے الٰہی ہونا چاہیے

دارالعلوم حقانیہ کے طلباء سے صاحبزادۂ شیخ الاسلامؒ مولانا اسعد مدنی کا خطاب

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ سفر حجاز سے واپسی پر مختصر دورہ پر احباب اور متوسلین شیخؒ کی خواہش اور تقاضوں پر چند دن کیلئے پاکستان تشریف لائے کراچی سے دین پور، ملتان، سرگودھا، راولپنڈی ہوتے ہوئے ۲۲ر مارچ ۱۹۷۰ء اتوار کی شام کو دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تمام طلباء و اساتذہ دارالعلوم چشم براہ تھے، یہاں سے آپ مولانا عزیز گل صاحب مدظلہٗ اسیر مالٹا کی زیارت کیلئے سخاکوٹ چلے گئے دوسرے دن بروز پیر حسب پروگرام واپسی پر بعد از نماز عصر دوبارہ دارالعلوم تشریف لائے، مشتاقان دید کا ایک جم غفیر جو طلباء و اساتذۂ دارالعلوم کے علاوہ دور دراز سے آئے ہوئے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے تلامذہ علماء معتقدین پر مشتمل تھا دارالعلوم سے باہر دیدہ و دل فرش راہ کئے کھڑا تھا حضرت صاحبزادہ گرامی قدر نے طلبا اور حاضرین سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد دارالعلوم کے مختلف شعبوں کو سرسری دیکھا، شام کی نماز معزز مہمان کی اقتدا میں پڑھی گئی نماز مغرب کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے مختصر تقریر میں حضرت مولانا کی تشریف آوری پر خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہوئے مولانا کا نہایت مؤثر الفاظ میں خیر مقدم کیا اور اس ضمن میں حضرت مدنی مرحوم کے کمالات ظاہری و معنوی کو بیان کرتے ہوئے مولانا اسعد مدظلہٗ کی بلند ہمتی، جذبہ عمل اور علمی و عملی کمالات پر خوشی ظاہر کی جس کے جواب میں قابل احترام مہمان نے حسب ذیل مختصر مگر بصیرت افروز خطاب سے حاضرین کو نوازا۔ (سمیع الحق)



نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم معزز حضرات علماء کرام وطلباء عزیز! میں ایک غیر ملکی ہوں اس لئے مجھ جیسے آدمی کو کسی بھی تقریر وغیرہ سے بہت احتیاط مناسب ہے، میں نے پچھلے سفر میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ ایسا کوئی موقع نہ آئے مثلاً ملتان میں جلسہ کا اعلان ہوا میری بے خبری میں پوسٹر میں میرا نام بھی چھاپ دیا گیا بڑے پارک میں ہزاروں کا مجمع تھا، مگر میں نے جمعہ کی نماز پڑھ کر بظاہر بہت نا مناسب طریقہ سے وہاں سے چلا آیا اس لئے میرے لئے مناسب ہے کہ کسی بھی اجتماع سے تقریر یا خطاب نہ کروں یہاں سب مجمع اہل علم اور طالبعلم بھائیوں کا ہے اور ان سے خطاب کرنا مجھ جیسے طالب العلم کے لئے اور بھی نا مناسب ہے۔

مولانا عبدالحق صاحبؒ سے شرف تلمذ

حضرت مولانا مدظلہم نے مجھ جیسے ناکارہ کے بارہ میں نہ معلوم کن وجوہ سے حسن ظن کا اظہار فرمایا آپ طلبہ حضرات کی طرح مجھے بھی حضرت مولانا مدظلہم سے (دیوبند میں) شرف تلمذ حاصل ہے اور مجھ جیسے ناکارہ کو تو زیبا بھی نہیں کہ آپ سے یہ نسبت بھی قائم کرسکوں بہر حال یہ ان حضرات کی حوصلہ افزائی اور ذرہ نوازی ہوتی ہے مجھ جیسے ناکارہ کے بارہ میں حضرتؒ (شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ) سے نسبت کی وجہ سے عموماً لوگ میرے بارہ میں بھی غلو کرتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے بہر حال یہ ان حضرات کا حسن ظن ہے، ورنہ مجھ جیسے شخص کو حضرتؒ سے کچھ بھی نسبت نہیں ہوسکتی اس لئے حضرت مرحوم کو مجھ پر قیاس نہ کریں، دنیا سے سب کو جانا ہے دنیا کا کام چلتا رہے گا جیسے جیسے خیر اٹھتا جاتا ہے، شر بڑھتا جاتا ہے لوگ غلو بھی کرتے ہیں محبت میں اور شہرتیں بھی ہو جاتی ہیں، ورنہ کسی کے بس میں نہ لینا ہے اور نہ دینا ہے سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے جس طرح چاہتا ہے کرتا اور کرواتا ہے، دیتا اور دلاتا ہے، سب اس کے قبضہ کی چیز ہے وہ جس چیز کو چاہے بڑھا دیتا ہے، حسن ظن کروا دیتا ہے اور اگر ان کی پردہ پوشی نہ ہوتی تو ہم جیسوں کو تو شاید کتے سے بھی برا سمجھ لیا جاتا۔

زندگی کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو

بہر حال ایک ہی بات عرض کرنی ہے جو میرے لائق تو نہیں کہ عرض کروں کہ آپ حضرات خود طلباء علم ہیں، علوم الٰہیہ سے اپنے آپ کو وابستہ کیا ہے اور اس کا یہی مطلب سمجھنا چاہئے کہ آپ اس مقصد میں اپنی زندگی بھی صرف کریں قیاس کا یہی تقاضا ہے اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے تو سب سے اہم چیز یہ ہے کہ زندگی کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو اگر اس کے علاوہ کوئی بھی چیز ہو تو سب ماسویٰ اللہ ہے اور کوئی بھی ایسی چیز مقصد بن جائے تو وہ ساری جدو جہد تمنا اور کوشش سب غیر اللہ کے لئے ہوگی اللہ کیلئے نہیں، اور اس عالم میں سب مشاغل اور مصروفیات غیر اللہ کیلئے ہو جائیں گی اور جو بھی اللہ کے علاوہ مقصود بنے وہ کسی قابل نہیں آخر میں پچھتانا ہوگا۔

چرواہے کی دعا اور خاتمہ بالایمان

مجھے ایک واقعہ یاد آیا، اور حضرتؒ سے بھی سنا، درس میں بھی سنایا کرتے تھے کہ ایک بہت ہی بڑے ترکی محدث تھے کبھی کبھی دردبھرے لہجے میں کہتے تھے کہ ''چوبان دُردی چالدی'' ترکی جملہ ہے اور اس کا مطلب یہ کہ چرواہا بانسری بجا کر چلا گیا، بہت حسرت کرتے اور روتے تھے لوگوں نے بے تکلفی میں پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں اور یہ کہہ کر آپ پر گریہ کیوں طاری ہو جاتا ہے تو کہا کہ ایک شب میں جارہا تھا، کسی ساتھی نے کہا کہ آثار سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج رات شاید شب قدر ہے اور کہا کہ کوئی حسرت ہو تو آج رات دعا مانگ لی جائے، میں نے بھی آثار محسوس کئے تو میرے ساتھی نے اور میں نے اپنے لئے دعائیں مانگیں صبح ایک دوسرے سے پوچھا کہ کیا مانگا تو ساتھی نے جو چرواہا تھا کہا کہ میں نے تو اللہ سے ایک ہی سوال کیا کہ الہ العالمین! میرا خاتمہ ایمان پر فرما اور خود اسی بزرگ نے کہا کہ میں نے دعا کی کہ میرے حلقہ درس سے کسی کا حلقہ بڑا نہ ہو تو فرمایا کہ میں نے چرواہے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ کا نام

لیکر دنیا سے رخصت ہوا اور مجھے بھی علم کا ایک بہت بڑا حلقہ ملا کہ کسی کا حلقہ بھی مجھ سے بڑا نہیں ، مگر مجھے معلوم نہیں کہ آخرت کا کیا بنے گا اور اس شہرت سے مجھے کیا ملا اسلئے مجھے حسرت ہے کہ وہ جاہل چرواہا کامیاب ہو گیا اور مجھے اپنے حالات کا علم نہیں، اس بات کا صدمہ ہے اور دل میں ہوک اٹھتی ہے کہ دنیا سے کیسے اٹھوں گا۔

نیک عمل کی جدوجہد موجب فضل الٰہی ہے

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ کوئی عمل کسی درجہ کا بھی ہو اگر اس میں رضائے الٰہی نہ ہو تو سب بیکار ہے اور اگر مقصد رضائے الٰہی بن جائے تو اس عمل کا بدلہ بھی کوئی عمل نہیں بن سکتا اور یہ چیز خدا کے فضل سے ملتی ہے۔ اللہ کا فضل کسی پر ہوتا ہے، تب وہ پہنچتا ہے، لیکن کوشش سے اللہ کا فضل ہوتا ہے ہمارا آپکا کام اتنا ہے کہ ہم سے جتنی کوشش ہو سکے کریں وہ کسی کو محروم نہیں کرتا۔

محترم بھائیو! آپ حضرات تو علماء کرام ہیں، میں ایک پردیسی ہوں، نہ تقریر کرسکتا ہوں نہ مجھے کچھ آتا ہے، اتنا عرض ہے کہ اپنی زندگی کو خدا سے لگانے اور بنانے میں خرچ کرو اگر ایسا کرو گے تو دنیا بھی دین بن جائے گی ورنہ خدانخواستہ خطرہ ہوگا کہ کہیں دین بھی دنیا نہ بن جائے۔ میں پھر ایک بار عرض کرتا ہوں کہ میں ایک طالب العلم ہوں نہ علم ہے نہ صلاح وتقویٰ ہے......

ع دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

تو اس لئے میں آپ حضرات سے معذرت خواہ ہوں اور اس خلوص و محبت پر آپ سب کا شکرگزار بھی، اللہ تعالیٰ مجھے آپ سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے اور ہمارے عیوب اور خرابیوں کو دور فرمادے۔ آمین

(الحق ج ۵۔ ش ۷ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ اپریل ۱۹۷۰ء)

دین اور حاملین دین کا مقام

مورخہ ۷/ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز بدھ شیخ الاسلام والمسلمین مجاہد حریت اسیر مالٹا مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلف الصدق جمعیۃ علماء ہند کے صدر اور رابطہ عالم اسلامی کے ممتاز رکن مولانا سید اسعد مدنی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، رات کو انہوں نے بعد نماز عشاء دارالعلوم کی وسیع جامع مسجد میں طلباء دارالعلوم سے ایمان پرور خطاب فرمایا جو کہ انہیں کے الفاظ میں شامل خطبات کیا جا رہا ہے۔

الحمد لله وكفى والصلاة وسلام على عباده الذين اصطفىٰ اما بعد فاعوذ بالله من شيطان الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (حم سجدہ: ۳۳)

حضرت گرامی قدر! مولانا مجاہد صاحب نے پشتو میں جسے میں نہیں سمجھتا، تقریر فرمائی ہے اور اس نے خدا ہی جانتا ہے کیا کہا ہو گا مجھ جیسے نا اہل کو والد صاحب اور حضرات اسلاف کے ساتھ جوڑا کوئی مجھے اچھا کہے یا برا کہے لیکن مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری تعریف ان حضرات اسلاف کی تنقیص تو نہیں مولانا کی تقریر

کو مبالغہ آمیز شاعری سمجھو آپ دھوکہ میں نہ پڑیں......

ع چوں اکذب اوست احسن اوست

مجھ پر کسی کو قیاس نہ کریں میں تو بالکل ہی نااہل ہوں دوسری بات ہندوستان کے مسلمان ہوں یا اور ان کی اگر خدمت کرتا ہوں تو یہ میرا کمال نہیں بلکہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے اللہ ہماری بھول چوک اور غلطیوں کو معاف فرمادے اس میں تعریف کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی (درمیان میں کسی نے رقعہ دیا کہ عربی میں تقریر فرمائیں، اس کے جواب میں آپ نے عربی میں فرمایا) کہ فارسی عربی پڑھی ہے لیکن مشق نہیں کی اگر چہ عربی سبب اختصار کلام ہے باوجود عربی پر قادر نہ ہونے کے ان کی دلدہی کیلئے معذرت کرتا ہوں۔

یہ دنیا چند روزہ زندگی اور ایک امتحان گاہ

محترم بزرگو! میرے لئے یہ بات شرف کی ہے کہ میں مولانا صاحب کی ملاقات کیلئے مدرسے حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ بھی ملاقات ہوگئی طلباء کرام اللہ کا دین حاصل کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں پورے عالم کا مالک اللہ ہی ہے اور یہ دنیا چند روزہ زندگی کا نام ہے یہاں آج تک نہ کوئی ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا جو بھی یہاں آیا جانے کیلئے آیا ہر قسم کے لوگ یہاں آئے اور جو آتا ہے اس کی یہی خواہش ہے کہ اب اسے نہ چھوڑا جائے لیکن کسی کی تدبیر نہیں چلتی جو بھی آیا گیا ہم کو بھی ایک دن جانا ہے یہ دنیا مزرعہ الآخرۃ ہے، انسان کو یہاں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اللہ کے ابتلاء اور امتحان سے کامیاب گزرتا ہے یا ناکام اگر ہم آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر اسکی تیاری کریں اور دنیا میں کھو نہ جائیں تو اس امتحان میں وہ کامیاب اور فائز ہوتا ہے لیکن اگر وہ دنیا ہی کو مقصود بنالے اور آخرت کو بھول جائے تو پھر ناکام ہو

جاتا ہے، فیل ہو جاتا ہے، اسکا درجہ گرایا جاتا ہے جو راستہ اس دنیا کی زندگی کو کامیاب کرنے کیلئے ہے اسے شریعت کہا جاتا ہے اللہ نے وہ راستہ تجویز کیا اور آقائے نامدار ﷺ نے اللہ کے حکم سے وہ راستہ بتایا۔

طلبہ دین کا فرض منصبی

جس ڈیوٹی کو رسول ﷺ نے انجام دیا جو آپ کا فرض منصبی تھا اس کی تیاری، تمرین، مشق اور اس کے علم حاصل کرنے کیلئے آپ اپنے گھربار چھوڑ کر یہاں جمع ہوئے۔

آپ کا مقصد نبی کریم ﷺ کے فرض منصبی کو ادا کرنے کیلئے تیاری کرنا ہے، صلاحیت پیدا کرنا ہے، استعداد پیدا کرنا ہے، اس لئے آپ کو اس مقصد کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہئے اور اس کی ذمہ داریوں کے قابل بننے کی کوشش کرنی چاہیے، اگر آپ اس تیاری سے غافل ہو جائیں اور اس مقام کے اہل بننے کی کوشش نہ کریں اور اپنا مقصود اس فرض منصبی کے بجائے خس و خاشاک بنالیں، گندگی کے ڈھیر بنالیں مال و دولت کو بنالیں تو پھر یہ اس مقام کی اہانت ہوگی، توہین ہوگی، اس کو گرانا ہوگا۔

رزق کا خدائی وعدہ

جہاں تک رزق کا تعلق ہے اللہ نے اس کا وعدہ کیا ہے ہم میں سے ہر ایک کو ماں کے پیٹ میں رزق دیا اور جب تک کمانے کے قابل نہیں ہوتے وہ دیتا ہے تو ہم ایسے نہیں کہ حیوانات جو کچھ نہیں کر سکتے پتھروں کے اندر، جنگلوں میں، پانی میں، سمندر میں اور دریاؤں میں اللہ رزق دیتا ہے، ربوبیت ہے اس کی شان ہر ایک کی شان کے مطابق یا ضرورت کے مطابق دیتا ہے جب تک ہم غافل تھے بے خبر تھے اور خدا جانے کیسے کیسے حال میں تھے تب تک وہ دیتا رہا اور جب ہم اس کی

ڈیوٹی، اس کا کام، اس کا حکم بجالائیں گے اور زندگی اس کے کام میں لگائیں گے تو وہ بند کردے گا اور رزق نہیں دے گا اور اگر ہم اس کے کام سے غافل ہو کر دنیا کو مقصد بنالیں تو وہ رزق دے گا یہ شیطانی غلبہ اور وسوسہ ہے تنہا وہ سب کچھ دینے دلوانے والا ہے، سارے عالم کو دیتا ہے، اس کے دین کے خادم جو ہوں گے کیا انکو وہ نہیں دیگا، یہ شیطان کا وسوسہ اور خیال ہے۔

تنگی رزق سے آزمائش

رہی یہ بات کہ کتنا دے گا کیسے دے گا اور مشکل کوئی پڑے گی یا نہیں پڑے گی؟ تو یہ ہر لائن میں ہوتی ہے اور جس سے تعلق ہوتا ہے پاس خاطر ہوتا ہے توجہ ہوتی ہے اسی کو چھیڑا جاتا ہے اسی کو تکلیف دی جاتی ہے اسی کے ساتھ کبھی کوئی ایسا کام ایسی چیز پیش آتی ہے جو بظاہر تعلق کے مقتضی کے خلاف ہو اور جس سے مغائرت ہوتی ہے اس سے آدمی کبھی کوئی بات نہیں کرتا ہے اگر کسی کے پاس کپڑے ہوں پانچ جوڑے ایک ان میں سے زیادہ عمدہ اور پسندیدہ ہو تو وہ ان پانچ میں سے اسی ایک جوڑے کو بار بار پہنے گا جو اسے زیادہ پسندیدہ ہے وہ زیادہ استعمال ہوگا تو میلا بھی زیادہ ہوگا اور جو میلا زیادہ ہوگا اس کو دھلوایا بھی زیادہ جائے گا اور جب وہ دھلنے کے لئے جائے گا تو وہ اٹھایا جائے گا، رکھا جائے گا، پٹکا جائے گا، رگڑا جائے گا اور اس پر لوہے کی استری کی جائے گی اس کو تہہ لگائی جائے گی اور بار بار پہنا جائے گا (نعرہ ہائے تکبیر و تحسین)

مقبولین کی ابتلاء قرب کی علامت

جس سے تعلق ہوتا ہے اس کو تکلیف دی جاتی ہے اور جو غیر ہے اس سے توقع نہیں، اس سے مناسبت نہیں، جس سے قرب نہیں اس کو کوئی کیا کہے گا اور جس سے کوئی

مناسبت ہوگی اس کو تکلیف دی جائے گی اسکی دلیل آقائے نامدار سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے۔ **عن سعد قال سئل النبی ﷺ أی الناس أشد بلاءً؟ قال الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل** (سنن الدارمی: ۲۹۹۰) حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا میں سے سے زیادہ مصیبتیں اللہ کے نبیوں کو آتی ہیں۔ سب سے زیادہ اشد الناس بلاءً تو انبیاء کرامؑ کو اس عالم میں مخلوقات میں سب سے زیادہ بلائیں اور مصیبتیں پیش آئیں، افتاد پڑی اور جو جتنا ان جیسا ہوگا، امثل ہوگا، زیادہ امثلیت پائی جائے تو انہیں بھی زیادہ مصیبتیں پیش آئیں گی۔

تو بھائی! یہ اصول ہے یہ قاعدہ ہے، یہ جو اشد الناس بلاءً ہے کیا اللہ تعالیٰ ان کو ناز و نعمت عیش و عشرت نہیں دے سکتا یہی تو کفار مکہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اگر اللہ کے رسول ہیں تو چھت سونے کی اور دیواریں ایسی پہاڑ سونے کی کیوں نہیں دیتے اور حضور ﷺ کے آگے پیچھے فرشتے کیوں نہیں اترتے اور آپ بھوکے کیوں ہیں ہم اولادوں والے، مال والے اور حضور ﷺ کے پاس کچھ نہیں فاقے ہیں ان کی عقل سے یہ بات باہر تھی کہ جس سے محبت ہوتی ہے اسے ستایا جاتا ہے اور جس سے محبت نہیں ہوتی اسے کوئی کیا ستائے۔

تو بھائی! اگر تکلیف کوئی دنیا میں آتی ہے تو دینداروں کو، خادمین دین کو، تو یہ عدم قبولیت کی علامت نہیں بلکہ قبولیت کی علامت ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لقد أخفتُ فی اللّٰہ ولا یخاف أحد لقد أُوذیت فی اللّٰہ ولا یوذیٰ أحد أو کما قال علیہ السلام** (ترمذی: ۲۴۷۲)

بھائی! یہ ایذا اور تکلیف یہ کبھی محبت کی علامت ہوتی ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر استقامت ہو صبر و شکر ہو تو یہ خیر ہی خیر ہے اور ناشکری ناسپاسی رونا دھونا اور تمام

خرافات اور بے صبری ہو تو یہ مصیبت ہے اللہ سے تعلق رکھنے والوں کو اللہ کے عشاق اور محبوب لوگوں کو اس میں لطف آتا ہے، مزہ آتا ہے انہیں راحت سے اتنا مزہ نہیں آتا جتنا مصیبت میں مزہ آتا ہے، حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو جس دن کوئی فاقہ یا پریشانی یا مصیبت نہ آتی تو رویا کرتے تے کہ میرا محبوب آج مجھے بھول گیا۔

تو میں بات کہہ رہا تھا کہ وہ رازق ہے سارے عالم کا تو اسے اپنے دین سے دشمنی نہیں ہے کہ دین کے خادموں کو بھوکا رکھے، ہوسکتا ہے کہ کچھ مصیبت اور مشکل پیش آئے اور یہ ہوتا ہی ہے، تعلق کی بھی علامت ہوسکتی ہے، بے تعلقی کی علامت ہو، ایسی بات غلط ہے تو اس لئے اور دنیا میں کوئی ڈھونڈ کر نکالا نہیں جا سکتا جسے پریشانی اور مشکل نہ ہو مختلف احوال، مختلف صورتیں، مختلف درجے، سب کے غم الگ الگ ہیں کسی کا کچھ، کسی کا کچھ اور کسی کا کچھ، ہر آدمی کو اپنی مصیبت زیادہ نظر آتی ہے دوسرے کی نہیں نظر آتی، یہ اس کی کوتاہ فہمی ہے ورنہ سب کو غم، کسی کا کوئی غم ہے کسی کا کوئی غم ہے دنیا تو ہے ہی ایسی جگہ ان سب غموں سے صرف نظر کر کے اپنے اصلی کام کو سامنے رکھو اگر آپ جا رہے ہیں، سفر کر رہے ہیں وقت پر پہنچنا ہے اور راستے میں کوئی آپ کو گالی دے رہا ہے تو آپ گالی کی وجہ سے جانا نہیں چھوڑتے اگر آپ کو سواری میں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تو آپ سفر نہیں چھوڑتے اگر آپ کو کوئی اور قسم کی دقت پیش آئی تو کام کی عظمت اور ضرورت جو ہے آپ اس کو برداشت کر کے اگلی طرف دیکھنے دیتا ہے، اسی طریقے سے یہ جو احوال زندگی میں پیش آتے ہیں انکی وجہ سے اصلی کام کو بھول جانا، یہ انسان کی بہت بڑی غلطی اور حماقت ہے اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے اسلیئے کام سے کام ہونا چاہیے۔

انسان اور مسلمان ہونا

سو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بڑا اشرف عطا فرمایا ہے آپ یقین جانیں کہ جس طرح اللہ نے آپ کو انسان بنایا، آپ کے اختیار میں نہیں، خدا نے بنایا، مکھی نہیں بنایا، پتھر نہیں بنایا، درخت نہیں بنایا، جانور نہیں بنایا، گدھا، کتا، سانپ، بلی، بچھو نہیں، انسان بنایا اپنی مہربانی سے پھر انسان بنا کر آنکھیں دیں، اندھا نہیں بنایا، کان دیئے بہرہ نہیں بنایا، زبان دی گونگا نہیں بنایا، ہاتھ دئے لجھا نہیں بنایا، پاؤں دیئے، لنگڑا نہیں بنایا، اور یہ سب کچھ دینے کے بعد اپنی مہربانی سے مسلمان کے گھر پیدا کیا، ایمان دیا اگر کسی کافر کے گھر پیدا کر دیتا تو ایمان حاصل کرنے کی توفیق ضروری ہو جاتی سمجھ لیتے، اختیار کر لیتے یہ کوئی ضروری نہیں اور آج بھی اس کی مہربانی ہے کہ اس نے دل و دماغ کو ایمان پر قانع اور راضی کر رکھا ہے، اس کی شان بے نیازی ہے بڑوں بڑوں کو اس نے دھتکارا ہے، بڑے بڑے مسند والے، بڑے بڑے علم و فضل والے، اس کی شان بے نیازی کے سامنے ٹھوکر کھا کر ایمان سے محروم ہوئے ہیں۔

خاتمہ بالایمان اور ایک واقعہ

ایک بزرگ کا قصہ مشہور ہے میں نے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں مطاف میں بیٹھے تھے ایک آدمی نماز پڑھتے دعائیں مانگتے، طواف کرتے، ہر حالت میں روتے اور جب ایمان پر خاتمہ کے لفظ پر آتے تو بلک بلک کر، تڑپ تڑپ کر بے صبر ہو جاتے ایک دن، دو دن، تین دن ہمیشہ یہی حالت آخر کوشش کر کے اسے ایک دن پکڑا بھائی! ایمان پر خاتمہ تو ہر ایک کے لئے ضروری ہے اور سبھی مانگتے ہیں اور خدا کے فضل کے علاوہ کوئی صورت اس کے حاصل کرنے

کی نہیں لیکن تیرا یہ حال کیوں ہے بس زبان پر ایمان کے خاتمہ کا لفظ آیا اور تو بالکل بے قابو ہو جاتا ہے بات کیا ہے، اس نے کہا جاؤ جاؤ اپنا کام کرو میں کسی کو نہیں بتاتا، نہیں بھائی! بتاؤ تو سہی......

ارے بھائی! جاؤ، تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو وہ لپٹ گئے نہیں مانتے جب بہت گھبرا تو کہنے لگے کہ ہمارا خاندان اس مسجدِ حرم کا مؤذن ہے، پہلے سے ہم لوگ مؤذن ہیں اور میں بھی مؤذن ہوں اور میرا بڑا بھائی جو اس مسجد کا مؤذن تھا، جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے کہا قرآن لاؤ اس کیلئے قرآن لایا گیا اور العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ اس نے قرآن اٹھا کر پھینکا اور مر گیا، یہ منظر ہم لوگوں نے دیکھا اور انا للّٰہ و انا إلیہ راجعون پڑھ کر کہ یہ کیا ہو گیا تو اس دن سے مجھے یاد آتا ہے کہ حرم پاک کا مؤذن اور یہ کیا مرتے وقت تڑپتا ہوں مجھے سکون نہیں ہے کیا ہو گا میرا، میرے بھائی کا یہ حشر ہوا، میرا کیا ہو گا بڑی مصیبت اور پریشانی ہے اس لئے روتا ہوں کہ یا اللہ! مہربانی کر۔

وہ بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر حیرت ہو گئی کہ دیکھوں اس کا رونا کام آتا ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کچھ دن گذرے کہ اسے میں نے دیکھا نہیں تو میں نے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے معلوم ہوا کہ بیمار ہے میں جانے لگا اسکی مزاج پرسی کیلئے اور کئی دن جاتے جاتے ایک دن معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ خراب ہے یہاں تک کہ اسکی موت کا وقت آیا اس کے اعزہ جمع ہیں، میں بھی ہوں، اس نے کہا قرآن لاؤ تو آدھے آدمی انا للّٰہ و انا إلیہ راجعون پڑھ کر اٹھ بیٹھے اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصہ خراب ہے۔ پھر اس نے کہا گھبراؤ مت لاؤ، لاؤ جب لائے تو اس نے ہاتھ میں لیا اور سر پر رکھا اور چوما سینے پر رکھا اور کہا گواہ رہو، اللہ ایک ہے یہ اللہ کا کلام ہے اور کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے چلے گئے۔

عاجزی انکساری اللہ کے نزدیک مقبول ہے

بھائی! اسکے یہاں کچھ نہیں چلتا اس کے یہاں چلتی ہے عاجزی، اس کے یہاں چلتی ہے انکساری وہ شخص بچ نہیں سکتا جو اپنے آپ کو بڑا کہے، بڑا بتائے اور بڑا دکھائے، کس کی بڑائی ہے جو خدا کے سامنے بڑا شمار ہو حدیث قدسی میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کہتا ہے۔ قال اللّٰہ تبارك وتعالیٰ الکبریاء ردائی والعظمة إزاری فمن نازع عنی واحداً منهما ألقیته : او قال کبته فی النار (البزار: ٧٨١٤)

جو تکبر اختیار کرے چاہے وہ علم کا ہو، چاہے وہ بزرگی کا ہو، چاہے وہ پیری کا ہو چاہے وہ سیادت کا ہو، کسی قسم کا بھی ہو، اس سے اللہ نے جنگ مول لی اور اسے کہیں پناہ نہیں ملتی بھائی! اسکے ہاں کوئی کسی کا کچھ نہیں چلتا، عاجزی ایسی چیز ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتے ہیں: أنا عند المنكسرة قلوبهم جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں اللہ ان کیساتھ ہے۔

بھائی! میں بھٹک بھٹک کے چلا جاتا ہوں، میرا کوئی موضوع نہیں، میں تو عرض صرف اتنا کر رہا تھا کہ وہ بہت بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں، ہم صرف اس کی مہربانی ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں کچھ اللہ کو نہیں چاہئے یہ تو اپنے لئے تیار کرتے ہیں اسکے دربار کے جب قابل ہو تب اس میں شرکت ہو اور جب ریا ہو جائے اور جب صنع اور عجب ہو جائے اور جب تکبر ہو جائے تو پھر اس میں شیطان خبیث شریک ہو گیا، نفس شریک ہو گیا، اللہ کو وہ عمل بالکل منظور نہیں۔ دنیا میں جو چاہے کرے، اسلئے بھائی! اللہ تعالیٰ تو عاجزی پسند کرتا ہے، انکساری عاجزی اپنے فضل و کرم سے وہ عطا کرتے ہیں، کسی بندے کو، اس سے بڑی دولت اس سے بڑی کامیابی اور کام آنے والی چیز کوئی نہیں یہ تمام جتنی برائیاں ہیں جتنے تکبر کے سامان ہیں سب شیطانی دولت ہے، سب نفسانی خواہش ہے، سب جہنم کا سامان ہے اس میں کوئی چیز حقیقت نہیں۔

آپ کا انتخاب اللہ کا فضل و کرم

بھائی ! کیا ہے جن چیزوں پر شیطان غرور کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز اپنی نہیں ،اگر ہے بھی کچھ تو سب اللہ کا ہے پرائی دی ہوئی چیز پر انسان تکبر کرے اس سے بڑی حماقت کیا ہے تو خیر میں بہت دور چلا گیا میں تو صرف اتنا عرض کر رہا تھا آپ حضرات پر اللہ کا کرم ہے کہ اس نے آپکو یہاں اپنے فضل و کرم سے منتخب کیا ہے دین کیلئے اگر اسکی مہربانی نہ ہو تو یہ دل دین پر کھل نہیں سکتا ایمان قبول کرنا یہ بھی اللہ کے کرم کی بات ہے أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ (الزمر:۲۲) یہ اللہ کا کرم ہے، بہت بڑا کرم ہے اسی طریقے سے جس طرح وہ ایمان کیلئے شرح صدر فرماتا ہے،مہربانی کرتا ہے دولت نوازتا ہے اسی طرح اس کی مہربانی کی بات ہے کہ وہ دین کی خدمت کیلئے دل و دماغ کو تیار کرتا ہے قلب میں بیج ڈالتا ہے دین کا اور دین کی خدمت کا، ہم پر اور آپ پر سب پر اس کا شکر واجب ہے اور اس کے حق کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یہ دنیا سب دھوکہ ہے

تو بھائی ! اتنی بڑی مہربانی ، کرم عنایت اور اجتبا کے بعد پھر اس سے روگردانی کر کے دنیا کو مقصود بنا لینا جب کہ دنیا کسی کی نہیں ہمیشہ اپنے صاحب کو دھوکہ دیا ، برباد کیا اسے اپنا مقصود بنا لینا اس سے بڑی ناکامی نہیں۔

کسی بندے کی دعوت سے ہدایت عظیم نعمت

اس لئے بھائی ! اللہ نے جس مقام پر پہنچایا اس کا حق ادا کرو اور دین کی خدمت کے لئے تم دین کی خدمت کرو تو پھر اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہوگا اور تمہیں انشاء اللہ عزت ملے گی اور اجر و ثواب ملے گا اور اللہ کا دین سرسبز و شاداب ہوگا تمہیں وہ حدیث یاد

کرنی چاہیے کہ نبی کریم ﷺ حضرت علیؓ کو رخصت کر رہے ہیں یمن کیلئے اور ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور فرما رہے ہیں **فواللّٰہ لأن یھدی اللہ بك رجلاً واحداً خیر لك من أن یکون لك حمر النعم** (بخاری: ۳۷۰۱) ”تیرے ذریعے ایک آدمی ہدایت پا جائے سیدھا راستہ معلوم کرے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“

بھائی! اللہ کے کسی بندے کو ہدایت مل جائے راستہ مل جائے کوئی ہدایت خدمت کے قابل ہو جائے تو بہت بڑی بات ہے،صدقہ جاریہ ہو سکتا ہے،اس لئے بھائی! اللہ کے بندوں کی خدمت اور ہدایت اسے معمولی کام نہ سمجھو یہ کروڑوں روپے کی دنیا کمانے سے یہ ہزار درجہ زیادہ بڑا کام سمجھو اور اس نعمت پر خدا کا شکر ادا کرو اور اللہ کے دین کیلئے جو بھی اللہ توفیق دے اس سے پہلو تہی اور اعراض نہ کرو،اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات میں استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور نفس و شیطان کے کید و مکر سے بچائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(ضبط و ترتیب: حافظ مولانا محمد ابراہیم فانی [الحق ج۱۶،ش۴،])

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اور اپنی محنت کی ضرورت

۳ دسمبر ۱۹۸۴ء: حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے جانشین وفرزند رشید صدر جمعیت علماء ہند مولانا محمد اسعد مدنی پاکستان تشریف لائے تو حسبِ معمول دارالعلوم بھی قدم رنجہ فرمایا آمد سے قبل مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا کی ملاقات کے لئے سخاکوٹ مولانا عزیز گل صاحب اسیر مالٹا کے ہاں تشریف لے گئے، مولانا مدنی کا آج رات کا قیام ان کے ہاں تھا' آپ نے مولانا اسعد مدنی اور اسیر مالٹا مولانا عزیز گل صاحب سے ملاقات کی، دوسرے روز مولانا اسعد مدنی، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی عیادت کی غرض سے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ' سے ملاقات کی اور دارالحدیث میں اساتذہ وطلبہ کے اجتماع سے بھی خطاب فرمایا جسے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کر کے شامل خطبات کیا جا رہا ہے۔

شرف انسانیت بڑی نعمت ہے

حضرت استاد محترم، بزرگو اور بھائیو! اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جہاں ان گنت بے انتہاء اور بے شمار نعمتوں سے نوزا ہے، اپنی مخلوقات میں اشرف المخلوقات صرف انسان کو بنایا ہے اگر اس کی مہربانی نہ ہوتی مٹی، پتھر، درخت، جانور، گدھا، کتا، بلی، سانپ، بچھو، جو چاہتا بنا سکتا۔ اللہ سے ہماری اور آپ کی قدرت وطاقت اور زبردستی نہیں

تھی کہ ہم اپنے آپ کو انسان ہی بنوا لیتے ہیں پھر انسان بنا کر اندھا نہیں بنایا آنکھیں دیں، بہرہ نہیں بنایا کان دیئے، گونگا نہیں بنایا زبان دی، ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ، معدہ، جگر اور ان گنت نعمتیں عطا فرمائیں جن میں سے ہر نعمت انمول ہے ساری دنیا حکومت، طاقت سب کچھ دے کر بھی ایسی کوئی نعمت کہیں سے خریدی نہیں جاسکتی۔

سب سے بڑی نعمت ایمان ہے

پھر ان سب نعمتوں سے عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے ایمان مقدر کیا ایسا گھر، ماں، باپ، ماحول عطا کیا کہ بغیر کسی نعمت، مجاہدہ، مشقت اور قربانی کے ایمان کی دولت ملی، اگر کسی کافر کے گھر پیدا کر لیتا تو ایمان حاصل کرنے کی توفیق ہوتی اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے اس کا فضل ہے اس نے ایمان عطا فرمایا پھر ایماندار ہونے کے بعد اپنے فضل وکرم سے آپ کو اس کام کیلئے منتخب کیا کہ آپ اللہ اور رسول ﷺ کے علوم کو حاصل کرنے اور اس کے راستے میں اپنی زندگی لگانے کیلئے آمادہ اور ایسے مراکز میں پہنچے یہ کام جس میں آپ یہاں بحیثیت طالب علم موجود ہیں وہ کام ہے جس کے لئے اللہ نے آقائے نامدار سرکار دوعالم ﷺ کو دنیا میں بھیجا اللہ نے دنیا والوں کی ہدایت کیلئے دین نازل فرمایا اور اس دین کو پہنچانے کیلئے، عمل پیرا کرانے کیلئے، عمل کر کے دکھانے کیلئے آقائے نامدار سرکار دوعالم ﷺ کو آخری نبی بنایا، آپ جس دین کے داعی پیغامبر اور عادل بن کر کے دنیا میں تشریف لائے اسی کے حاصل کرنے اور پہنچانے کے لئے آپ یہاں آئے ہیں، یہ مقام جس کیلئے آپ یہاں ٹریننگ اور علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں طالب علم کے طور پر اللہ تعالیٰ کے پیغام کا امین ہونے کا مقام ہے۔

طالب علم کی ذمہ داریاں

اس لئے اس کی بڑی ذمہ داریاں ہیں، یہ وقت آپ کو مقدر سے اللہ کے فضل وکرم سے ملا ہے اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور اس فرصت کو، موقع کو سہولتوں کے پیش نظر یا دنیا کو

دیکھ کر ضائع نہیں کرنا چاہئے اگر یہاں آپ آکر آرام طلبی میں مبتلا ہوجائیں اور مشقت، مجاہدہ ،محنت ، اور خلوص کی منزل سے دور ہوجائیں تو یہ آپ کا ضائع ہوجانا ہے ، یاد رکھئے! طلبِ کمال کی منزلوں سے آپ گزر رہے ہیں اس وقت اگر آپ نے سستی ،تہاون،غفلت اور مقصد کو ضائع کرنے میں گزارا تو اس کا مکافات ساری عمر نہیں کر سکتے آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ نے اپنے فضل سے آپ کو بہت ممتاز موقع عطا فرمایا ہے اگر کوئی ایک دوفٹ کی بلندی سے گرے تو معمولی چوٹ آئے گی لیکن اگر کوئی سوفٹ کی بلندی سے گرے تو اس کی ہڈی پسلی چور چور ہوجائے گی تو جتنی زیادہ بلندی ، درجہ اور موقع حاصل ہو اتنی زیادہ احتیاط اور قدر کی ضرورت ہوگی۔

نعمتوں کی قدر اور عجب اور پست ہمتی سے اجتناب

اللہ نے آپ کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، اس کی قدر کیجئے اور عُجب اور پست ہمتی میں مبتلا ہوجائیں گے تو یہ دونوں چیزیں برباد کرنے والی ہیں ان سے آپ کو بچنا چاہئے اور مقصد کو صحیح کرنا چاہئے اور مستقبل کی تیاری سے غافل نہیں ہونا چاہئے اللہ نے آپ کو غنیمت موقع دیا ہے کہ حضرت مولانا کی صحبت میں رہنے، بیٹھنے، فیض اٹھانے اور مستقبل کی تیاری کا موقع دیا ہے ان چیزوں کی قدر کرنی چاہئے اور ہمت، جذبہ، مجاہدہ، مشقت اختیار کیجئے۔

بقدر الكد تكتسب المعالی   ومن طلب العلى سهر الليالی

اسلئے اگر ہمت ، جذبہ، خلوص ،مشقت ،مجاہدہ اور محنت ہوگی تو اللہ تعالیٰ زندگی میں کامیابیاں عطا فرمائیں گے اور اگر پست ہمتی ،آرام طلبی ،دنیاداری دنیا کا مقصود ہونا اور یہی چیزیں ہوں گی تو یہ سب راستے خسران کے ہیں، بربادی کے ہیں،ان سے کوئی کسی کو بھلائی نہیں ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ سب کو اپنے مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور خلوص وللّٰہیت سے نواز دے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ضبط وترتیب: مولانا محمد طیب ،شیر گڑھ،

(الحق ج ۲۰،ش ۳،ص ۶۳، دسمبر ۱۹۸۴ء)

حنفیت اور اس کے مزایا وخصوصیات

امام اعظم اور علم حدیث

جشن صد سالہ دیوبند کانفرنس پشاور سے دیگر اکابر اساتذہ دارالعلوم کیساتھ ۱۱/اپریل ۲۰۰۱ء دارالعلوم آمد کے موقع پر جانشین شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ امیر جمعیت علماء ہند دارالحدیث ایوان شریعت میں درج ذیل خطاب کیا اُسے ٹیپ ریکارڈ سے محفوظ کر کے اب شاملِ خطبات کیا جارہا ہے۔..........(سمیع الحق)

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيأت أعمالنا من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا ها دی له وأشهد أن لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلی اللّٰه تعالى عليه وعلى اله وصحبه وبارك وسلم۔

اطاعت الٰہی مع اطاعت رسول اللہ ﷺ

اطاعت الٰہی جس طرح اللہ کے حکم سے فرض ہے بعینہ اسی طرح اطاعت رسول ﷺ بھی فرض ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا جگہ جگہ حکم دیا ہے قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ "حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا" اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ "حکم مانو اللہ کا اور

حکم مانو رسول کا'' وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا '' اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اسکے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد'' وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ''اور رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لیا کرو اور جس سے تم کو روک دیں تو تم اس سے رک جایا کرو'' قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ''تو کہہ اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری راہ چلو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے۔''

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیتوں سے یہ حکم ثابت ہے۔

منکرین حدیث

منکر حدیث منکر قرآن ہے اور منکر قرآن و منکر حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح قرآن کریم میں حکم الٰہی کو ماننا فرض قرار دیا گیا ہے بعینہ اسی طرح قرآن میں نبی ﷺ کی اطاعت بھی فرض عین قرار دی گئی ہے اب جو لوگ حدیث کے منکر ہیں وہ اللہ اور قرآن کے بھی منکر ہیں اور وہ ایمان سے خارج ہیں گمراہ لوگ آج دنیا میں گمراہی پھیلا کر اسلام سے دور کرنے کی سازشیں کرتے پھر رہے ہیں اور پیسے کے ذریعے ایمان خرید کر بے ایمان بنانے کی سازش اور گمراہی دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

اہل قرآن کا فرقہ

اتفاق سے ہمارے ہاں اہل قرآن فرقے کا ایک نوجوان گورنمنٹ نے پکڑا تو پانچ کروڑ روپے لے کر باہر سے آ رہا تھا بے خبر سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے نوجوانوں کو پیسوں سے خریدا جاتا ہے اور اسلام میں قسم قسم کے فتنے پیدا کئے جا رہے ہیں اہل قرآن نامی فرقہ دراصل ایمان کے خلاف ایک بڑا فتنہ اور منکر قرآن ہے، بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ ہر مسلمان کو اللہ اور رسول ﷺ کی اتباع کرنی چاہیے، اس اتباع کے لئے لوگوں نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں اور ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی اتباع کے

لئے امام ابو حنیفہؒ کے فتوے رائے اور طریقے کو زیادہ انسب اور مناسب سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے امتیازات

اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں اور جس طرح امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین حفاظ حدیث ہیں اسی طرح امام صاحبؒ بھی حافظ حدیث ہیں جبکہ دنیا کا کوئی محدث اور کوئی فقیہ امام صاحبؒ کی طرح حافظ حدیث نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان کو جرح و تعدیل کا امام بنایا جو ہر حافظ حدیث اور محدث نہیں ہوتا، تیسری بات یہ ہے کہ اللہ نے امام ابو حنیفہؒ کو یہ مزیت دی ہے کہ آپ جہاں پر رہتے تھے وہاں حرمین سے زیادہ اجل صحابہ تھے۔ آپ صحابہ کرامؓ کی گودوں میں پلے بڑھے اور حضور ﷺ کی پوری حیات مبارکہ کو سمجھا جانا اور پورے عالم میں سب سے زیادہ فقیہ (امام اعظم) نے اپنے تفقہ سے اس کو سارے عالم میں پھیلا کر دین کی خدمت کی۔

تابعیت امام اعظمؒ

امام ابو حنیفہؒ ۸۰ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۶۰ھ میں دنیا میں پیدا ہوئے اگر ۸۰ھ میں بھی مانا جائے جو کہ متفق علیہ قول ہے تو امام صاحبؒ حضور ﷺ کے وصال کے ۷۰ سال بعد دنیا میں پیدا ہوئے اور صحابہ کرامؓ ۱۱۰ھ تک دنیا میں زندہ رہے تو اس طرح امام صاحب کو ۳۰ برس صحابہ کے وجود کے دنیا میں ملے اور ان کا شہر اجل صحابہ کا حرمین سب سے بڑا مرکز تھا امام صاحبؒ کو متعین طور پر اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ شرف تلمذ حاصل رہا ہے اور ان سے احادیث حاصل کیں، کم از کم حضرت انس بن مالکؓ کا نام واضح طور پر متعین ہے اور ان کے علاوہ اور صحابہ کرام سے بھی ان کا اخذ ثابت ہے، دین کو امام صاحب نے اپنے تفقہ، دلچسپی، محنت، ورع و تقویٰ، توجہ اور انہماک کے ساتھ دنیا میں پھیلایا۔

نبی ﷺ کی پیشنگوئی

نبی کریم ﷺ کی پیشنگوئی ہے کہ فارس کے نوجوانوں میں ایک شخص ایسا ہوگا کہ اگر دین ثریا میں بھی ہوتو وہ اسے حاصل کریگا، پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسکا مصداق امامِ اعظم ابوحنیفہؒ ہیں، ایک واسطہ یا دو واسطوں سے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

صحابہؓ کی عدالت وعظمت

الصحابۃ کلھم عدول اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسلک ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعریف قرآن میں کردی جس کی تعریف قرآن میں آ گئی وہ نص قطعی سے ثابت ہوگیا پھر اس میں کوئی بحث اور غور نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی کرتا ہے تو ایمان سے خارج ہونے اور گمراہی کو دعوت دیتا ہے۔ قرآن کے بعد دنیا میں کوئی اونچی چیز نہیں آئی لہٰذا قرآن کے نص قطعی کو کوئی عبور کر کے نہیں جاسکتا اس کو ماننا پڑے گا اللہ نے قرآن میں صحابہ کرام کے متعلق فرمایا کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ (صحابہ) اللہ سے راضی ہیں أُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ . فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل اور احسان سے اور فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح تم ایمان لائے ہدایت پائی انہوں نے بھی۔ اس طرح ایمان کیلئے حضور ﷺ کے صحابہ کو معیار قرار دیا گیا جو ایمان کے لئے معیار ہو عمل کیلئے کیوں نہیں ہونگے؟ صحابہ کرام کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا اللّٰہ اللّٰہ فی أصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن أحبھم فبحبی أحبھم ومن أبغضھم فببغضی أبغضھم (ترمذی:۳۸۶۲) کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو ہدف ملامت اور تنقید وتبصرہ مت بناؤ یعنی ایسی حرکت کو حرام قرار دیا گیا اور بتایا گیا جس نے

میرے صحابہ سے محبت کی میری محبت سے جس نے میرے صحابہ سے دشمنی کی میری دشمنی سے تو صحابی سے دشمنی حضور ﷺ سے دشمنی ہوگئی، صحابہ سے محبت حضور ﷺ سے محبت ہوگئی لہٰذا وہ تنقید وتبصرہ سے بالاتر ہیں، قرآن و حدیث ماننے والا یہ ایمان کھو دینے والی حرکت نہیں کرسکتا۔

امام صاحب کے مسلک کی حجیت وحقانیت

ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے براہ راست امام صاحب نے حضور، کی حیات، اعمال، اقوال اور احوال کو حاصل کیا اور پھر اپنے تفقہ سے اس سے دین کا استنباط کر کے لوگوں کو اس کی رہنمائی کی۔ جو لوگ دو، ڈھائی سو برس یا پانچ سو برس کے بعد آئے ہیں ان کا قول روایت تنقید وتبصرہ اخذ وترک امام صاحب کیلئے حجت نہیں اور امام صاحب کا علم تمام عالم کے لئے حجت ہے اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ دو واسطوں سے ایک تابعی اور ایک صحابی کے واسطہ سے امام صاحب حضور ﷺ سے اخذ کرتے ہیں۔ چار ہزار ایسے تابعین سے امام صاحب نے علم حاصل کیا جنہوں نے صحابہ سے حضور ﷺ کی نماز، روزے، احوال و اقوال خود سنے تھے، امام صاحبؒ انکے تدین، تفقہ، علم و ورع، سب سے پوری طرح واقف اور خوب مطمئن ہوکر روایت حاصل کرتے ہیں یا خود صحابی سے یا تابعی سے روایت نقل کرتے ہیں، اسلئے امام صاحب کے علم میں کسی قسم کی بحث نہیں کی جاسکتی ہے، جبکہ سو، ڈیڑھ دوسو برس بعد' شیعیت' خارجیت' اعتزال اور دوسرے بے شمار قسم کے فتن عقیدوں اور اعمال میں پیدا ہوئے لہٰذا ان تمام فتن میں ملوث لوگوں کا کہیں بھی نام آئے تو ایسی احادیث کو ائمہ حدیث ترک کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے بڑی بڑی مضبوط قولی و فعلی حدیثیں جن کو امام صاحب نے بالکل مشہور و متواتر کی طرح یقینی ہونے کی بنا پر اختیار کیا تھا بعد کے ائمہ حدیث کیلئے وہ ضعیف ہوگئیں جن کو انہوں نے پھر چھوڑ دیا تو اس لئے امام صاحب کا مسلک اور علم حجت ہے اور کسی دوسرے شخص کی حجت نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عبادت زہد وتقویٰ

امام صاحب زہد وتقویٰ میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے ، ۱۶ برس کی عمر سے حج شروع کیا اور مسلسل چالیس حج کئے ۔امام صاحبؒ نے عشاء کے وضو سے چالیس برس تک فجر کی نماز پڑھی ،امام صاحبؒ علم وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے ،امام صاحب کے صاحبزادے نقل کرتے ہیں کہ جب عشاء کے بعد وہ گھر تشریف لاتے تو نوافل شروع کردیتے اس دوران شدت بکاء کی یہ حالت ہوتی کہ پڑوسیوں کو ان کی حالت پر ترس آتا تھا، ہر رات سارا قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور اس دوران اللہ کے دربار میں بے اختیار تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے اللہ سے رحم طلب کرتے تھے اور یہ معمول امام صاحبؒ کا رمضان میں ڈبل ہوجاتا تھا یعنی ایک قرآن ہمیشہ رات بھر میں ختم کرتے اور رمضان میں ایک قرآن دن میں بھی ختم فرماتے تھے ،اس طرح پورے مہینے میں ۶۰ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے ۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تحمل برداشت اور صبر

امام صاحبؒ کو ستانے کیلئے ایک شخص آیا اور ان کی بوڑھی ماں کے بارے میں کہا کہ میں آپ کی والدہ کے ساتھ نکاح کرنے آیا ہوں ،سو آپ اس کا خطبہ دینے کے لئے آجایئے ۔امام صاحبؒ نے کہا کہ شرعاً جائز ہے میں جا کر اپنی ماں سے پوچھ آتا ہوں اگر وہ تیار ہوجائے ! تو گھر گئے اور اپنی ماں سے پوچھا کہ والدہ صاحبہ ایک شخص آیا ہے فلاں فلاں نام کا ،ساری تفصیل بتادی اور وہ کہتا ہے کہ میں آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں ،امام صاحبؒ کی والدہ نے جواب میں کہا کہ میں بوڑھی عورت ہوں میں کہاں نکاح کروں گی ،بہرحال امام صاحبؒ نے شرعی صورت ہونے کی بنا پر کسی قسم کی ناگواری ظاہر نہ کی ،آج اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ڈنڈے اٹھا کر خوب مارتے ۔

امام اعظمؒ کی احتیاط

امام صاحبؒ کو ایک دفعہ بتایا گیا کہ ان کے شہر میں کچھ لوگوں نے بکریاں چرائی ہیں اور وہ شہر کی بکریوں میں مل گئیں ہیں ،جیسے ہی معلوم ہوا کہ چرائی ہوئی اور خریدی ہوئی بکریوں میں تمیز نہیں ہوتی تو چرواہوں سے معلوم کیا کہ عادتاً بکری کتنے دنوں تک زندہ رہتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ عموماً ۷ برس تو امام صاحبؒ نے اپنے شہر میں اس دن سے ۷ برس تک بکری کا گوشت استعمال نہیں کیا حالانکہ فتویٰ یہ نہیں ہے لیکن انہوں نے اپنے اعتبار سے یہ احتیاط کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی نوالہ چوری کے سالن کا میرے پیٹ میں چلا جائے ۔

احناف اور اتباع سنت

اللہ نے امام صاحبؒ کو بڑے فضائل سے نوازا اور تابعیت جیسی بڑی نسبت عطا فرمائی تھی ۔حقیقت میں اتباع سنت کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے احناف کو عطاء فرمائی ہے حنفیت کے تمام مسائل سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی ہیں یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو اکثر اختیار کیا جاتا ہے ،آپ حضرات کو مطمئن ہو کر جرأت و ہمت کے ساتھ اس موضوع پر بات کرنی چاہیے ،ان شاء اللہ آئندہ دو مہینوں میں ایسی لٹریچر اور کتابیں آجائیں گی جس میں حنفیت کا ہر مسئلہ سنت سے ثابت کیا جائے گا اور وہ لٹریچر ہم یہاں پہنچانے کی کوشش کریں گے اور اگر اس سلسلے میں کچھ حضرات ۲؍۳ مئی کو دہلی آسکے تو وہ خود لے کر یہاں آجائیں گے

امام صاحبؒ کی بے جا مخالفت

افسوس! کہ آج امام ابوحنیفہؒ کے ذریعے سے اتباع سنت کو شرک کہا جارہا ہے مثلاً وَ

ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ یعنی توسل قرآن سے ثابت ہے، اس کی غلط غلط تفسیریں بیشمار قیودات اپنی طرف سے بڑھا کر کئے جاتے ہیں اور قرآن کے مطلق حکم کو توڑ مروڑ کر اور توسل کو حرام قرار دے کر پیش کیا جارہا ہے۔ یہ کتنی بڑی جہالت ہے کہ قرآن کا مطلق حکم قیودات سے مقید کر کے حرام بتایا جائے اس لئے آپ حضرات کو اتباع سنت کے لئے حنفیت کو قابل فخر اور صحیح طریقہ مان کر عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم وعمل اور اخلاص وللّٰہیت کی توفیق عطا فرمائے اور تمام شرور وفتن سے بچا کر صحیح راستے پر چلائے۔

امین

خطاب

مولانا معراج الحق دیوبندی

ناظم اعلیٰ دارالعلوم دیوبند

مولانا معراج الحق صاحب قدس سرہ

تعارف

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین وناظم

سرزمین حقانیہ
شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی
پیشن گوئی کا مظہر

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولانا معراج الحق صاحب دارالعلوم حقانیہ مارچ ۱۹۸۴ء کو تشریف لائے، دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے معزز مہمان کو ظہرانہ دیا، کافی دیر تک مجلس رہی، جس میں دارالعلوم کے اسی اساتذہ بھی شریک تھے اس دوران طلبہ دارالحدیث میں جمع ہوگئے جہاں معزز مہمان نے خطاب کرنا تھا جب معزز مہمان حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دارالعلوم کے اکابر اساتذہ کی معیت میں دارالحدیث میں داخل ہوئے تو حاضرین نے پر جوش خیر مقدمی نعروں سے مہمان کو خوش آمدید کہا حضرت شیخ الحدیث اور معزز مہمان دونوں ایک مسند پر تشریف فرما ہوئے تو منظر دیدنی تھا۔

حضرت شیخ دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ، مادرِعلمی دارالعلوم دیوبند سے آئے ہوئے قابل قدر مہمان کے اکرام میں نچھاور ہوئے تھے چونکہ مولانا سمیع

الحق صاحب سفر پر تھے، تو تقریب کے آغاز میں مولانا عبدالقیوم صاحب نے حضرت شیخ الحدیث ،دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ کی طرف سے ضیف محترم کوخوش آمدید کہا، اور ان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور حاضرین سے مہمان کاتعارف ، دارالعلوم دیوبند کے بحران میں دارالعلوم حقانیہ کی ہمدردانہ دلچسپی دارالعلوم حقانیہ کا تاریخی پس منظر ، دارالعلوم دیوبند سے ربط اور تعلیمی واشاعتی خدمات اوراب جہاد افغانستان میں فضلائے حقانیہ کا مجاہدانہ اور قائدانہ کردار اور دارالعلوم دیوبند کے مشن کی تکمیل میں دارالعلوم حقانیہ کی مساعی پر روشنی ڈالی ۔

شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کے پڑاؤ ڈالنے کا مقام

ان کے بعد حضرت مولانا معراج الحق صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ’’واقعتاً ‘‘ میرا جی بھی یہی چاہتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کے درودیوار سے لپٹ جاؤں اس لئے کہ ان کی تہہ میں بالاکوٹ کے شہدا کا خون موجود ہے ،شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید نے جب سکھوں سے جنگ لڑی تو اکوڑہ میں پڑاؤ ڈالا تھا تو یہاں ان کے رفقاء شہید ہوئے تھے ، اسی سرزمین میں ان کے خون کی کھاد موجود ہے اس لئے تو آج یہاں کے پتھروں سے دارالعلوم حقانیہ کی صورت میں علوم ومعارف کے چشمے جاری ہیں ، جو ایک عالم کوسیراب کررہے ہیں ، انہوں نے فرمایا ، دارالعلوم حقانیہ آکر مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جسے میں دارالعلوم دیوبند میں آگیا ہوں مجھے یہاں کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی ۔فرمایا دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم حقانیہ کو اپنے جسم کا ایک حصہ سمجھتا ہے ، یہ ادارہ دارالعلوم دیوبند کا روحانی فرزند ہے ،جس کے اعلیٰ کردار پر دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء برسرپیکار ہیں ، اور پھر دارالعلوم دیوبند کے ایام بحران اوراس کے حالات واقعات تفصیل سے بیان فرمائے اورفرمایا اب

وہاں کی تعلیمی اورانتظامی کارکردگی پرامن اورحسبِ معمول جاری ہے ۔

(ضیف محترم نے رات کو دارالعلوم میں قیام فرمایا ، مغرب کا کھانا حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ساتھ بیٹھک میں تناول فرمایا ، صبح روانگی ہوئی تو جاتے ہوئے فرمایا) مجھے یہاں پہنچ کر جو اطمینان اور سکون حاصل ہوا تھا اب جاتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے، جسے مسافر اپنے گھر سے سفر کے لئے رخت سفر باندھ رہا ہو۔

(الحق ج ۱۹،ش ۷،ص ۶۱،اپریل ۱۹۸۴ء)

دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی جامعہ حقانیہ آمد اور خطبات

مولانا اسعد مدنی، مولانا مرغوب الرحمان، مولانا محمد عثمان، مولانا عبدالحق اعظمی، مولانا نعمت اللہ اعظمی اور مولانا سمیع الحق کا استقبالیہ خطاب

۱۱/اپریل ۲۰۰۱ء دارالعلوم حقانیہ کیلئے انتہائی مسرت اور سعادت کا دن تھا کہ اسکی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا ایک جلیل القدر وفد جس میں دارالعلوم کے شیوخ اساتذہ اور مہتممین حضرات شامل تھے' تشریف لا رہے تھے اس طرح یہ خوشی اور بھی دوبالا ہوگئی جب فدائے ملت جانشین شیخ العرب والعجم مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ امیر جمعیت العلماء ہند نے بھی دارالعلوم کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اور آپ نے مفصل خطاب بھی فرمایا، اس موقع پر آپ کے ہمراہ حضرت مولانا فضل الرحمان مدظلہ بھی موجود تھے، مدیر ''الحق'' مولانا راشد الحق سمیع ''خدمات دیوبند کانفرنس'' کے اختتام پر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اس قافلے کو نماز مغرب کے بعد دارالعلوم حقانیہ لے آئے ، دارالعلوم کے مہتممین' مشائخ' اساتذہ اور ہزاروں طلبہ نے سربکف سربلند دیوبند دیوبند کے فلک شگاف نعروں سے ان کا جی ٹی روڈ پر جوش خیر مقدم کیا۔ ایوان شریعت (دارالحدیث) کے پرشکوہ اور وسیع وعریض ہال میں معزز مہمانوں کو لایا گیا۔ تمام ہال حاضرین اور عقیدت مندوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اس موقع پر ان مشائخ نے تقریریں کیں اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث نے حدیث پڑھ کر طلبہ کو خصوصی اجازت سے بھی نوازا، آغاز میں دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم واستاذ حدیث حضرت مولانا سمیع الحق نے معزز مہمانوں کا حسب ذیل خیر مقدمی کلمات سے استقبال کیا۔ اس تقریب کی کاروائی ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے نذر قارئین ہے۔ ......(ادارہ)

............☆☆☆............

دارالعلوم دیوبند کی طرح دارالعلوم حقانیہ کی تکوینی تاسیس

مولانا سمیع الحق کے استقبالیہ کلمات

حضرات گرامی! میں حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ، حضرت مولانا مرغوب الرحمان مدظلہ اور معزز اساتذہ کرام دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں تہہ دل سے خیر مقدم پیش کرتا ہوں اور انہیں اپنی طرف سے، دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ کرام، منتظمین اور عزیز طلباء کی طرف سے خوش آمدید کہتا ہوں۔

اکابر کی آمد اور اجازت حدیث

میں آپ تمام علماء اور طلباء کو معزز اساتذہ کرام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے اجازت حدیث ملنے پر مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آج آپ کو ایک عظیم نعمت سے نوازا۔ ان کی وجہ سے آپ کی سند عالی ہوگئی جس کی ہمیشہ آپ کو حسرت رہتی تھی گویا آپ کے اور شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے درمیان پورا ایک واسطہ کٹ گیا ہے پہلے جب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ بقید حیات تھے تو یہاں پر طلباء کو اجازت حدیث دیتے تھے۔ جو بزرگ آپ کے یہاں پڑھے ہیں ان کو تیرہ چودہ سال قبل حضرت والد بزرگوار اجازت حدیث دے دیتے تھے تو اس طرح سے وہ حضرت مدنیؒ کے ایک واسطے سے شاگرد ہو جاتے تھے۔ لیکن حضرت کی وفات کے بعد ایک سند منقطع ہوگئی اور دو واسطوں سے آپ کا یہ سلسلہ جڑتا تھا لیکن آج اکابر کی آمد سے آپ کی سند عالی ہوگئی ہے، ایک ایک حدیث کی سند عالی کرنے کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مصر اور شام اور پتہ نہیں کہاں کہاں کے سفر کیا کرتے تھے۔

حقانیہ کا باغ و بہار مدنی فیضان

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین ہیں ۔ دارالعلوم حقانیہ کا یہ سارا باغ و بہار حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا فیضان ہے۔ آپ کے شیخ اور بانی دارالعلوم حقانیہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا مدنیؒ کے تلامذہ میں سے تھے اور انکے رگ و ریشہ میں سیرتاً وصورتاً مدنیت چھائی ہوئی تھی اور اس کا عجیب نمونہ تھے۔ الحمدللہ آج یہ سارا سلسلہ ۲۵، ۳۰ ہزار افراد جو دارالعلوم حقانیہ سے نکلے ہیں جو آج افغانستان میں اسلامی نظام قائم کررہے ہیں یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کا فیض ہے

دارالعلوم دیو بند جامع المجدد دین

حضرات! ہماری مادر علمی مرکز علم و جہاد وحریت اور درس و تدریس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بلند مقام عطا فرمایا تھا اور اب بھی ہے ہمارے اکابر یہاں تشریف لاتے تھے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیو بند نے یہاں آکر ایک رات تفصیل سے جہاد وعزیمت اور تجدید دین کی تاریخ سنائی تھی اور بتایا کہ تجدید دین اللہ نے ہر صدی میں افراد کے ذریعہ کرائی انہوں نے تجدید دین کے تمام شعبوں' زاویوں اور مجدد کی تمام شرائط کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک مجدد ادارہ بھی ہوتا ہے، دارالعلوم دیو بند جامع المجدد دین ہے، گویا ادارے کی حیثیت سے اس نے دین کی تجدید کی' دارالعلوم دیو بند کے تاسیس کے وقت دین دوقسم کے خطرات میں گھرا ہوا تھا، ایک ہندو تہذیب وتمدن جسے اکال الامم (امتوں کو کھا جانے والی) کہا جاتا ہے۔ جو شرک، خرافات، توہم پرستی کی ظلمت کی شکل میں ہندوستان میں چھائی ہوئی تھی ہندوستان میں جو بھی تہذیبیں آئیں وہ مٹ کر اس

میں مدغم ہوگئیں آریائی قومیں ساری اپنی تہذیب وتمدن کو گنوا بیٹھیں۔ صرف اسلام اپنی حقانیت وصداقت کے بل بوتے پر قائم رہا لیکن جب انگریز آیا تو اس نے پورا عزم کیا کہ اب اس اسلامی علم وتہذیب کو مٹانا ہے۔

دین وعلم کا محور

اللہ تعالیٰ نے غیب سے حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانا تویؒ اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں ایک ادارہ قائم کرنے کا خیال ڈالا یہ ادارہ قطب الرحیٰ کی حیثیت رکھتا ہے یعنی پورے برصغیر' افغانستان اور سنٹرل ایشیاء کی ریاستوں کیلئے دین وعلم کا محور ہے اور یہ سارے ادارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔

مولانا محمد قاسمؒ نئے علم کلام کے بانی

اللہ تعالیٰ نے اس ادارہ اور یہاں کی شخصیات جیسے حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانا تویؒ سے ایسے کام لیے کہ صدیوں تک اللہ نے دین کی حفاظت فرمادی، اسلام کے ابدی اصولوں کی صداقت بھی منوائی' شکوک وشبہات اور الحاد دہریت کے سارے حملے بھی پسپا کردیئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت قاسم نانوتویؒ کے ذریعے ایک نیا علم الکلام مرتب کیا اور وہ ایک نئے علم کلام کے بانی ہیں۔

اگر امام غزالی اور امام رازیؒ نے اپنے دور میں قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، خوارج اور دیگر ہزاروں فتنوں کے خلاف خدمات انجام دیئے تھے تو حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے علمی میدان میں دہریت والحاد ہندو ازم، آریا ساج وغیرہ بے شمار فتنوں کے مقابلہ میں اسلام کے ابدی اصولوں کو منوایا، اس لئے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ علم و دلائل اور شکوک و شبہات کے لحاظ سے آئندہ پانچ سو سال تک اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، بدقسمتی سے پورے علماء دیو بند کے مدارس میں یہ خامی ہے کہ

اپنے اکابر کے بنیادی علوم کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے‘ اگر ہم مہتممین اس کی طرف توجہ دیں تو طلباء کو بھی آ گاہی ہو کہ یہ کون سی شخصیتیں ہیں؟ ہر شخص علم کی دنیا کی ایک کائنات تھی، ان کے علوم کا مطالعہ اور اس سے استفادہ اب بھی وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے۔

بہرحال تفصیل میں نہیں جانا چاہتا اسی دارالعلوم دیو بند میں آپ کے شیخ المشائخ اور اس ادارہ کے بانی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے تعلیم حاصل کی جن کی صلاحیتیں زمانہ طالب علمی ہی میں اجاگر ہوگئی تھیں اسلئے تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ اور دیگر اساتذہ کے اصرار پر انہیں وہاں تدریس کے فرائض انجام دینے کیلئے بلایا گیا۔ جہاں پر وہ معقولات کی کتب عالیہ اور اسکے ساتھ ساتھ احادیث کی کتابیں طحاوی شریف وغیرہ تقسیم ہند تک پڑھاتے رہے۔

دارالعلوم حقانیہ کی تکوینی تاسیس

رمضان المبارک ۱۹۴۷ء میں حضرت شیخ الحدیث چھٹی گزارنے گھر تشریف لائے تو ۲۷ رمضان کو ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا راستے بند ہوگئے اور یہ تصور بھی نہ تھا کہ مستقل طور پر راستے بند ہوں گے۔ شوال ہی میں وہ طلباء جو دارالعلوم دیو بند راستہ بند ہونے کی وجہ سے نہ جاسکے حضرت کے پاس اس قصبے میں ہمارے گھر کے متصل مسجد میں جمع ہوئے اور سبق پڑھانے کا اصرار کیا۔ خود حضرت کا ادارہ قائم کرنے کا تصور بھی نہ تھا، یہ سب کچھ تکوینی ہوا اس طرح شوال ہی میں درس و تدریس کا آغاز ہوا گویا یہ پاکستان کے قیام کے بعد شوال ہی میں پورے پاکستان میں پہلا قائم ہونے والا مدرسہ تھا، دارالعلوم کراچی، جامعہ اشرفیہ لاہور اور دیگر تمام ادارے بعد میں قائم ہوئے، آٹھ دس افراد کو حضرت نے

پڑھانا شروع کیا اللہ کو غیب سے یہ منظور تھا کہ دارالعلوم دیو بند جانے کا راستہ یہاں سے منقطع ہوگیا ہے اس لئے اس کی تحریک اور جدوجہد باقی رکھنے کے لئے یہاں ایک مرکز ضروری ہے سنٹرل ایشیاء اور افغانستان پر روس کا تسلط یہ سب کچھ اللہ کے علم میں تھا اور اس طریقے پر اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ایک چھاؤنی قائم کرنے کی صورت بنائی۔ دو تین مہینے بعد حضرت مولانا مدنیؒ اور حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ جو کہ حکومت میں بہت بڑی شخصیت اور وزیر تعلیم تھے اور جنگ آزادی کے بانیوں میں سے تھے، ان دونوں حضرات نے بھرپور کوشش کی کہ حضرت اور ایک دو اور اساتذہ کو کسی طرح دارالعلوم دیو بند بلایا جائے اس سلسلے میں یہ طے ہوا کہ ان حضرات کو لاہور سے ایک فوجی جہاز کے ذریعے دہلی اتارا جائے اور پھر وہاں سے بکتر بند گاڑی کے ذریعے دیو بند پہنچایا جائے، ان سب حالات اور واقعات کی خط و کتابت میرے پاس موجود ہے، ہمارے حضرت تو دیو بند پہنچنے کیلئے تڑپ رہے تھے لیکن میرے دادا مرحوم نے سختی سے اس بات کی مخالفت کی اور بتایا کہ میں فسادات اور خطرات میں آپ کو کسی طرح بھی اجازت نہیں دے سکتا جبکہ بچے بھی ساتھ ہوں جن کو لے جانے کا پروگرام تھا چونکہ ایسے حالات میں حضرت دادا مرحوم نے اجازت نہ دی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح مجبور کردیا کہ یہاں بیٹھ کر کام شروع کریں۔ اس سرزمین پر جہاد کا ایک تسلسل رہا ہے جس کو اکابرین دیو بند نے شروع کیا تھا۔ جہاد کا آغاز ڈیڑھ سو برس سے ہوگیا تھا برصغیر کی اور پاکستان کی آزادی اور پھر افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام یہ گھنٹوں‘ دنوں‘ مہینوں اور سالوں کی بات نہیں ......

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم ناز یک دانائے راز آید برون

تحریک جہاد سید احمد شہیدؒ

یہ اکوڑہ خٹک آج آپ جہاں تشریف فرما ہیں ۱۸۳۰ء یعنی آج سے ۱۷۱ سال پہلے سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں کا خون اسی علاقے میں بہا ہے، وہ ہندوستان سے افغانستان چلے تین چار سال کا لانگ مارچ تھا، افغانستان کی طرف یہ سارا سفر انگریز سے استخلاص وطن اور شریعت الٰہیہ کے قیام اور تنفیذ کیلئے تھا یعنی افغانستان اس وقت سے ہی جدوجہد کا مرکز بن گیا تھا پھر یہ حضرات درہ بولان کے راستے سے افغانستان داخل ہوئے اور پھر اس کے بعد وہاں سے یہاں (اکوڑہ خٹک) پہنچے تو اس سارے تین چار سال کے جدوجہد کے بعد اللہ تعالیٰ نے اکوڑہ خٹک کی سرزمین کو جہاد کیلئے منتخب کیا، یہ پیچھے (دارالحدیث سے پیچھے مصری باندہ کی گھاٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا) وہ گھاٹی ہے جس کو سید صاحب اور شہداء نے گزرگاہ بنایا اور دریائے کابل جو کہ اسی گاؤں میں بہہ رہا ہے، کو عبور کیا، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ”سیرت سید احمد شہیدؒ“ کی کتاب کے تدوین کے سلسلے میں یہاں بار بار آتے رہے ہیں، وہ مجھے اکثر جوانی کے زمانے کی باتیں بتایا کرتے تھے کہ اکوڑہ خٹک کے ایک چھوٹے سے قصبے میں میں اس زمانے میں کئی دنوں تک رہا' ایک دفعہ انہوں نے یہاں دارالعلوم حقانیہ میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ (سید احمد شہیدؒ کا جہاد) ۵۰۰ برس بعد شریعت کے تمام مسلمہ اصولوں کے مطابق جہاد تھا یعنی بیچ میں پانچ سو سال کا انقطاع آیا تھا، اصول یہ ہیں کہ پہلے اسلام کی دعوت یا پھر جزیہ کی بات کرو اور پھر تلوار کی بہرحال حضرت سید احمد شہیدؒ نے پہلے یہاں اس علاقے میں خویشگی کے مقام پر پڑاؤ کیا اور کافی دنوں تک وہاں سے خطوط کے ذریعے دعوت اسلام دی، اتمام حجت پر رات کو شب خون مارنے کیلئے دریائے کابل عبور کرکے حملہ کردیا، یہاں پر ان کا مقابلہ سردار رنجیت

سنگھ کے بھائی سردار بدھ سنگھ سے ہوا جو کہ دس ہزار فوج کے ساتھ ایک قلعہ میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا، اس معرکے کی تفصیل بڑی لمبی ہے۔ سینکڑوں افراد اس میں شہید ہوئے، اسی اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کے آس پاس ان ۷۰ شہداء کی قبریں بھی ہیں جن کی فہرست حضرت سید احمد شہیدؒ نے ہندوستان بھیجی تھی جو کہ بڑے بڑے امراء اور شہزادوں کی اولاد تھی اور ہندوستان کے مختلف زاویوں اور ریاستوں سے سید صاحبؒ کے ساتھ چلے تھے انہوں نے اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کردیا جبکہ دیگر شہداء تو پٹھان اور ان ہی علاقوں کے تھے جن کی فہرست نہیں بھیجی گئی وہ گوڈری شہزادے کے قصے بھی آپکے اسی اکوڑہ خٹک سے وابستہ ہیں سیرت سید احمد شہیدؒ میں جنگ اکوڑہ کا مستقل باب ہے۔ سید احمد شہیدؒ نے کہا کہ اکوڑہ خٹک کی رات ہمارے لئے لیلۃ الفرقان ہے پھر یہاں سے یہ جنگ شروع ہوئی اور ہوتے ہوتے بالاکوٹ تک پہنچی اور وہاں سید صاحب شہید ہوگئے لیکن یہ تحریک سو سال تک چلتی رہی۔

تحریک ریشمی رومال

پھر اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی ساری جدوجہد اور جنگ آزادی وغیرہ یہ سب ان ہی علاقوں سے وابستہ ہے حضرت شیخ الہند نے بھی ریشمی رومال کی تحریک میں افغانستان کو مرکز بنایا اور اس سلسلے میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور دیگر اکابر کو وہاں بھیجا لمبی تفصیل ہے تحریک کا راز فاش ہونے پر شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ حضرت اسیر مالٹا مولانا عزیر گلؒ یہ سب قاہرہ اور مالٹا میں جو اس وقت پرتعیش جزیرہ ہے لیکن اس زمانہ میں لق و دق صحرا دریائے شور اور کالا پانی کے درمیان ایک الگ تھلگ جزیرہ تھا قید ہوئے۔ وہ داستانیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کہ ہمارے اکابر نے کیا کچھ کیا؟

حضرت شیخ الہندؒ کی آہ و بکا و زاری اور قرآن کے ترجمے وہ سارے حالات حضرت شیخ الاسلام کے سفرنامہ اسیر مالٹا میں آپ پڑھ سکتے ہیں، حاجی صاحب ترنگزئی کا جہاد اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے آج یہ لوگ بڑے بڑے دعوی کرتے ہیں کہ علماء نے کیا کیا حالانکہ خان عبدالغفار خان مرحوم نے مجھے ایک رات پوری تفصیل لکھوائی کہ ہمیں جہاد و آزادی کا کچھ پتہ نہ تھا ہمیں حضرت شیخ الہند نے یہ راستہ دکھایا اس نے کہا کہ میں ریشمی رومال کی تحریک کا ایک حصہ ہوں میں نے کہا کہ کیسے آپ یہ سب پروگرام سمجھ لیتے تھے تو کہا کہ حضرت شیخ الہند گاڑی میں کسی جگہ کا ٹکٹ لے لیتے تھے اور میں دوسری جگہ کا ٹکٹ لے لیتا تھا اس طرح حضرت شیخ الہند دوران سفر مجھے ہدایات دیتے تھے تو حضرت شیخ الہند نے ان کو راہ حق پر لگایا ورنہ جب روس آیا تو پھر ان کا روسی استعمار کے مقابلہ میں کوئی جذبہ حریت نہ تھا۔

آزادی کی جنگ تو علماء دیوبند کی ہدایات اور تعلیمات سے لڑی گئی ہے اور پھر اسی جگہ جہاں شہداء کا خون اکوڑہ خٹک کی سرزمین پر گرا تھا وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک ادارہ (دارالعلوم حقانیہ) قائم کیا میں سمجھتا ہوں کہ یہ سیدین شہیدین کے ساتھیوں کا خون ہے جو یہاں رنگ لایا، جذب ہوا اور پھر نکلا اب افغانستان کو اس خون کی ضرورت ہے، سید احمد شہید کو اللہ نے ایک عجیب شان دی تھی کہ جہاں سے وہ گزرتے تھے وہاں نور کی روشنی اور ایک لکیر چھوڑ گئے۔

دیوبند میں علم کی خوشبو

اس وقت دیوبند (قصبہ) میں دارالعلوم نہ تھا، آج دارالعلوم دیوبند جہاں قائم ہے اس جگہ کوڑے کرکٹ کا ڈھیر تھا، شہر کا سارا گند و بلا لوگ وہاں ڈالتے تھے دیوبند سے گزرتے ہوئے حضرت سید احمد شہید نے اپنے قافلے کے

ساتھ وہاں قیام کرنا چاہا تو ساتھیوں نے کہا کہ یہ کوڑے کرکٹ کا ڈھیر ہے ذرا صاف جگہ میں پڑاؤ کرلیتے ہیں سید احمد شہیدؒ نے کہا کہ نہیں یہیں پر ٹھہرنا ہے، اس سرزمین سے مجھے علم کی خوشبو آرہی ہے یہ ۱۸۲۵ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان فرمایا تھا ،حضرت کو بصیرت وفراست سے یہ معلوم ہو رہا تھا پھر اس سرزمین اکوڑہ خٹک میں تو ان مجاہدین کا خون پسینہ بہا ہے، یہاں پرشیدو (جو کہ اکوڑہ خٹک سے دو میل پر ہے) میں ایک لاکھ افراد کا معرکہ ہوا تھا مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ تھی جس میں سید شہید کو سازش سے زہر دیا گیا تھا۔

بہرحال آج افغانستان میں جو اسلامی حکومت علی رغم الیہود والنصاری قائم ہے پورا عالم کفر اسلامی نظام کے خلاف ایک ہو چکا ہے کہ اسے چلنے نہیں دیں گے لیکن الحمدللہ اسلامی نظام وہاں قائم ہے اور طالبان اس پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی لچک اور نرمی نہیں مانتے ہیں تو یہ دو سو برس کی مسلسل دیوبند اور ان کے اکابر کی جدوجہد اور ان کی ساری محنتوں کا نتیجہ ہے۔

الحمدللہ یہ بھی آج اسی دیوبند کا فیضان ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کے ذریعہ ماسکو تک یہ موجیں پہنچ گئیں اور لینن و کارل مارکس کے مجسمے جہاد نے چور چور کرکے رکھ دیئے اور افغانستان میں آپکے ہزاروں حقانی علماء نے ۲۰ سال کے دوران قربانیاں دیں اور اس وقت بھی تحریک طالبان میں ۹۰٪ آپ کے حقانیین برسر اقتدار ہیں اور انکے جو دیگر ساتھی ہیں وہ بھی ہماری اولاد ہیں کیونکہ پھر اسی حقانیہ کے فضلاء نے پورے ملک اور افغانستان تک مدارس کا ایک جال پھیلا دیا ہے

افغانستان میں دوسو برس کی قربانیوں کا ظہور

افغانستان میں ۲۰۰ برس کی محنتوں کے بعد اسلامی حکومت قائم ہوئی ہے، اسلئے ہم کہتے ہیں کہ اس اسلامی نظام کا تحفظ پوری امت کا فریضہ ہے۔تمام علماء کو

اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ وہاں دو صدیوں کی قربانیوں کا ظہور ہو رہا ہے اگر کفر نے اس شمع کو ابتدا میں بجھا دیا تو پھر شاید اگلے کئی صدیوں تک دوبارہ یہ ساری صورتحال پیدا نہ ہو۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ----------

نور خدا کفر کی حرکت پر خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ہمارے لئے انتہائی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ آج دارالعلوم دیوبند کا عظیم اور موقر وفد یہاں پر تشریف لایا ہے ۔ماں کی گود میں بچے کو جو سکون ملتا ہے آج گویا ان کے آنے کی وجہ سے مادر علمی (دارالعلوم دیوبند) کی نسبت سے اتنی خوشی اور سکون محسوس ہو رہا ہے۔

خطاب

حضرت مولانا مرغوب الرحمان مدظلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مرغوب الرحمانؒ

تعارف

ہندوستان کے علمی خاندان سے تعلق رکھنے والے بزرگ شخصیت تمام تر اختلافات کے باوجود مجلس شوریٰ کا آپ منصب اہتمام کرنے کا فیصلہ کیا ۔ دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم علمی ادارے کے اہتمام کو تادم وفات حسن وخوبی کے ساتھ چلاتے رہے۔

دارالعلوم حقانیہ کے بارے میں پاکیزہ تاثرات و جذبات

دارالعلوم حقانیہ میں حاضری کی خواہش

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

حضرات اساتذہ کرام اور طلباء عزیز میرے لئے انتہائی خوشی اور مسرت کا موقع ہے کہ آج مجھے یہاں دارالعلوم حقانیہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی جب ہندوستان سے یہاں آنے کا پروگرام بن رہا تھا تو اسی وقت سے ذہن میں یہ بات تھی کہ کانفرنس سے فراغت کے بعد سرفہرست دارالعلوم حقانیہ میں حاضری دینی ہے افسوس کہ کل میں اپنی علالت اور ڈاکٹر صاحبان سے وقت لینے کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا ۔اپنی اس تمنا اور خواہش کو مجھے پورا کرنا ہی تھا۔

عظیم درسی خدمات

آج اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے یہاں پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور میں آپ حضرات کے درمیان میں موجود ہوں دارالعلوم حقانیہ کے بانی حضرت مولانا عبدالحقؒ دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر فاضل اور مدرس تھے، انہوں نے دارالعلوم دیو بند میں بڑی عظیم درسی خدمات انجام دیں تقسیم ہند کے بعد یہاں آنے پر دارالعلوم دیوبند کی شاخ کے طور پر دارالعلوم حقانیہ کی بنیا درکھی ۔

شجرہ طوبیٰ مولانا سمیع الحق کے لئے دعائیں

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو شاخ انہوں نے قائم کی تھی آج وہ شجرہ طوبیٰ کی حیثیت سے دارالعلوم دیو بند کی ہمسری کر رہی ہے اس طرح ہندوستان میں دارالعلوم دیو بند اور پاکستان وقرب و جوار کے ممالک میں دارالعلوم حقانیہ فیض پہنچا رہا ہے انتہائی مسرت ہے کہ دارالعلوم کے ایک فاضل نے اتنی عظیم خدمت سرانجام دی، آج مولانا سمیع الحق صاحب ان کے جانشین کی حیثیت سے اس نظام کو چلا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے مساعی کو قبول فرما کر مدرسہ کو مزید ترقیات سے نوازے اور طلباء عزیز کو علوم دینیہ کی دولت سے مالا مال فرما کر انہیں دین کی حفاظت و اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے قبول فرمائے، اس وقت سفر بھی میرا اختیاری نہیں ہے اس لئے مجھے افسوس ہے کہ یہاں ٹھہر نہیں سکتا اگر عوارض نہ ہوتے تو یہاں پر دو تین روز ضرور ٹھہر جاتا (طلباء کے اصرار پر انہوں نے طلباءٔ کو یہ نصیحت فرمائی)

علم کے ساتھ عمل

علم کے ساتھ عمل صالح نہایت ضروری ہے علم اگر ہو اور عمل نہ ہو تو مسلمان کے لئے اس علم کی کوئی حیثیت نہیں ہے علم ہے ہی اس لئے کہ اس پر عمل ہو اللہ اعمال صالحہ کو توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ دین پر استقامت عطا فرمائے، اور جس مقصد کے لئے طلباء عزیز اپنا وقت عزیز صرف کر رہے ہیں یہ ان کے عمر کا جوہری حصہ ہے اسے کارآمد بنانے کے لئے شب و روز محنت کرنی چاہیے تا کہ علوم حاصل ہوں اور اپنی مصروفیات کو مشغولیات کو اسی حد تک (علم) محدود رکھو۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں برکت عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ استعداد عطا فرمائے اور اللہ اپنا فضل وکرم شامل حال رکھے، جی نہیں چاہتا ایسا لگتا ہے کہ اپنے دارالعلوم میں آ گئے ہیں لیکن مجبوری ہے جانا ہے ورنہ طبیعت کا تقاضا تو یہی تھا کہ میں یہاں رہوں کچھ وقت گزاروں اور سیرابی ہو مگر افسوس کہ جانے کیلئے مجبور ہیں۔

خطاب

حضرت مولانا قاری محمد عثمان

حضرت مولانا قاری محمد عثمان مدظلہ

تعارف

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مدنیؒ کے داماد

دارالعلوم دیوبند کے بزرگ استاذ اور جمعیۃ علماء ہند کے سربراہ

دینی مدارس کمالِ علم،عمل،تواضع کے مرکز بنیں

آغاز سخن

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم محترم حضرات،اساتذہ کرام اورعزیز طلبہ!اس وقت ہم اور آپ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں حاضر ہیں تعلیم وتعلم کی نسبت سے یہاں کچھ باتیں اور گفتگو کرنے کی نوبت انشاء اللہ آئے گی اور ابھی ہمارے مرشد و مربی حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم عنقریب یہاں پہنچنے والے ہیں کوئی لمبی گفتگو نہ کرکے اتنی بات اس وقت عرض کرنی ہے کہ محض ان کتابوں سے جو علم ہم حاصل کرتے ہیں اسے کافی نہ سمجھا جائے۔

اکابر دیوبند باطنی کمالات کے امین

ہمارے اکابرؒ نے تمام ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد باطنی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی ہے اس میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی مثال پیش کی جائیگی جن کے علم و تفقہ،مہارت فنی کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے آپ جانتے ہیں کہ یہ حضرات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نوراللہ مرقدہ سے بیعت ہیں جو علوم رسمیہ کے پورے عالم بھی نہیں تھے کافیہ تک اور مشکوٰۃ کا کچھ حصہ پڑھا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم لدنیہ عطا

فرمائے تھے، بیعت اور اس طرح مرشد سے تعلق قائم رکھنے کا مقصد اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہیؒ کو مکہ سے خط لکھا کہ مولوی رشید احمد صاحب بہت دن ہو گئے آپ نے اپنے حالات لکھ کر نہیں بھیجے، بیعت ہو چکی تھی بڑے عالم اور محدث ہیں لیکن پیرو مرشد مرید کے نام خط لکھ رہے ہیں کہ آپ نے اپنے حالات لکھ کر نہیں بھیجے، حضرت گنگوہیؒ نے اس خط کا جو جواب دیا ہے وہ ہم سب کیلئے سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے، حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں لکھا کہ حضرت! بار بار خط لکھنے اور حالات لکھ کر بھیجنے کا سوچتا تھا لیکن پھر یہ خیال دامن گیر ہوتا کہ میرا کیا حال ہے اور کیا لکھوں لیکن حضرت کا خط آیا ہے، حکم ہے، اس لئے اس کی تعمیل کر رہا ہوں۔

امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت کے ساتھ تعلق ہو جانے کے بعد بیعت و اصلاح کا یہ اثر ہوا ہے کہ امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے ہیں یعنی جو شرعی احکام ہیں ان کے ادا کرنے کیلئے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے انسان کو کوئی بشری حاجت پیش آتی ہے اور اس کا تقاضا ہوتا ہے اور اسے بلاتکلف ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے ہیں۔

تطبیق آیات

دوسری بات جواب میں یہ تحریر فرمائی کہ حضرت کے ساتھ تعلق ہو جانے کے بعد قرآن کریم کی ایک آیت کا دوسری آیت سے کبھی بھی کسی قسم کا ٹکراؤ محسوس نہیں ہوتا ہے اور آیت کریمہ کا کسی حدیث پاک سے بھی ٹکراؤ محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہر آیت اور ہر حدیث پاک اپنی اپنی جگہ پر اور اپنے اپنے مورد پر واقع ہونے والی محسوس ہوتی ہے اور اب کوئی تعارض ہی محسوس نہیں ہوتا۔

مادح اور ذام برابر

تیسری بات یہ تحریر فرمائی کہ حضرت کے ساتھ بیعت ہو جانے کے بعد مادح (تعریف کرنے والا) اور ذام (برا کہنے والا) میری نظر میں دونوں برابر ہو گئے کوئی میرے سامنے میری خوب تعریف کرے میرا نفس پھولتا نہیں اور اگر کوئی مجھے برا بھلا کہتا ہے تو مجھے غصہ نہیں آتا۔ یہ تینوں باتیں بظاہر چھوٹی چھوٹی محسوس ہوتی ہیں لیکن ہر ایک کے اندر اپنا اپنا کمال ہے۔

کمال تواضع

مادح اور ذام نظر میں برابر ہو جائے یہ ہے کمال تواضع اور اس قدر فروتنی ہے کہ کوئی تعریف کر رہا ہے تو انسان خود محسوس کرے کہ اسے (مادح کو) کیا پتہ میں کیسا ہوں یہ تو اپنے ظاہری حال کے مطابق کہہ رہا ہے...... ع من آنم کہ من دانم
اور جو اس کی برائی بیان کر رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں تو اس سے بھی زیادہ برا ہوں جو یہ کہہ رہا ہے۔

تطبیق آیات وروایات کا ملکہ

اور تطبیق آیات کے اندر پیدا ہو جائے اس کے ذہن میں آیات کریمہ، احادیث مبارکہ میں تعارض محسوس نہ ہو یہ کمال علم ہے جب علم ناقص ہوتا ہے اور علم میں قصور ہوتا ہے تو ایک آیت کا مضمون دوسری آیت کے مضمون سے ٹکراتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اگر ہر آیت کا صحیح محمل اور صحیح شان نزول معلوم ہو تو پھر ایک آیت دوسری آیت سے نہیں ٹکرائے گی اسی طریقے پر جب ہر حدیث کے ورود کا محل اور اس کا مقام و مرتبہ اور حیثیت معلوم ہوگی تو کبھی اس طریقے پر تعارض محسوس نہ ہوگا۔ یہی حال آیت کریمہ اور حدیث پاک میں ہوگا یعنی کبھی انکے مابین بھی تعارض محسوس نہ ہوگا۔

کمال علم کے ساتھ کمالِ عمل

اور جس بات کو میں نے پہلے نمبر پر عرض کیا تھا وہ ہے کمال عمل کہ شرعی احکام پر عمل کرنے کیلئے طبیعت کے اندر تقاضا پیدا ہو رہا ہے اسلئے ہمارے ان مدارس میں اور خصوصاً دارالعلوم دیو بند سے تعلق رکھنے والے مدارس میں یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور چلنی بھی چاہئیں ۔ظاہری علوم کے اندر مکمل مہارت علمیہ اور پوری استعداد ہونی چاہئے، لیکن اس کو کافی سمجھ کر اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جائے یہ ہمارے اکابر کے راستے سے ہٹا ہوا راستہ ہے ،انہوں نے دونوں چیزوں کو جمع کیا ہے اور جس مقصد کیلئے جمع کیا ہے وہ میں نے آپ کے سامنے عرض کردیا کہ یہ ہماری اور آپ کی ضرورت کی چیزیں ہیں،ہمیں کمال علم بھی پیدا کرنا ہے اور کمال عمل بھی پیدا کرنا ہے اور کمال تواضع بھی اپنے اندر پیدا کرنی ہے اور یہی ہمارے مدرسوں کا اوڑھنا بچھونا ہے اور اسی مقصد کیلئے ہماری یہ ساری محنتیں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں ......(امین)

خطاب

حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہ

حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہ

تعارف

استاد حدیث دارالعلوم دیوبند، ہندوستان

دارالعلوم دیوبند خیرالقرون کے صفہ کا شاندار نمونہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد مجھے کوئی تقریر نہیں کرنی ہے میرا ایک تاثر ہے مجھے وہ مختصر طور پر عرض کرنا ہے۔

دارالعلوم کی بنیاد اور منہاج

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اور اس کا منہاج ماانا علیہ واصحابی پر ہے دارالعلوم دیوبند میں علم حقیقی شرعی کے ساتھ عمل میں نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع کا پرچار ہوتا ہے۔اس اتباع سنت کے طفیل اللہ تعالیٰ انسان کو بعض اوقات ایسی سنت پر عمل کرنے کا موقع دے دیتا ہے جس کا تحقق اور وجود مشکل ہوتا ہے۔

اصحاب صفہ کا طریق

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تعلیم وتعلم کا جو مشہور طریقہ رائج تھا وہ اصحاب صفہ کا طریق تھا، مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا داخلہ مدرسہ اصحاب صفہ میں ہوتا تھا، اصحاب صفہ بیک وقت تین کام سرانجام دیتے تھے۔

(۱) علم بھی حاصل کرتے تھے (۲) دعوت وتبلیغ کا کام بھی کرتے تھے (۳) دعوت وتبلیغ کیساتھ ساتھ بوقت ضرورت اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جہاد بھی کرتے تھے۔

موجودہ دور میں یہ سب باتیں اکٹھی جمع ہونی دشوار اور مشکل معلوم ہوتی تھیں لیکن یہاں آ کر دیکھنے سے دل میں یہ تاثر پیدا ہورہا ہے کہ یہ طریق وہی طریق ہے جو اصحاب صفہ کا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو اتباع سنت کی برکت سے یہ صورت عطا فرمائی ہے۔

اس کے بعد دوسری چیز حدیث کی کتاب میں برکت کیلئے کچھ پڑھنے اور اجازہ دینے کا ہے تو تمام اصول حدیث کی کتابوں میں آداب علم حدیث کے اندر یہ بات اپنی جگہ پر لکھی جاتی ہے کہ جب کوئی بڑا موجود ہو تو اس کی موجودگی میں چھوٹا کوئی تعلیم کا کام نہ کرے، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اعظمی مدظلہ کی طبیعت خراب تھی، وہ پہلے نہیں آئے تھے اسلئے مجھے قرأت حدیث اور اجازہ دینے کا کہا گیا لیکن اب آپکی وجہ سے تکلیف کرکے تشریف لے آئے ہیں لہٰذا اب وہی برکت کیلئے قرأت حدیث کریں گے اور وہ آپ کو کچھ نصیحت فرمائیں گے۔

خطاب

حضرت مولانا عبدالحق اعظمی قدس سرہ

حضرت مولانا عبدالحق اعظمی

تعارف

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

سلسلہ سند، درس حدیث اور اجازت حدیث

حضرت مولانا عبدالحق اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے بخاری شریف کی ابتدائی حدیث کی تلاوت کے بعد طلباً واساتذہ کو اجازۃ حدیث مرحمت فرمائی اور پھر فرمایا:

اہمیت کی حامل حدیث کا انتخاب

یہ کتاب جس کی پہلی حدیث میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے یہ حدیث ان چار احادیث میں سے ہے جس کے بارے میں صاحب مفتاح السعادہ نے، امام ابوداوٗدؒ سے نقل فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تمام احادیث مبارکہ پانچ لاکھ ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک چھ لاکھ ہیں، ان پانچ لاکھ احادیث سے میں نے اپنی کتاب ''ابوداوٗد شریف'' کا انتخاب کیا اور پھر میں نے اس اپنی کتاب سے چار احادیث کا جن میں نبی کریم ﷺ نے پورے دین کو اجمالی طور پر بیان کردیا ہے منتخب کیا، انہی چار احادیث میں سے ایک یہ (انما الاعمال بالنیات) کی حدیث بھی ہے جو کہ آپ کے سامنے ابھی تلاوت کی گئی ہے نہایت اہمیت کی حامل حدیث ہے جس کی وجہ سے مصنفین حضرات اس حدیث کو اپنی کتاب کا افتتاحیہ قرار دیتے ہیں اس حدیث پر مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے حضرت فدائے ملت (مولانا اسعد مدنی مدظلہ) تشریف لا چکے ہیں' اصل بیان ان کا ہوگا مجھے بتایا گیا کہ حدیث پڑھ کر اجازت دے دو۔

سلسلہ سند

میں نے بخاری شریف کا شروع سے لے اخیر تک الحمدللہ کوئی سبق ناغہ نہیں کیا
میں یہ تحدیث بالنعمت کے طور پر کہتا ہوں حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام
حضرت مولانا حسین احمد اور مدنی نوراللہ مرقدہ وبرد مضجعہ سے پڑھی ہے اور شروع
سے اخیر تک ان ہی سے پڑھی ہے کوئی سبق میں نے کسی دوسرے کے ہاں نہیں پڑھا،
حضرت مدنیؒ نے ہم لوگوں کو اجازت دی معمول یہ ہوتا تھا کہ جس روز یہ کتاب ختم ہوتی
تھی اس موقع پر حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب نوراللہ مرقدہ تشریف لے آتے تھے
اسی دستور کے مطابق اس وقت بھی تشریف لے آئے لڑکوں نے ان سے بھی درخواست
کی کہ حضرت آپ بھی اجازت دیں تو حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر
حضرت (مدنی) ہم کو اجازت دے دیں تو ہم بھی اجازت دے دیں گے اس پر حضرت
مدنیؒ نے فرمایا کہ ہم نے کتنی بار آپ کو اجازت دی ہے اسی مجلس میں حضرت مولانا سید
فخر الدین صاحبؒ سے بھی اجازت حاصل ہوئی' حضرت مدنیؒ کو حدیث کی اجازت شیخ
الہند مولانا محمود الحسنؒ سے حاصل تھی اور حضرت شیخ الہندؒ کو اجازت حدیث اپنے دو
اساتذہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانا توئیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے
حاصل تھی، ان دونوں بزرگوں کو اجازتِ حدیث حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ سے
حاصل تھی اور ان کو حدیث کی اجازت حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب جو حضرت شاہ
عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسے ہیں ان سے حاصل تھی اور ان کو اپنے نانا جان حضرت شاہ
عبدالعزیز صاحبؒ سے اجازت حاصل تھی اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو اپنے والد ماجد
حضرت شاہ ولی اللہؒ سے اجازت حدیث حاصل تھی ۔ باقی پوری سند حضور ﷺ تک ان کی
کتاب المہمات میں اور دیگر سند کی کتابوں میں موجود ہے وہاں دیکھی جا سکتی ہیں، اگر
پرانی ترمذی ہو تو اس کی پیشانی پر بھی سند نقل ہے یہ اس کتاب کی اور تمام اصول کی

اجازت حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کی خصوصی سند جو کہ ان کے طلباً جانتے ہیں سے مجھ کو
حاصل ہے، میں آپ حضرات کو بغیر اس حدیث پر کچھ کہے انہی شرائط کے ساتھ جن
شرائط کے ساتھ ہمارے اکابر اور مشائخ اجازت دیا کرتے تھے اجازت دیتا ہوں ۔ میں
آپ کے درمیان اور حضرت فدائے ملت (مولانا اسعد مدنی مدظلہ) کے درمیان حائل
ہونا نہیں چاہتا میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ علم حدیث کی برکات سے ہم سب
لوگوں کو مالا مال فرمائے اور ہمیں اس پر عمل کرنے کو توفیق مرحمت فرمائے ۔

علم عمل کی آواز دیتا ہے

صرف ایک بات میں عرض کر دیتا ہوں مسلسلات میں ایک حدیث ہے کہ علم
عمل کی آواز دیتا ہے، علم چاہتا ہے کہ عمل کیا جائے ،فان أجاب وإلا أرتحل اگر آپ
نے عمل کر کے جواب دے دیا تو وہ علم باقی رہے گا اور اگر آپ نے عمل نہیں کیا تو وہ علم
سلب ہو جائے گا یعنی آپ کے پاس نہیں رہے گا چنانچہ محدثین حضرات فرماتے ہیں کہ
إذا أردت أن تحفظ الحديث فأعمل به ولو مرة تكن من اهله اگر تمہارا ارادہ ہو کہ
علم حدیث کو باقی رکھو تو اس پر عمل کرو، فضائل و آداب کی جو احادیث ہیں کم از کم عمر میں
ایک مرتبہ اس پر عمل کرلو تو تم اس کے اہل بن جاؤ گے، محدثین حضرات علم حدیث کو باقی
رکھنے کیلئے تعامل بالحدیث کیا کرتے تھے، علم کی زکوۃ عمل ہے اس لئے میں آپ حضرات
سے کہتا ہوں کہ جو حدیث بھی پڑھے چاہے وہ فضائل اعمال سے متعلق کیوں نہ ہو اس پر
ضرور عمل کریں اللہ ہمیں اور آپ سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے دعا حضرت اسعد
مدنی فرمائیں گے ۔

(مولانا اسعد مدنیؒ کی وہ تقریر اسی جلد کے مولانا اسعد مدنیؒ کے خطبات والے حصہ میں 'حنفیت اور ان کے
مزایا و خصوصیات' کے نام سے شامل ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں)

(ضبط و ترتیب: مولانا عرفان الحق حقانی)

تاثرات

حضرت علامہ کشمیریؒ کے فرزند جلیل

مولانا انظر شاہ کشمیری صاحبؒ

مولانا انظر شاہ کشمیری

تعارف

حضرت علامہ کشمیریؒ کے فرزند جلیل ،محقق، مدرس ،خطیب ،ادیب ،جو اس وقت دارالعلوم (وقف) دیوبند کے شیخ الحدیث ہیں۔

مولانا انظر شاہ کشمیری کی آمد اور تاثرات

دارالعلوم دیوبند کے عظیم محدث علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری دیوبند سے تشریف لائے، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم سے ملاقات کی۔ دوران گفتگو دارالعلوم دیوبند کے ماضی میں زبردست تاریخی کردار، اکابر اساتذہ حضرت شیخ الہندؒ حضرت مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا اعزاز علی، اوران کے تدریسی، تصنیفی، علمی اور مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ رہا۔ طلبہ کی خواہش پر مولانا انظر شاہ مدظلہ نے دارالحدیث میں ان سے خطاب بھی فرمایا، تقریر کے اختتام پر دارالحدیث میں یہ منظر دیدنی تھا کہ مولانا موصوف حضرت شیخ الحدیث سے اجازت حدیث کی درخواست کر رہے تھے اور حضرت کا اصرار تھا کہ میں اس کا اہل ہی نہیں۔ مولانا کا اصرار ہی رہا بالآخر حضرت نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی (تاہم حضرت کا وہ خطاب ریکارڈ میں نہیں مل سکا البتہ اس کی جگہ دارالعلوم حقانیہ اور مشائخ حقانیہ کے بارے میں ان کے تاثراتی مکتوب یہاں شامل خطبات کیا جارہا ہے۔)

خطبات مشاهیر

جامعہ حقانیہ میں حاضری مولانا عبدالحق سے شرف نیاز

برادر مکرم ومحترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب شکراللہ

تحیۃ مسنونہ! سال گذشتہ پاکستان حاضری کے موقع پر آپ سے نیاز حاصل نہ ہونے کا قلق برابر محسوس کرتا رہا معلوم ہوا تھا کہ آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے ہیں اور واپسی بھی میری موجودگی میں اس وقت ہوئی جب میں مراجعت وطن کیلئے پابرکاب تھا۔

''اکوڑہ خٹک'' حاضری دی تھی اور حضرت المحترم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ادام اللہ ظلہ سے شرف نیاز حاصل ہوا آپ کی درسگاہ کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی مزید حضرت مدظلہ کے خوانِ کرم سے زلہ ربائی نصیب ظلوم وجہول تھی۔

اپنے بزرگوں میں سے کسی اہم شخصیت کا یہ مقولہ کانوں میں پڑا ہوا ہے کہ صاحبزادے بڑی مشکل سے کسی کے معتقد ہوا کرتے ہیں اور حضرت مظہر جان جاناں کا یہ ارشاد تو ان کے مکتوبات میں نظر سے گذرا کہ......

ع نازک مزاجی لازم صاحب زادگیت

مولانا عبدالحق کی عالمانہ شان فقیرانہ جلال

لیکن کسی مبالغہ اور توریہ کہ بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ کے والد ماجد مدظلہ سے پورے پاکستان میں ایک گہرا تاثر لیا معصومیت، سادگی، عالمانہ شان، فقیرانہ جلال، شکوہ دین، آثار بے سروسامانی، جسم زیبا پر ہر ایک اپنی مناسب جگہ پر موجود ہے دولت کدہ کے اس حصہ میں دسترخوان بچھایا جس کی قدامت و کہنگی صدیوں قبل کی علماء ربانی کی یادتازہ کرتے تھے بصورت نقد تبرک بھی عنایت فرمایا جس کے لینے میں یہ حقیر مسائل ہوا تو یہ جملہ بھی زبان مبارک پر آکر سامعہ میں رس گھولتا تھا ''چلو بس ہو چکا''

خداتعالیٰ مدظلہ کو عاجلہ و کاملہ و مستمرہ صحت عطا فرمائے کہ قحط الرجال کی سیاہ

مولانا انظر شاہ کشمیریؒ جلد اول

چادر کائنات پر پھیلتی جارہی ہے اور پاکستان تو آثار کہنہ سے آئے دن خالی ہوا جاتا ہے ان احوال میں حضرت مدظلہٗ کا وجودِ اقدس مغتنمات روزگار ہے میری جانب سے حقیر سلام پیش فرما کر مزاج پرسی فرمائیں اور عرض کریں کہ دور افتادہ مصروف دعا صحت ہے واللہ سمیع علیم فانہ مجیب الدعوات ۔

قاری محمد طیب قاسمی پر خصوصی اشاعت کی خواہش

الحق برابر پہنچتا ہے جس کے لئے ممنون ہوں حضرت مہتمم صاحب کا آپ کے مجلہ پر بہت حق ہے اس کی ادائیگی ابھی نہیں ہوسکتی کاش! کہ مرحوم کے شایان شان آپ کوئی نمبر نکالتے قطع نظر اختلافات، مرحوم اس دور میں ''دیوبندیت'' کی علامت تھے زندگی کے آخری مراحل میں صبر، سکوت، استغناء کا ناقابل شکست مظاہرہ فرما کر اسلاف کی مجسم تصویر اور ہماری تابناک ماضی کی متحرک یادگار بن گئے تھے ویسے مجھے یقین ہے کہ زمانہ جوں جوں قدم آگے بڑھائے گا غلط فہمیوں کے پردے چاک ہوں گے اور محسوس ہوگا کہ حلقہ دیوبند نے جو ازشرق تا غرب پھیلا ہوا ہے گوہر شب چراغ کھودیا ہے وہ اپنی صورت و سیرت، مکارم اخلاق، بلند و بالا شخصیت کے اعتبار سے دیوبند ایسے عظیم مکتبۂ فکر کے سجے سجائے مدیر تھے اور انہیں اس مکتبۂ فکر کی ترجمانی کیلئے خدا تعالیٰ نے منتخب فرمایا تھا فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً خدا کرے کہ مزاج سامی بعافیت ہوں۔

والسلام

انظر شاہ کشمیری دیوبند

۱۳/۱/۱۴۰۴ھ

صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی رسم دستار بندی

صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند
میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی رسم دستار بندی

مولانا علی میاں صاحب کی تقریر کے اثرات

آج ۲۲؍ مارچ اور ہفتہ کا دن ہے، برصغیر کی تاریخ کا یہ فقید المثال اجتماع حاضرین کے لحاظ سے پورے عروج پر ہے اور اس لحاظ سے مجمع انتہا کو پہنچ چکا ہے، کل بعد از جمعہ افتتاحی نشست تھی اور بعد از عشاء دوسری نشست میں زیادہ تر حصہ عالم عرب کے مشاہیر علماء اور زعماء کی تقاریر کا تھا، وسیع و عریض پنڈال کی وسعتوں کو نگاہیں سمیٹ نہیں سکتیں اور آنکھوں کے کیمرے بھی حاضرین کا احاطہ کرنے سے عاجز و درماندہ ہے، آج کی نشست میں پہلی تقریر عالم اسلام کے متاع گرانمایہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی ہوئی جو اپنی تقریر میں ملت مسلمہ ہندیہ کو نیا پیغام، نئی زندگی اور نیا ولولہ دے گئے اور اس پیغام نے ''حاصل اجلاس'' یا پیغام دیوبند کی حیثیت حاصل کر لی، کچھ حصہ ان کے خطاب کا عربی زبان میں بھی تھا کہ عالم عرب کے بے شمار سامعین وشرکاء جلسہ بھی اس انمول تحفۃ الہند سے دل و دماغ منور کر سکیں۔

مفتی محمود کی مختصر مگر جامع تقریر

ان کے خطاب کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ کی تقریر ہوئی جنہیں اپنی علمی اور سیاسی بھاری بھرکم شخصیت اور خداداد وجاہت کی وجہ سے قدرتی طور پر پاکستان سے شریک ہونے والے کم وبیش ۵ ہزار زائرین وشرکاء جلسہ کی زعامت و قیادت کا شرف بھی حاصل ہے، ان کی تقریر بھی مختصر مگر جامع اور مؤثر رہی کچھ دو ایک مزید عربی تقاریر بھی ہوئیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار نے مائک پر آکر اعلان کیا کہ اس نشست کا یہ حصہ دستار بندی کے لئے تھا مگر چونکہ وقت کم ہے اس لیئے اب بعض نہایت اہم اکابر کی دستار بندی پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی خصوصی دستار بندی

حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ چونکہ بعض اہم شخصیتوں کی تقاریر کی وجہ سے وقت کم رہ گیا ہے، جس میں خاصی تعداد میں دستار بندی مشکل ہے جبکہ اب تک کے کل فضلاء کی تعداد ساڑھے گیارہ ہزار کے لگ بھگ ہے جنکی دستار بندی فرداً فرداً رسم کے مطابق اگرچہ ہونی چاہئے تھی مگر یہ ناممکن ہے تاہم ہم اس نشست میں دو چار اہم شخصیتوں کی دستار بندی کرنا چاہتے ہیں جن میں سے ایک حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہیں جنہوں نے پاکستان میں ایک اہم مرکزی دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ کے نام سے قائم کیا جو پاکستان میں سب سے بڑا مدرسہ ہے اور جنہوں نے فراغت کے بعد تقسیم سے پہلے قیام پاکستان تک یہاں دارالعلوم دیوبند میں پڑھایا اسی طرح حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدنی مدظلہٗ اور دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث جو آج کل اگرچہ درس نہیں دے سکتے

معذور ہیں مگر شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں کی دستار بندی بھی ہوگی باقی حضرات فضلاء کو کل یعنی ۲۳ مارچ کو جلسہ کے اختتام کے بعد دارالحدیث کے ہال میں دستار فضیلت دی جائیں گی۔

رسم دستار بندی کا افتتاح

اس کے بعد دستار بندی شروع ہوئی سب سے پہلے خود حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی رسم دستار بندی ادا ہوئی جن کی مسلسل طویل اور انتھک خدمات کے دور میں دارالعلوم دیوبند نے ایک مدرسہ سے عالمی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس کے بعد جانشین شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ صدر جمعیۃ العلماء ہند کی دستار بندی کا اعلان ہوا فضلاء دارالعلوم کی کل تعداد میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے تلامذہ اور ان سے سند حدیث لینے والوں کی تعداد دوتہائی سے کم نہ ہوگی ویسے بھی لاکھوں کروڑوں مسلمان حضرت قدس سرہٗ کے گردیدہ اور نام لیوا ہیں آج یہ لوگ اپنے شیخ، استاد اور مرشد کے جانشین اور یادگار کی اس پر مسرت اور بابرکت رسم دستار بندی کا منظر دیکھ کر بے تاب ہو رہے تھے۔

اکابر علم وفضل میرے دو اساتذہ

اجتماع میں ہلچل مچ گئی لوگ فرط جذبات سے بے قابو ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ نے مائک پر آکر فرمایا کہ یہاں سب اکابر علم وفضل ہیں مگر اس وقت میرے دو اساتذہ موجود ہیں جن میں سے ایک حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم ہیں (ایک اور بزرگ کا نام لیا جو غالباً دارالعلوم کے موجودہ شیخ الحدیث ہیں مگر نام سنا نہیں گیا) اور میری دلی خواہش ہے کہ ان حضرات اساتذہ سے

میری دستار بندی کرائی جائے۔ اس وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ سٹیج کے شمالی کونے میں پہلی صف میں صوفے پر تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا اسعد صاحب مدظلہٗ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں سہارا دیتے ہوئے مائک تک لے آئے یہ منظر عجیب فرحت انگیز اور رقت آمیز تھا، مخدوم زادۂ عالم اور ہندوستانی مسلمانوں کے زعیم کی اپنے استاذ سے متواضعانہ اور مخلصانہ عقیدت قابل دید تھی، اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ اور دیگر اکابر اور حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ کی دستار بندی فرمائی۔

مولانا عبدالحق صاحب کی دستار بندی کا اعلان

اس کے بعد حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے مائک پر آکر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ کی دستار بندی کا اعلان فرمایا اور حضرت کے بارہ میں تحسین ومحبت کے زوردار کلمات سے ان کا تعارف کیا اور فرمایا حضرت مولانا دامت برکاتہم دارالعلوم دیوبند کے جید علماء میں سے ہیں جنہوں نے فراغت کے بعد عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور تقسیم ہند کے بعد بادل نخواستہ حضرت مولانا کو یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا اور تقسیم کے بعد ایک دینی ادارہ جامعہ حقانیہ کے نام سے قائم کر رکھا ہے اور حضرت مولانا وہاں خود کئی ہزار فضلاء کو دستار فضیلت عنایت کر چکے ہیں مگر ان کی دستار بندی بھی نہیں ہوئی تھی اور اب بحیثیت فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے ہم ان کی خدمت میں دستار فضیلت پیش کر رہے ہیں حضرت مدظلہٗ اس وقت مائک کے قریب تشریف فرما تھے، مائک پر آنے کے بعد ان کی دستار بندی ہوئی۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کا مختصر خطاب

دستار بندی کے بعد حضرت مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے دو چار منٹ تک مختصر کلمات بھی ارشاد فرمائے فرمایا کہ:

"یہ سب ان اکابر کی برکت اور دارالعلوم کا فیض ہے ہم میں اس کی ہرگز اہلیت نہیں پورے برصغیر میں دین کی اشاعت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت قاری صاحب مدظلہٗ اور ان کے اکابر کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ ان اکابر دارالعلوم کی کوششوں سے ملک آزاد ہوا اور دارالعلوم برصغیر میں اسلامی بقاء اور اشاعت کا ذریعہ بناء دارالعلوم دیوبند کو رب العزت مزید ترقیوں سے نوازے"۔

ایک برگزیدہ بزرگ کی دستار بندی

اس موقع پر ایک اور برگزیدہ بزرگ کی دستار بندی بھی کی گئی جن کا نام سمجھنے میں نہیں آیا مگر کسی نے کہا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے خلیفہ اجل مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب مدظلہٗ تھے اور کسی نے کہا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے پوتے حضرت مولانا مفتی محمود احمد گنگوہی دامت برکاتہم تھے، اس کے بعد حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے مائک پر آکر کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ ان حضرات کی خواہش ہے کہ اس نشست میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہٗ کی دستار بندی بھی کر دی جائے چنانچہ ان کی دستار بندی بھی اس موقع پر کر دی گئیں۔

اجلاس کی آخری نشست ۲۳/ مارچ میں بھی اختتام سے قبل بعض اکابر مدرسین دارالعلوم دیوبند اور کچھ حضرات کی دستار بندی ہوئی جس میں مولانا سعید

احمد اکبر آبادی مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا قاضی زین العابدین، سجاد میرٹھی، شاہ صبغۃ اللہ بختیاری، مولانا بدرالحسن ایڈیٹر عربی جریدہ الداعی مولانا محمد اسلم قاسمی ناظم اجلاس وغیرہ کے نام یاد پڑتے ہیں۔

ضبط و ترتیب: مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام دارالعلوم حقانیہ

الحق: ج ۱۵، ش ۷ مارچ اپریل ۱۹۸۱ء